فہرست

اداریہ 1

بِرُّ الْوَالِدَیْنِ وَصِلَۃُ الْأَرْحَامِ ﴿مجلس ۱﴾ 9

رشتہ داریاں دوطرح کی ہوتی ہیں 10

صلہ رحمی کسے کہتے ہیں ؟ 11

صلہ رحمی کی مختلف شکلیں 12

باب کے عنوان کاخلاصہ 13

خصوصی تاکید کاایک نرالا انداز 15

ڈبل پیمانے کیسے ؟ 16

عقل مندوں کے کچھ اوصاف 17

ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کاتاکیدی حکم 18

ایمان افروزواقعہ 19

مسلمان ہرمعاملہ میں اللہ تعالیٰ کاحکم دیکھتاہے 20

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک بہترین مثال 21

جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہورہی ہو.. 22

والدین کے بوڑھاپے کا پورالحاظ رکھو 24

ایک سوال،دوردِّ عمل 25

ان کو ”اُف“ تک نہ کہو.. 26

ماں باپ کی محبت ہی بے غرض ہوتی ہے 27

ماں نے تکلیفوں پر تکلیفیں جھیلیں.. 28

سب سے زیادہ پسندیدہ عمل 29

ہمارے اور صحابہ کرام کے مزاج کا فرق 30

سوال ایک؛جواب مختلف کیوں ؟ایک عمدہ مثال 31

نبی کریم (ﷺ) طبیبِ روحانی تھے 33

وقت کے تقاضہ کو پورا کرنے کا نام دین ہے.. 34

اپنے معاملہ میں فیصلہ کا بہترین طریقہ 35

خلاصہ ٔ کلام.. 35

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بِرُّالْوَالِدَیْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ ﴿مجلس ۲﴾ 37

باپ کا حق ادا کرنے کی ایک صورت 38

جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو 40

صلہ رحمی کی مختصر تفصیل 41

صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ 43

روزی کی تنگی کا سب سے بڑا سبب 43

کمزوروں کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے 45

پہلا شیطانی حربہ 46

دوسرا شیطانی حربہ 47

رشتہ داری کی اپیل 48

رشتہ داری کو زبردست گارنٹی ملی ہے 51

دولت اور کرسی کا نشہ 53

حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون؟ 54

وہ آدمی ہلاک و برباد ہو 55

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ماں باپ کی تقسیم کا دردناک منظر 56

ایک افسوس ناک واقعہ 57

ایسے موقعہ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے 58

بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ ﴿مجلس ۳﴾ 60

کثیر الوقوع شکایت خدمتِ نبوی میں 61

اپنا فیصلہ کسی غیر جانبدار سمجھدار آدمی سے کرایا جائے 62

اکابر کا طرزِ عمل 64

ان کے منھ میں گرم راکھ 65

ایک مددگار فرشتہ کا ساتھ 65

مؤمن کی سوچ بڑا بدلہ ہونی چاہیے 67

جو آدمی روزی میں برکت کا طالب ہو 68

ایک سوال اور اس کا جواب 69

حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) کا رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک 70

ماں باپ کی خدمت جہاد بھی اور ہجرت بھی 73

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اہم سے روک کر غیر اہم میں ڈالنا شیطانی حربہ ہے 74
صلہ رحمی کرنے والا کون ہے؟ 76
ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے 78
ہارون رشید اور ایک غلام 78
پھر ایک وقت آئے گا 79
رشتہ داری کی دعا 80
افضلیت موقع محل کے اعتبار سے ہوتی ہے 80
غیر مسلم رشتہ دار اور حسنِ سلوک 82
بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ ﴿مجلس ۴﴾ 85
صدقہ اور ہدیہ میں فرق 88
زکوٰۃ اصل زیور ہی میں ہے 89
بنیادی تعلیمات میں سے صلہ رحمی بھی ہے 90
مصر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید 93
اسلام میں ذمی کے حقوق کی رعایت 94

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مصروالوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ 95
اپنے رشتہ داروں کوڈرایئے 96
رشتہ داری کے حق کی ادائیگی میں کفرمانع نہیں 98
جنت اور جہنم والے اعمال 99
اس صدقہ پردوہرااجروثواب ہے 100
بیٹے سے اس کی بیوی کوطلاق دینے کا کہہ سکتاہے؟ 101
زیادتیاں دونوں طرف سے ہوتی ہیں 102
جنت کاسب سے عمدہ دروازہ 103
خالہ بھی ماں کے درجہ میں ہے 104
شانِ ورود 104
صلہ رحمی کاحکم شروع ہی سے دیاجاتاتھا 105
تَحۡرِيۡمُ عُقُوۡقِ الۡوَالِدَيۡنِ وَقَطِيۡعَةِ الرَّحِمِ 107
ماقبل سے ربط 109
ہرگناہ بڑاہے 110

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

صغیرہ وکبیرہ اور ان کا حکم 111

ایک مثال 112

ہر مسلمان کو یہ بھی معلوم کرلیناچاہیے 113

سب سے بڑے دوگناہ 113

ایک اور سب سے بڑاگناہ 115

چاربڑے گناہ 117

قسم کھانے کے متعلق تفصیل 117

یمینِ لغو 118

والدین کوگالی دینابڑاگناہ ہے 119

معاشرہ میں رائج ایک کبیرہ گناہ 121

قطع رحمی کرنے والاجنت میں نہیں جائے گا 122

ماں کے بارے میں خصوصی تاکید 123

اولادکوکسی کام کے لیے کس طرح کہیں ؟ 124

یہ چیزیں بھی حرام ہیں 125

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فضول بحث میں پڑنا بھی ناجائز ہے.. 125

بہت زیادہ سوال کرنا حرام ہے.. 127

مال کو ضائع کرنا ناجائز ہے.. 128

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا واقعہ.. 128

حضراتِ صحابہ اور ہمارے نظریہ میں فرق.. 131

فَضْلُ بِرِّ أَصْدِقَآءِ الْأَبِ وَالْأُمِّ وَالْأَقَارِبِ وَالزَّوْجَةِ.. 133

ماقبل سے ربط.. 134

سب سے بڑی نیکی یہ ہے.. 135

دوست کا دوست.. 136

اسی سے ترقی ہوتی ہے.. 137

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا قصہ.. 138

والدین کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے طریقے.. 140

مرنے کے بعد بھی ثواب.. 141

اولاد کو ماں باپ کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے.. 143

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت شیخ (نوراللہ مرقدہٗ) کا طرزِ عمل 144

ایصالِ ثواب سے زیادہ دعا کا اثر ہوتا ہے 144

دعا آسان کام ہے 145

مغفرت کی دعا کا قاعدہ 146

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی دوسری شکل 146

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تیسری شکل 148

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی چوتھی شکل 148

حضرت عائشہ کو حضرت خدیجہ پر غیرت 149

ہمارے معاشرہ کی ایک خرابی اور اس کا علاج 151

کسی کی بدعملی تمہیں انصاف کے تقاضوں سے نہ ہٹاوے 152

بندہ طاقتِ انتقام نہ دارد 153

بیوی کی سہیلیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا 154

نسبت اور تعلق کی وجہ سے چھوٹو ں کا اکرام کرنا 155

اِکْرَامُ أَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ) وَبَيَانِ فَضْلِه 157

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اہلِ بیت کے اکرام کی فضیلت 158

اہلِ بیت سے کون مراد ہے؟ 159

ہر سید علوی ہے، لیکن ہر علوی کا سید ہونا ضروری نہیں 161

دلوں کے تقویٰ کی بات 162

نبیٔ کریم (ﷺ) کی محبت ایمان کا جزو ہے 163

نبی کریم (ﷺ) کی محبت سب سے زیادہ ہونے کی دلیل 163

محبوب سے متعلق چیزوں کی محبت 165

مقامِ غدیرِ خُم کا خطبہ 166

خطبۂ غدیر خم کا پس منظر 168

میں جس کا دوست، علی بھی اس کے دوست 170

شیعوں کی تردید 170

اہلِ بیت کے بارے میں تاکید 173

اہلِ بیت کا مصداق 174

اگر نبی کریم (ﷺ) کی روحانی توجہات چاہئیں 175

آج ہم تمہاری عزت افزائی کرتے ہیں 176

سادات کا خیال رکھنے کا انعام 179

شریف زادی سیدانی کا درد انگیز واقعہ 180

سادات کے اکرام کے لیے نسبت ہی کافی ہے 183

اگر سید بد عمل ہو 185

نورٌ علیٰ نور 186

تبرکات کب کام آسکتے ہیں ؟ 187

تَوْقِیْرُ الْعُلَمَآءِ وَالْکِبَارِ وَأَهْلِ الْفَضْلِ ﴿مجلس ۱﴾ 190

باب کا عنوان 191

معاشرہ میں خوبیاں اس طرح پھیلتی ہیں 192

معیار بدل گیا 193

اکرام کس کا کیا جائے؟ 194

بچوں کا مزاج کیسے بنتا ہے؟ 195

ایک عمدہ مثال 196

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اچھائیوں میں تنزلی کی وجہ 197
کیایہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں ؟ 198
منصبِ امامت کی تفصیل 199
امامت کاسب سے زیادہ حقدار کون؟ 201
مہمان از خودامامت نہ کرائے 202
کسی کی خاص بیٹھک پر مت بیٹھو 203
صفوں کی درستگی کاایک بڑادنیوی فائدہ 204
امام کے قریب کون کھڑارہے؟ 206
بزرگوں کی مجلس کے آداب 207
سمجھ دار مجھ سے قریب رہیں 208
زمین کاسب سے پسندیدہ ٹکڑا 208
فارغ وقت گذارنے کی جگہ 210
غزوۂ خیبر کاپس منظر 211
ایک واقعہ 213

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک فقہی مسئلہ 214

کسی کے سامنے بات پیش کرنے کا ادب........ 215

تدفین میں بھی اہلِ قرآن کو فضیلت حاصل ہے 216

تَوۡقِیۡرُالۡعُلَمَآءِوَالۡکِبَارِوَأَهۡلِ الۡفَضۡلِ ﴿مجلس ۲﴾ 219

جو عمر میں بڑا ہو اس کا لحاظ کیجئے........ 220

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے 221

خاص دینی مزاج؛اعتدال 222

غلو سے بچانے کا اہتمام 225

خلاصۂ کلام........ 226

اعتدال کی ایک اور مثال 226

وہ ہم میں سے نہیں........ 229

لوگوں کے مقام و مرتبہ کے مناسب معاملہ کیا جائے 229

حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کی مجلسِ شوریٰ کے رکن 231

عالم بڑا ہے،چاہے وہ چھوٹا ہو........ 232

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا قرآن پر عمل کا اہتمام 233

قصہ کا سبق 234

بڑوں کی مجلس میں ان کا لحاظ کرنا چاہیے 235

بوڑھوں کا اکرام، اور دنیوی انعام 235

ہے یہ گنبد کی صدا؛ جیسی کہے ویسی سنے 236

اگر عالم کوتاہی کرے تو؟ 237

اگر عذاب دینا چاہتے 238

اہلِ علم کے متعلق ایک نہایت اہم مضمون 239

ہم لوگوں سے یہ عہد لیے گئے 242

چار قسم کے عذاب 244

امت کے بے وقوف 244

کفر کا اندیشہ 245

قابلِ غور چند باتیں 246

زیارۃُ أَهلِ الْخَيْرِ وَمُجَالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمَحَبَّتُهُمْ ﴿مجلس ١﴾ 255

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عنوان کی وضاحت 256

قرآن میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ہے 257

...اس ذات کی محبوبیت کا کیا عالم ہوگا؟ 258

حضرت موسیٰ کا جواب، اللہ کا عتاب 260

عزم پختہ ہو 262

اپنی ذات پر اعتماد نہ ہو 263

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی گوشمالی 265

حضرت خضر (علیہ السلام) سے ملاقات 266

تکوین 267

شیاطین اور تکوینیات 268

تشریع 270

حضرت خضر (علیہ السلام) کو تکوینیات کا علم دیا گیا تھا 271

کامیابی تکوینیات کے علم پر موقوف نہیں 272

آپ سے ضبط نہ ہوسکے گا 273

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سفر شروع ہوا 274

تختہ توڑدیا 275

یہ کیا کیا؟ 276

جدائی کا وقت آگیا 277

عین احسان شناسی 278

دوسرا راز 279

نیکی کی برکت، پشتہا پشت تک 279

اولاد کے لیے کیا فکر کریں ؟ 280

یہ ہمارا موضوع نہیں ہے 281

ایک خان صاحب کا واقعہ 282

تبصرے نہ کریں 283

وہ مالک ہے جو چاہے کرے 283

زِيَارَةُ أَهْلِ الْخَيْرِ وَمُجَالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمَحَبَّتُهُمْ ﴿مجلس ٢﴾ 286

تب سوچیں گے 287

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایسا نہیں ہو گا 288

حضور(ﷺ) کو صحبتِ صالحین کا حکم 289

اُم اَیمن نے شیخین کو رُلادیا 290

حضرت اُم اَیمن کا ناز 291

بڑوں کا معمول ملحوظ رہے 294

پتے کی بات 295

اللہ کی نسبت پر ملاقات کا انعام 296

زِيَارَةُ أَهْلِ الْخَيْرِ وَمُجَالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمَحَبَّتُهُمْ ﴿مجلس ٣﴾ 300

جنت میں ٹھکانہ بنانے کا آسان نسخہ 301

ان اعمال کو معمولی مت سمجھو 302

نیک وبد ہم نشین کی مثال 303

مثالیں اور انبیاءؑ کی تعلیمات 304

نیک ہم نشین کی مثال 305

برے ہم نشین کی مثال 306

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

صحبت کا کردار...ابو مسلم خولانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قصہ 306
عجیب شیخِ کامل کی صحبت کا اثر 308
کیا دیکھ کر لڑکی پسند کی جائے؟ 309
آپ کیوں زیادہ نہیں آتے؟ 312
دوستی صرف ایمان والوں سے کرو 313
انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے 314
حشر بھی محبت والوں کے ساتھ ہوگا 315
محبت ہے لیکن عمل اس درجہ کا نہیں 316
سب کا کام بن گیا 317
کوشش کرتا رہے 318
اوصاف فطری ہوتے ہیں 319
باہم مناسبت وعدم مناسبت پہلے دن سے ہے 320
حضرت اویس قرنی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مناقب 321
چٹھی نہیں لکھوائی 324

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

شہرت کی زندگی پسند نہ کی 325

روایت کا سبق 327

بادشاہوں کا حال یہ تھا 328

ہم کو بھی دعاؤں میں نہ بھولیو 328

بابرکت جگہوں کی زیارت کرنا 329

توجہ نہ دی جائے 330

مدینۂ منورہ میں روزانہ دو عمرے 331

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ١﴾ 334

صلحِ حدیبیہ 336

حضرات صحابہ کی خوبیاں 343

انصار کی مہاجرین سے للہ محبت 344

ایمانی حلاوت کے تین اعمال 346

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ٢﴾ 350

عرش کے سائے میں سات آدمی 351

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سایہ سے کیامرادہے؟ 352
امام عادل عام ہے 352
نکیل خود پکڑکرلائے 354
خودکھاناپکایا 355
کتنے بچے ضائع کردیے 356
خواہشات کورام کرکے 357
جس کادل مسجد میں اٹکاہو 358
فرشتوں کی آمین کاکیا؟ 359
سنن ونوافل کا مقصد 360
اللہ کے لیے باہم محبت 361
اس کی بڑی قدروقیمت ہے 362
امتِ محمدیہ کے یوسف 363
تب تک صدقہ قابل قبول نہیں 365
اورآنسو آگئے 365

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ٣﴾ 367

آج میں ان کو سایہ دوں گا 368

جلال کا نکتہ 369

باہم محبت پیدا کرنے کا نسخہ 370

اللہ کی محبوبیت حاصل کرنے کا آسان عمل 371

انصار کی فضیلت 373

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ٤﴾ 374

انبیاء وشہداء رشک کریں گے 375

بشارت سن لو 376

مشغول شخص کے انتظار کا ادب 378

ملاقات کا مناسب طریقہ 379

اللہ کی محبت کے حق دار 379

یہ وہ نغمہ ہے جو.... 381

جب کسی سے اللہ واسطے محبت ہو 382

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حدیث مسلسل بالمحبۃ........ 383

معمولات پر پابندی کی دعا........ 384

کیا تم نے ان کو بتا دیا........ 385

علاماتُ حبِّ اللہِ تعالیٰ العَبدَ والحثّ علی التَّخلُّقِ بِہا ﴿مجلس ۱﴾........ 387

محبت کی نشانی........ 388

مقام محبوبیت........ 389

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا........ 391

دو کاموں پر اعلانِ جنگ........ 392

قبر سے تین پیغام........ 393

اُلٹی کیسے سیدھی ہو سکتی ہے؟........ 394

فوراً بدگمانی........ 396

حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ) کے اسلام کا قصہ........ 398

حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ) کو کیوں منع فرمایا؟........ 400

اللہ والوں سے عداوت نہ رکھو........ 402

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اخبار لا اعتبار 402

تب بھی بدگمانی نہ کریں 403

معصوم کون ہے؟ 404

علاماتُ حبِّ اللہِ تعالیٰ العبدَ والحثّ علی التّخلُّقِ بِہا ﴿مجلس ٢﴾ 405

قرب بالفرائض 406

نفس و شیطان کا ایک دھوکہ 407

ایک مثال 408

نماز باجماعت کی تاکید 409

دوسری مثال 410

قرب بالنوافل 412

اللہ تعالیٰ خود حفاظت کا انتظام کرتے ہیں 412

شکر کس کو کہتے ہیں؟ 414

سارے دروازے کھلے ہوئے ہیں 415

ایسی خیرات سے کیا حاصل؟ 416

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مقبولیت ومردودیت کامعیار 417

مقبولیت یافتنہ 419

اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادیں گے 420

دلوں پر حکومت 420

ایک صحابی کی ادا 422

شانِ نزول 423

التَّحْذِیْرُ مِنْ اِیْذَآءِ الصَّالِحِیْنَ وَالضُّعَفَةِ وَالْمَسَاکِیْنَ 425

بڑا بہتان، کھلا گناہ 426

غلط پارکنگ 428

ٹیپ ریڈیو زور سے بجانا 428

نماز سے تکلیف نہ دے 429

جس کا کوئی نہیں 430

سائل کو مت جھڑکو 431

اللہ کی تلواروں نے حق وصول نہیں کیا 433

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جب صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فاروق (رضی اللہ عنہ) سے معافی مانگی 436

اب وہ مجرم ہے 437

کیا تمہیں معافی پسند نہیں؟ 439

میرے دوست کے معاملہ میں میرا خیال نہ کروگے؟ 440

کہیں اللہ تعالیٰ تم سے مطالبہ نہ کرلے 441

إِجْرَآءُ أَحْكَامِ النَّاسِ عَلَى الظَّاهِرِ وَسَرَائِرُهُمْ عَلَى اللهِ 443

شک شبہ کرنے کی اجازت نہیں 444

تو ان کا راستہ چھوڑ دو 445

مجھے قتال کا حکم دیا گیا ہے 446

مگر اسلام کے حق سے 447

کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں 449

مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے 450

ایک غلط طریقہ 451

اب اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے 452

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عین لڑائی میں کلمہ پڑھ لیا تو؟ 453
لاڈلے،لاڈلے زادے 455
کیاتم نے اس کادل چیراتھا؟ 457
صحابہ کی شان 458
کسی کاساتھ نہ دیا 459
مجھے جرأت نہیں ہوتی 460
تب تم کیاجواب دوگے؟ 461
اب فیصلہ ظاہرپر ہوگا 463

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مذہب اسلام پر اگر سوجانوں سے بھی فدا ہوا جائے تو اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا ایسی پاکیزہ تعلیمات، اتنے اعلیٰ اخلاق کوئی باطل مذہب بھلا کیونکر بتا سکتا ہے، اور پھر جامعیت اتنی ہر گوشہ اور جزئیہ کو کھول کر صاف اور دوٹوک بیان کر دیا گیا۔ معاشرے میں فرحت ومسرت کی لہریں دوڑیں تو کیسے دوڑیں؟ ایسے کہ انسان اپنے حقوق کو پس پشت ڈال کر دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں یکسوئی سے لگ جائے۔ سچ ہے! انسان اپنی دنیوی زندگی سے بھی اتباع شریعت وسنت کے بغیر لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ فیشن پرستی، مال و اسباب، زر وجائیداد سے کبر ونخوت تو حاصل ہو سکتا ہے، لیکن سکونِ قلب اور ماحول میں خوشگواری بغیر اتباع شرع کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ آج لوگوں کے پاس سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں ،مال دولت کی ریل پیل ہے، کوٹھیوں بنگلوں کی بہتات ہے، عہدوں اور ڈگریوں کی بھرمار ہے، اگر کمی ہے تو پاکیزہ تعلیمات اور اعلیٰ اخلاق کی، اور اسی وجہ سے زندگیوں سے چین و سکون رخصت ہو چکا ہے۔ بھائی بھائی سے بولنے کو تیار نہیں، ماں کو اولاد سے شکایت ہے، بیٹے کو والدین سے شکایت ہے، ہر ایک دوسرے کی شکایت کرتا ہے، لیکن اپنے گریبان میں جھانکنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ جس قوم کے پاس قرآن ہو وہ پریشان کیوں ہو۔ زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس کے متعلق اسلام نے واضح رہنمائی نہیں کی۔ وہ کونسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مذہب نے نہیں دیا۔ وہ کونسی بیماری ہے جس کا علاج نہیں بتایا۔وہ کونسی بحث ہے جسے تشنہ چھوڑدیا۔وہ کونسی الجھن ہے جس کو نہیں سلجھایا۔حق یہ ہے کہ سارے مسائل ومشاکل ہماری ہی پیدا کردہ ہیں۔قرآن وحدیث مکمل ہے،بس عمل کرنے کی دیر ہے۔ہماری مثال اس آدمی کی سی ہے جسے اپنی بیماری کی دوا معلوم ہے،اوروہ اس کے پاس موجود بھی ہے،لیکن استعمال کرنے کے لیےوہ تیار نہیں ہے۔اس کا کوئی کیا علاج کرسکتا ہے؟دوا تو استعمال کرتا نہیں، بدپرہیزی کرکے مزید بیماریاں اپنے ہاتھوں پیدا کرتا ہے۔قرآن کہتا ہے: ﴿أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ﴾ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم نہ چاہو اور ہم زبردستی تم پر تھوپ دیں؟کرنا تو ہمیں ہی پڑے گا۔

حضوراکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے:تم تودہکتی آگ میں کودنے کے چکر میں ہو اور میں تمہاری کمریں پکڑپکڑ کرتم کوبچارہاہوں۔اس سے زیادہ کوئی ہمارے لیے کیا کرسکتا ہے۔

اسلامی نبوی مقدس تعلیمات کا جوگلدستہ امام نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تیار کیا تھااس کو مہکانے اور اس کی خوشبو پھیلانے کا سلسلہ پچھلے کئی سالوں سے سورت میں حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دام مجدہم جاری رکھے ہوئے ہیں۔اللھم زدفزد ۔اس عرصہ میں ”ریاض الصالحین“مکمل ہوکراب”الادب المفرد“کا درس جاری ہے۔فللہ الحمد۔درس حدیث کی ان پُرنور مجالس میں احادیثِ رسول کے ترجمہ وتشریح کے ضمن میں علمی و عملی اورالہامی والقائی مضامین کا جودریابہتا ہے اس پر تبصرہ کرنا کسی کی بساط نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

”حدیث کے اصلاحی مضامین“کی پانچ جلدیں منظرِعام پر آکرجومقبولیت حاصل کرچکی ہیں وہ اس سلسلہ کی کامیابی اور قبولیت کی بین دلیل ہے۔اب اس سلسلۃ الذہب کی اگلی کڑی یعنی چھٹی جلد پیشِ خدمت ہے۔اس کے عنوانات یہ ہیں:

۱ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ

یعنی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اوررشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

۲ تَحْرِيْمُ الْعُقُوْقِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ

یعنی والدین کی نافرمانی اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنے کی حرمت

۳ فَضْلُ بِرِّ أَصْدِقَاءِ الْأَبِ وَالْأُمِّ وَالْأَقَارِبِ وَالزَّوْجَةِ

یعنی والدین،رشتہ داراوربیوی کے تعلق والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

۴ اِكْرَامُ أَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ)

یعنی اہلِ بیت کے اکرام کی فضیلت

۵ تَوْقِيْرُ الْعُلَمَاءِ وَالْكِبَارِ وَأَهْلِ الْفَضْلِ

یعنی علماء،بڑوں اور فضل وکمال والوں کا احترام و تعظیم کرنا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

٦ زِيارةُ أَهلِ الْخَيرِ وَمُجالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمُحَبَّتُهُمْ

یعنی نیک لوگوں کی زیارت اور صحبت میں جانا اوران سے محبت رکھنا

٧ فضلُ الحُبِّ فی اللہ و الحثِّ علیه

یعنی اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت اوراس کی تاکید

٨ علاماتُ حبِّ اللہِ تعَالیٰ الْعَبْدَ

یعنی اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت رکھنے کی نشانیاں

٩ التَحْذِيرُ مِنْ اِيْذَآءِ الصَّالِحِيْنَ وَ الضَّعْفَةِ وَ الْمَسَاكِيْنَ

یعنی نیک اورکمزوروں کوتکلیف دینے سے اپنے آپ کو بچانا

١٠ اِجْرَآءُ أَحْكَامِ النَّاسِ عَلىٰ الظَّاهِرِ وَ سَرَائِرُهُمْ اِلىٰ اللہ

یعنی ظاہر کے مطابق معاملہ کرو۔دل کا حال اللہ کے حوالے کرو

یہ کل دس موضوعات ہیں،انداز تو وہی حسب سابق ہے موضوع کے مناسب آیات وروایات امام نووی(رحمۃ اللہ علیہ) منتخب فرماگئے ہیں جن کا ترجمہ و تشریح حضرت اقدس (دامت برکاتہم)انتہائی سادہ اورعام فہم اندازمیں فرماتے ہیں۔کیوں کہ مجمع میں علماء کے علاوہ عوام بھی خاصی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تعداد میں ہوتے ہیں، مشکل سے مشکل اور دقیق سے دقیق بات بھی سمجھنا کسی کے لیے کچھ مشکل نہیں رہتا۔ بہت سی احادیث ایسی آتی ہیں جن کا ترجمہ وتشریح پہلی بار اتنا واضح اور صاف ستھرا سننے ملتا ہے، اور ضمنی علمی فوائد، مثالیں اور جواہر پارے اس کے علاوہ ہیں۔

ان دس موضوعات میں سے ہر موضوع سبق آموز نصائح وواقعات اور علمی وعملی فوائد پر مشتمل ہے، بہت سے نادر افادات ایسے ہیں جن کو الہامی والقائی قرار دینے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہتا، اور بات کو مثالوں سے واضح کرنے کی جو خوبی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے بعد ان کے حقیقی ورثاء کو عطا فرمائی ہے، اس کے بہت سے نمونے اس جلد میں نظر سے گزریں گے۔

جس شخص کو امت کا فکر دامن گیر ہوتا ہے اس کی احوال امت پر نظر بھی ویسی ہی گہری ہوتی ہے۔ نفسیات کی صحیح تشخیص اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت دام مجدہم کو خصوصی دین ہے، اس کا تجربہ طالب علمی کے زمانہ سے ہو رہا ہے، اور الحمدللہ یہ ملکہ ترقی پذیر ہی ہے۔ اس مجموعہ میں بھی دوران مطالعہ اندازہ ہوگا کہ امت کی کتنی صحیح نباضی فرمائی ہے۔ اولاد کی تربیت کے معاملہ میں آپ کی نگاہ کتنی دوررس اور باریک بیں ہے اس کا اشارہ ’’توقیر العلماء‘‘ والے مضمون کے بعض ضمنی افادات میں ملے گا۔

اس کے علاوہ حضرت موسیٰ وخضر کے قصہ کے ضمن میں تکوینیات وتشریعات کی تشریح بھی انوکھی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

صلہ رحمی کے تعلق سے ہم میں کیا کوتاہیاں درآئی ہیں،اس کے مقابلہ میں شریعت کی اعلیٰ تعلیمات کیا ہیں،ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم کتنا تاکیدی ہے، ان کی نافرمانی اور ایذارسانی کتنی خطرناک چیز ہے،رشتہ توڑنے پر کیا وعیدیں ہیں :یہ اموراس جلد کے پہلے دو مضامین میں پڑھنے ملیں گی۔عربی زبان کے مشکل مفردات کو آسان بناکر پیش کرنا بھی ایک خاص چیز ہے۔

کوئی والدین کا کماحقہ حق ادانہ کرسکا،اب وہ نہ رہے توان کے حق کی ادائیگی کی کیا شکل ہے؟وہ بھی اسلام نے بتائی ہے۔یہ ہے مذہبِ اسلام کی جامعیت۔

شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے کیسے کیسے حربے آزماتا ہے،وہ بھی جگہ جگہ پڑھنے ملے گا۔

آیات وروایات کی تشریح کے ساتھ موقع ملتے ہی حضرت معاشرہ میں پنپ رہے منکرات پر تنبیہ بھی بحسن وخوبی فرماتے چلتے ہیں۔ایسے بھی کئی نمونے ملیں گے ”ماں باپ کی تقسیم کا دردناک منظر“ وغیرہ عنوانات کے تحت ایسی چیزیں موجود ہیں۔

امام نووی (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتخاب کی خوبی یہ ہے کہ باب سے متعلق قولی روایات کے علاوہ فعلی روایات بھی لی ہیں،یہ مہمیز بنتا ہے جذبۂ عمل کے لیے۔آنحضور(علیہ السلام) نے جن امور کی تاکید اپنے ارشادات سے فرمائی،ان پر عمل کرکے بھی بتایا،اس کا اپنا اثر ہے۔

سابقہ مجموعوں کی طرح اس مجموعہ میں بھی مضمون کی مناسبت سے فقہی مسائل منفرد شان سے بتاتے چلے ہیں۔جہاں ضرورت محسوس فرمائی اپنی بات کی تائید میں اسلاف کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

معمولات وواقعات پیش فرمادیئے۔گھریلواور خاندانی امور میں ہونے والی کوتاہیوں پر نقد وتبصرہ کا حضرت کا اپناہی انداز ہے۔اس مجموعہ میں دیگرافادات کے علاوہ ہمارامعاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکارکیوں ہے، اس کے باطنی اسباب کیاہیں،علاج کیا ہے؛خاص چیز ہے۔

عنوان ”اگرروحانی توجہات چاہئیں“کے تحت سادات پربات چلی توحق ادا فرما دیا۔پھرکئی سبق آموزواقعات سنائے۔

اس کےعلاوہ اس مجموعہ میں جوخاص طورپرپڑھنےاورتوجہ دینے کی چیزیں ہیں،وہ یہ ہیں:

(۱)توقیرالعلماء کواس مجموعہ کی روح کہاجاسکتاہے۔پوراہی مضمون بہت دھیان سے پڑھنے کا ہے،کیوں کہ فیہ مافیہ۔

(۲)عنوان ”صحبت کاکردار“اور”زندگی بھر روتے رہے“۔

(۳)اخیرمیں تصوف وسلوک کے مناسب انمول افادات طالب توجہات ہیں۔

(۴)عنوان ”اسی سے ترقی ہوتی ہے“پڑھنے والی چیزہے۔

(۵)موقعہ ملاتورِدِّشیعیت سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔”خطبۂ غدیرِخُم“کے ذیل میں موجودہے۔

آپ کے اورکتاب کے درمیان اس سے زیادہ حائل نہیں بنناچاہتا۔گستاخی کے لیے معافی خواہ ہوں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فقط ابوزاہر

۶/ جمادیٰ الاخریٰ۔ ۱۴۳۲ھ

۲۰۱۱/۵/۱۰ء

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ

﴿مجلس ۱﴾

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

اور

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

﴿مجلس ۱﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ ۱۰/اپریل ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِاَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَامَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّااِلٰہَ اِلاَّاللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَاوَمَوْلَانَامُحَمَّداًعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً کَثِیْراً۔ أما بعد: فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

وَاعْبُدُوااللّٰہَ وَلَاتُشْرِکُوْابِہٖ شَیْئاً وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً (النسآء ۳۶)

رشتہ داریاں دوطرح کی ہوتی ہیں

باب کا عنوان قائم کیا ہے "بِرُّالْوَالِدَیْنِ وَصِلَةُالْأَرْحَامِ" ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا اورصلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ داری کونبھانااوران کے حقوق کواداکرنا،یہاں ان دونوں باتوں کوبتلاناہے۔

"رَحِم" عربی زبان میں بچہ دانی کوکہتے ہیں،عورت کے پیٹ میں جہاں بچہ رہتاہے، اسے عربی میں رحم کہتے ہیں۔جورشتہ داریاں بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی ساتھ میں لے کردنیامیں آتاہے،ان ساری رشتہ داریوں کے لیے لفظ رحم بولا جاتاہے،مثلاًجب بچہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی وہ کسی (ماں باپ)کا بیٹا ہوتا ہے، بھائی بہن دادادادی، نانا نانی، چچاماموں، خالہ پھوپھی؛ یہ ساری رشتہ داریاں وہ ہیں جو بچہ دنیا میں لے کر ہی آتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہوتی کہ یہاں آنے کے بعد کوئی رابطہ قائم ہوا ہو اور کانٹیکٹ ہوا ہو، جس کے نتیجہ میں رشتہ بنا ہو، اس لیے کہ کچھ رشتہ داریاں دنیا میں آنے کے بعد قائم ہوتی ہیں، مثلاً کسی عورت کے ساتھ نکاح ہوا تو وہ اس کی بیوی بنی اور یہ اس کا شوہر بنا، اُس کے ماں باپ اِس کے ساس سسر بنے اور اِس کے ماں باپ اُس کے حق میں ساس سسر ہوئے، اور اس کے نتیجہ میں دوسرے بھی بہت سارے رشتے پیدا ہوئے۔ یہ رشتے بعد میں ایک تعلق قائم کرنے کے نتیجہ میں وجود میں آئے ہیں ، اس کو سسرالی رشتہ کہا جاتا ہے، قرآنِ پاک میں بھی ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا﴾ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے پانی سے یعنی ماں باپ کے نطفہ سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو نسبی رشتوں والا اور سسرالی رشتوں والا بنایا۔ یہی دو طرح کی رشتہ داریاں ہوتی ہیں، ایک تو پیدا ہوتے ہی لے کر آتا ہے جیسا کہ اوپر بتلایا وہ تمام نسبی رشتہ داریاں کہلاتی ہیں، اور بعد میں جاکر نکاح کے ذریعہ جو رشتے قائم ہوتے ہیں وہ سسرالی رشتہ داریاں کہلاتی ہیں۔

صلہ رحمی کسے کہتے ہیں؟

تو عربی زبان میں لفظ رحم ان رشتوں کے لیے بولا جاتا ہے جو پیدا ہوتے ہی بچہ نسبی طور پر اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر آتا ہے، اور ان رشتہ داریوں، ان قرابتوں اور ان سگائیوں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کاخیال رکھنااوران میں سے ہرایک کے حقوق ان کے درجے کے مطابق ادا کرنا؛ اسی کانام شریعت کی اصطلاح میں ”صلہ رحمی “ہے۔جیساجیساجس کا درجہ اسی کے مطابق اس کاحق ہواکرتاہے۔ماں باپ کا حق جتناہے،بھائی بہنوں کا اتنا حق نہیں ہوسکتا یہ بات ہر آدمی سمجھ سکتاہے۔لیکن یہ سب رشتے وہی ہیں جو پیداہوتے ہی بچہ لے کر آیاہے۔یہ جتنی بھی نسبی رشتہ داریاں ہیں ان کو رحم کہاجاتاہے اوران رشتہ داریوں کا خیال رکھنا،ان کے حقوق ادا کرنا،ان کونبھانا،ان کوباقی رکھنا،ان کواور زیادہ مضبوط بنانا، اور ان رشتہ داریوں کی وجہ سے جو تعلقات قائم ہوئے ہیں ان کالحاظ کرنا؛ ان ساری چیزوں کو”صلہ رحمی “کہتے ہیں۔

صلہ رحمی کی مختلف شکلیں

اب صلہ رحمی مختلف طریقوں سے ہوتی ہے،مثلاًماں باپ محتاج ہیں توان کا خرچ برداشت کرنا،ان کی خدمت کرناوغیرہ۔یعنی صلہ رحمی کے بھی درجات ہیں،صلہ رحمی کے لیےضروری نہیں ہے کہ آپ پیسے ہی دیں،کھاناہی کھلائیں،شریعت نے خود اس کے درجات متعین کئے ہیں،کس کس کانفقہ اورخرچہ کس پرواجب ہے اورکب واجب ہے، یہ سارے مستقل مسائل ہیں،اس میں آپ کوخود سوچ کرپریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے،آپ کے لیےتوآسان راستہ ہے کہ آپ کسی بھی مفتی سے یاکسی بھی دارالافتاء سےرابطہ قائم کرکے پوچھ سکتے ہیں کہ میرا فلاں رشتہ دارہے،اس کایہ معاملہ ہے،تواب مجھ پراس کاکتناحق ہے؟ان شاء اللہ اس کی ساری تفصیل آپ کووہاں سے معلوم ہوجائے گی۔بعض رشتہ دارایسے ہوتے ہیں جوآپ کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مدد کے محتاج نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دولت سے نوازرکھا ہے، ان کے پاس بھی اپنی ضرورت کے بقدر چیزیں موجود ہیں،اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ ان کو کھاناکھلائیں،لیکن ان سے ملاقات کریں،ان کی خیریت پوچھیں،ان سے سلام کلام کریں؛یہ بھی صلہ رحمی کاایک درجہ ہے۔

باب کے عنوان کاخلاصہ

بہرحال!میں یہ عرض کررہاتھاکہ علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے باب کاجو عنوان قائم کیاہے اس میں دوباتیں بتاناچاہتے ہیں ایک توماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور دوسراصلہ رحمی۔میں جب بھی لفظ"صلہ رحمی"بولوں گااس کامطلب وہی ہوگاجوابھی میں نے تفصیل سے بتلایاکہ بچہ پیداہوتے ہی نسبی طورپرجورشتہ داریاں اپنی ماں کے پیٹ سے لے کرآتا ہے، ان کا لحاظ کرنااسی کادوسرانام "صلہ رحمی "ہے۔اور ان کالحاظ نہ کرنا،ان کے حقوق کو ادا نہ کرنا: اسی کا دوسرانام "قطع رحمی"ہے۔اگرآپ ان دونوں کا ترجمہ کریں گے توصلہ رحمی یعنی رشتہ داری کوملانااورجوڑنا۔اورقطع رحمی یعنی رشتہ داری کو توڑنا۔توآدمی ان کے حقوق کوجب ادا نہیں کرے گا،تورشتہ داری کہاں قائم رہے گی، اسی کوقطع رحمی سے تعبیرکیاگیا۔توصلہ رحمی کامطلب ہے رشتہ داری کے حقوق اداکرنا اور اس کے تقاضوں کوپوراکرنا۔اورقطع رحمی کامطلب ہے ان تقاضوں کو پورا نہ کرنا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اب ان رشتہ داریوں میں پہلی اور بنیادی رشتہ داری ماں باپ کی ہے،اس لیے انہوں نے ”بِرُّالْوَالِدَیْنِ“کالفظ الگ استعمال کیا،اس لیے کہ ماں باپ ہی ہیں جن کے ذریعہ سب کے ساتھ تعلق قائم ہوا ہے۔ماں اور باپ رشتہ داری کے اندر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں،باقی سب رشتوں کے لیے یہی دونوں واسطہ بنتے ہیں۔دادا یعنی باپ کا باپ، دادی یعنی باپ کی ماں ۔نانا یعنی ماں کا باپ،نانی یعنی ماں کی ماں۔ بھائی یعنی باپ کا بیٹا۔بہن یعنی باپ کی بیٹی۔ بھتیجا یعنی باپ کے بیٹے کا بیٹا۔ بھتیجی یعنی باپ کے بیٹے کی بیٹی۔بھانجا یعنی باپ کی بیٹی کا بیٹا۔بھانجی یعنی باپ کے بیٹی کی بیٹی۔ مطلب یہ ہے کہ کسی بھی رشتہ میں بیچ میں ماں یا باپ کا واسطہ ضرور آئے گا۔یہ سب تو براہِ راست رشتہ داریاں ہوئیں۔پھر ان سے جو پیدا ہوئے وہ دوسرا سلسلہ ہوجائے گا، ان میں واسطہ اس کے نیچے والے بنیں گے۔تو رشتہ داریوں میں بنیادی حیثیت ماں اور باپ کی ہے اس لیے انہوں نے والدین کو الگ سے ذکر کیا کہ ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنا۔

اب علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس سلسلہ میں اپنی عادت کے مطابق کچھ آیتیں اور احادیث پیش کرتے ہیں۔پہلی آیت تو وہی ہے جو پچھلے باب میں پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلہ میں آچکی ہے﴿وَاعْبُدُوااللهَ وَلَاتُشْرِكُوابِهٖ شَيْئًاوَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾چوں کہ اس آیت میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور رشتہ داروں کا خیال رکھنے کی تاکید ہے، اس لیے پہلے اسی آیت کو پیش کیا ہے،اس کی تفصیلی وضاحت میں گذشتہ مجلس میں کر چکا ہوں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خصوصی تاکید کا ایک نرالا انداز

دوسری آیت پیش کی ہے﴿وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ﴾یہ اس آیت کا ایک ٹکڑا ہے جو خطبۂ نکاح میں پڑھی جاتی ہے، جس میں صلہ رحمی کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ڈرو تم اس اللہ تعالیٰ سے جس کے واسطہ سے تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنی ضرورتوں کو مانگتے ہو۔ شروع آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو پیدا کرنے والے اور پالنے والے ہیں اور اس کے بعد بھی تم زندگی کے مختلف مرحلوں پر اپنے کام نکالنے کے واسطے اس کا نام استعمال کرتے ہو جیسے ہم کسی سے کہتے ہیں کہ بھائی! اللہ کے واسطے میرا یہ کام کر دینا۔ یہاں اللہ کا نام استعمال کیا گیا ہے اسی طرح موقع بموقع انسانوں سے اپنے کام نکالنے کے لیے اللہ ہی کا نام بیچ میں لاتے ہو اور اسی کا واسطہ دے کر سامنے والے کو دبانے کی کوشش کرتے ہو اور اس سے اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ تو جس کا نام لے کر تم دوسروں سے اپنا حق مانگ رہے ہو؛ اب تم خود ہی اگر اس سے نہ ڈرو اور دوسروں کا حق ادا نہ کرو تو یہ کیسی بات ہوئی؟ اس لیے یہاں خاص طور پر تاکید کی گئی ﴿وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ﴾ تم اس اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام کو پورا کرو جس کے واسطہ سے تم آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

جیسے کوئی آدمی اپنا کام تمہارا نام لے کر کسی دوسرے سے نکلوائے اور آپ کو پتہ چلے مثلاً آپ کے کسی دوست نے بتایا کہ فلاں صاحب آپ کا نام لے کر میرے پاس آئے تھے، تو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آپ کی وجہ سے میں نے اس کا کام کر دیا۔ اب آپ اس آدمی سے جس نے آپ کا نام لے کر اپنا کام کروایا تھا کوئی بات کہیں اور وہ نہ مانے؛ تو آپ کیا کہیں گے؟ واہ بھائی واہ! میرا نام کیش کر کے تو تونے اپنا کام کروالیا اور اب میں جو کہتا ہوں وہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہاں اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ صاف طور پر تاکید فرماتے ہیں کہ اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو، اس کے احکام پر عمل کرو؛ جس کا نام لے کر اور جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور اپنی ضرورتیں پوری کرواتے ہو۔ جب اپنے کام کا وقت تھا تو اس کے نام کا واسطہ دے کر کام نکلوایا؛ اور اب جب اس کے احکام کو پورا کرنے کا وقت آیا تو پیچھے ہٹتے ہو؛ یہ کوئی بات ہوئی؟ یہ بھی خصوصی تاکید کا ایک انداز ہے۔

پھر آگے فرمایا﴿وَالْأَرْحَامَ﴾اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرنے سے ڈرو، تمہارے ہاتھوں رشتہ داریوں کے حقوق برباد نہیں ہونے چاہئیں۔

ڈبل پیمانے کیسے ؟

بعض حضرات نے اس آیت کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں سے بھی ڈرو جن کا واسطہ دیتے ہو۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رشتوں کا واسطہ دیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں ارے! آپ تو میرے چچا ہیں، آپ تو فلاں عزیز کے دوست ہیں، اس کا خیال کیوں نہیں کرتے؟ تو جس طرح اللہ کے نام کو بیچ میں لاتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھی رشتہ داری کو بھی بیچ میں لاتے ہیں۔ باری تعالیٰ فرماتے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہیں کہ اپنا کام نکالنے کے لیے تو رشتہ داری کا واسطہ دیا اور جب خود اس کا حق ادا کرنے کا وقت آیا تو یہ پیچھے ہٹ کیسی؟ اسی رشتہ داری کا ناتہ اور دُہائی دے کر دوسروں سے تو اپنا حق نکال لیا، اور اب اسی رشتہ داری کو بھول گئے کہ ان کے حقوق ادا نہیں کرتے، اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے؛ یہ کیسی بات ہوئی؟ یہ ڈبل پیمانے کیسے ہیں؟۔

تو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس آیت کو رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرنے کی خاص تاکید کرنے کے لیے پیش فرمارہے ہیں کہ رشتہ داریوں اور سگائیوں کے حقوق کو برباد کرنے سے اور ضائع کرنے سے بچو اور ڈرو، تمہارے ہاتھوں رشتہ داری کا حق کا ضائع نہیں ہونا چاہیے، اس کے تقاضوں کو پورا کرو۔

عقل مندوں کے کچھ اوصاف

ایک اور آیت پیش کی ہے﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ﴾ "أولوا الألباب" یعنی سمجھ دار اور عقل مند کون ہیں؟ ہم نے دنیوی لائن سے عقل مندوں کے کچھ اوصاف متعین کر دئے ہیں اور انہی باتوں کو معیار بنا کر ہم کہتے ہیں کہ فلاں بڑا عقل مند ہے۔ اور قرآنِ کریم نے بھی عقلمند کا لفظ استعمال کر کے اس کے کچھ اوصاف مقرر کئے ہیں اور یہاں ان کو ذکر کیا ہے۔

ان میں سے ایک وصف یہ ہے کہ عقل مند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور وعدے کو توڑتے نہیں۔ آج کل تو جو آدمی بار بار وعدے کر کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لوگوں کو جتنا زیادہ چکر میں ڈالے؛اس کو لوگ عقلمند اور بڑا ہوشیار کہتے ہیں لیکن باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو عہد و پیمان کو پورا کرے،وہ عقل مند ہے۔

عقل مندوں کا دوسرا وصف یہ ہے کہ وہ لوگ جوڑتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔اور کس چیز کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟ رشتہ داریوں کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اور ان کے حقوق کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔تو یہ لوگ بھی ان کے حقوق کو ادا کرکے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرکے رشتہ داریوں کو قائم رکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رشتہ داریوں کے تقاضوں کو پورا کرنا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا؛قرآن کی اصطلاح میں آدمی کے عقل مند ہونے کی علامت ہے۔

ماں باپ کے ساتھ اچھے سلوک کا تاکیدی حکم

آگے ایک اور آیت سورۂ عنکبوت کی پیش فرمائی ہے:﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔پچھلی مجلس میں بھی بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور بہت ساری آیتوں میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا،اس کے ساتھ فوراً ہی ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم بھی جوڑ دیا ہے۔اور اس کی وجہ بھی بتلائی تھی کہ انسان کے وجود میں آنے کا حقیقی ذریعہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے لیکن مجازی طور پر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اگر دیکھا جائے تو ظاہری سبب تو ماں باپ ہی بنتے ہیں، اس لیے ان کے حق کو ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ایمان افروز واقعہ

اور اس آیت کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ جب وہ اسلام لائے، اس وقت تک ان کی والدہ مسلمان نہیں ہوئی تھی، اور حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) اپنی والدہ کے بڑے فرمانبردار اور اطاعت شعار تھے۔ ان کی والدہ کو جب معلوم ہوا کہ میرا بیٹا مسلمان ہو گیا ہے تو کہنے لگی کہ میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گی جب تک تو اسلام کو چھوڑ نہ دے اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور بھوک ہڑتال کر دی۔ اب یہ سمجھا بھی رہے ہیں کہ کھانا کھا لو لیکن وہ کہہ رہی ہے کہ تو نے نیا مذہب کیوں قبول کیا؟ جب تک تو اس کو نہیں چھوڑے گا وہاں تک میں نہیں کھاؤں گی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ماں مانتی نہیں ہے تو کہا کہ دیکھو اماں! تمہاری ہر بات پر میں جان دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن اگر تم اپنی جان اس لیے قربان کر رہی ہو کہ میں ایمان کو چھوڑ دوں؛ تو یہ کبھی ہونے والا نہیں ہے، اگر تمہیں کھانا ہے تو کھاؤ؛ ورنہ جیسا تمہیں کرنا ہو کرو۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو اسی پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے انسان کو تاکید کی کہ اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اگر وہ شرک کا حکم دیں تو پھر ان

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی اطاعت نہ کی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر۳/۴۰۵۔۴/۱۵۷،بحوالہ مسند ابوداود طیالسی ومسلم۔اصحاب سنن سوائے ابن ماجہ)

دیکھئے!اسلام نے توکسی کی بھی اطاعت وفرمانبرداری اس شرط کے ساتھ مشروط کردی ہے،اورہر جگہ یہ قیدلگادی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو،وہاں ہی ان کی بات مانی جائے گی۔

مسلمان ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم دیکھتا ہے

میں پہلے بھی کسی موقعہ پر بتلاچکاہوں کہ مسلمان جوکچھ بھی کرتاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہی کرتاہے،مسلمان ماں باپ کی خدمت اس لیے کرے گاکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کرنے کا حکم دیاہے۔مسلمان بیوی بچوں کاخیال اس لیے رکھے گاکہ اللہ تعالیٰ نے ان کاخیال رکھنے کااوران کے حقوق اداکرنے کاحکم دیا ہے، مسلمان بھائی بہنوں کے،دادا دادی، نانا نانی، رشتہ دار،پڑوسی،دوست احباب وغیرہ جن کے بھی حقوق اداکرتاہے وہ اس لیے کہ ان سب کے حقوق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں۔گویا اس نے تواسلام قبول کرکے اورایمان لاکراپنے آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالہ کردیاہے،اوراسی کے ساتھ تعلق قائم کرلیاہے،اب وہاں سے جو حکم ہوتاہے اسی کے مطابق وہ کام کرتا ہے، اس کااصل تعلق تواللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے،اس لیے ہر کام میں وہ پہلے یہی دیکھے گاکہ وہاں سے کیاحکم ہے؟وہاں سے جو حکم ہوگااسی کے مطابق وہ معاملہ کرے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک بہترین مثال

اس بات کو سمجھنے کے لیے میں ایک مثال دیتا ہوں۔ جیسے آپ کے گھر میں ٹیلیفون لگا ہوا ہے تو اس کا اصل تعلق تو ایکسچینج سے ہے، اس سے دنیا میں جہاں جہاں بھی آپ ٹیلیفون کریں گے تو پہلے اس کا رابطہ ایکسچینج سے ہوگا، بلکہ آپ کے جس پڑوسی کی دیوار بالکل آپ کی دیوار سے لگی ہوئی ہے، اس کے نمبر پر بھی آپ اپنے گھر کے نمبر سے فون لگائیں گے، تو اگرچہ اس کے گھر کا راستہ آپ کے گھر سے چند منٹ کے فاصلہ پر ہے، اور ایکسچینج کا راستہ آدھا گھنٹہ کے فاصلہ پر ہے، لیکن آپ کے نمبر سے فون سیدھے اس کے نمبر پر نہیں جائے گا بلکہ آپ کا فون پہلے ایکسچینج میں جائے گا اور وہاں سے اس کے نمبر پر جائے گا۔

اسی طرح ہمارا پہلا رابطہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے، پھر ماں باپ، بیوی بچے، بھائی بہن، استاذ شیخ وغیرہ کے ساتھ ہے، اور ان کے جو بھی حقوق بتلائے ہیں اور جن کے ساتھ بھلائی اور احسان کا معاملہ کرنے کو کہا ہے، یا جن کی بات ماننے کے لیے ہمیں پابند بنایا گیا ہے؛ ان تمام احکام کو پورا کرنے کے لیے رابطہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بن رہی ہے۔ ہمیں یہی خیال آتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو جائے، ہمارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے کٹنا نہیں چاہیے۔ جیسے ٹیلیفون ایکسچینج سے اگر ہمارا رابطہ کٹ گیا تو پھر پڑوس والے گھر سے بھی رابطہ نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ تعلق ایکسچینج کے واسطہ سے ہے۔ تو اصل تو یہ ہے کہ ماں باپ وغیرہ کوئی بھی ہو؛ ان کی بات ماننے کے لیے مدار اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو

حدیثِ پاک میں ہے﴿لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ﴾ (الدر المنثور ۲/ ۱۷۷، بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ)جہاں خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ جس مخلوق کی فرمانبرداری کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اسی کی ہم فرمانبرداری کر رہے ہیں، اب وہی مخلوق اگر خالق کی نافرمانی کروانا چاہتی ہے؛ تو بھلا اس کی بات کیسے مانی جا سکتی ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ جیسے کسی نے آپ سے کہا کہ فلاں کی بات مان کر چلنا اور پھر وہی آپ سے یوں کہے کہ اس کے ساتھ تعلق مت رکھیو، تو آپ کیا کہیں گے کہ ارے بھائی! تیری بات تو میں اس لیے مانتا ہوں کہ اُسی نے کہا ہے، اور اب تو مجھے اُسی سے تعلق رکھنے سے منع کر رہا ہے؟ یہ کیسی بات ہوئی۔ بات سمجھانے کے لیے میں نے ایک مثال دی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے سب کچھ کرتا ہے، اسی لیے حضور(ﷺ) نے ایک اصول بتلادیا کہ کسی بھی مخلوق کی -چاہے وہ ماں ہو یا باپ ہو یا اور کوئی بڑے سے بڑا ہو- بات ایسی چیز میں نہیں مانی جائے گی جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو۔

ارے دوسرے تو دوسرے ہیں، خود حضور(ﷺ) سے اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ آپ کی بات بھی وہاں نہیں مانی جائے گی جہاں شریعت کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، حالانکہ حضور(ﷺ) سے بھلا ایسا ہونا کیا ممکن تھا؟ ہرگز نہیں ۔ قرآنِ کریم میں سورۂ ممتحنہ میں مؤمن عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

يَزْنِيْنَ وَلاَ يَقْتُلْنَ أَوْلادَهُنَّ وَلايَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلايَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ اے نبی! مؤمن عورتیں جب آپ کے پاس ان کاموں پر بیعت ہونے کے واسطے آویں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور چوری نہیں کریں گی اور زنا نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور بہتان تراشی نہیں کریں گی اور نیکی کے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔ یہاں ﴿فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ کی قید لگائی ہے یعنی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات ماننے کا مسئلہ ہے حالانکہ ہر آدمی مانتا ہے کہ اللہ کا رسول کبھی کسی ایسی بات کا تو حکم دے ہی نہیں سکتا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو، پھر بھی یہاں ﴿فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ کی قید لگائی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ دراصل لوگوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے کہ کسی کی بھی اطاعت اگر کی جائے گی تو نیکی کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہی کی جائے گی (تفسیر مظہری ۹/ ۲٦۷) جب نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہا جارہا ہے ﴿وَلايَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ تو پھر ہماشما کا کیا حال ہوگا۔ قرآنِ کریم کی اس آیت نے تو بہت واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

اسی لیے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ﴿لا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِيْ مَعْرُوْفٍ﴾ کسی کی بھی بات اسی وقت مانی جائے گی جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔ ماں باپ اگر کسی ایسی چیز کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو ان کے اس حکم پر عمل کرنا واجب تو کہاں ہوتا؛ جائز ہی نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

والدین کے بوڑھاپے کا پورالحاظ رکھو

ایک اورآیت پیش کی ہے﴿وَقَضٰی رَبُّكَ أَن لاَّ تَعْبُدُوْا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً﴾اور تیرے رب نے اس بات کا حکم دیا کہ صرف اُسی کی عبادت کی جائے اور والدین کے ساتھ اچھائی کا سلوک کرنے کا حکم دیا﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً﴾اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے کوئی ایک یادونوں بوڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں توان کو ’’ہوں‘‘ بھی مت کہو۔جب عمر زیادہ ہوجاتی ہے تو آدمی کی عقل پر ذرا اثر پڑجاتا ہے، عقل میں فتور آجاتاہے اوروہ باتیں بھول جایا کرتا ہے۔مثلاًاباجان سوسال کے بوڑھے ہوگئے تو بعض دفعہ ایسی باتیں کرتے ہیں جس کا نقشہ خود قرآنِ کریم نے کھینچاہے ﴿لِكَيْلاَ يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئاً﴾اخیری عمرمیں آدمی کو بہت ساری چیزیں یاد نہیں رہتیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتاہے کہ کھانا کھایااور تھوڑی دیر بعد کوئی ملنے والا آیا تو کہنے لگے کہ آج توگھر والوں نے کھانا نہیں کھلایا۔ اب گھر والے کہتے ہیں کہ ہم نے ان کو کھلایا اور یہ دوسروں کے سامنے ہماری شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نہیں کھلایا۔

خیر! باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو ’’ہوں‘‘ تک مت کہو،یعنی آپ کی طرف سے ’’ہوں‘‘ کالفظ بھی ان کے لیے شدید تکلیف کاباعث ہوتاہے۔اوران کو جھڑکو مت اوران سے اچھی اور نرم بات کرو،چاہے وہ کچھ بھی کریں لیکن آپ کی طرف سے جواب میں کوئی ایسی نامناسب بات ہونی نہیں چاہیے، آپ تو ان کی عمر کے تقاضہ کاپورالحاظ رکھیے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک سوال، دو ردِّ عمل

کسی کتاب میں ایک قصہ پڑھا تھاوہ سنادوں: کہ ایک مرتبہ ایک بڑے میاں اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، صاحبزادے بھی پاس میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک کوّا بول رہا تھاتو بیٹے سے پوچھاکہ بیٹا! جوپرندہ بول رہاہے یہ کیاہے؟ بیٹے نے کہاکہ اباجان! یہ کواہے، تھوڑی دیربعد پھرپوچھاکہ بیٹا! جوبول رہاہے، یہ کیاہے؟ توکہاکہ ابا! یہ کوابول رہاہے، تیسری مرتبہ پوچھاتوبیٹے کے آوازمیں تیزی آئی کہ اباجان! کوّابول رہا ہے۔ پھر چوتھی مرتبہ پوچھاتوبیٹے نے ذراچِلاّ کرکہاکہ کہہ تودیاکہ کوابول رہاہے۔ پھر پانچویں مرتبہ پوچھا توبیٹا غصہ سے کہنے لگاکہ کتنی مرتبہ جواب دیاکہ کواہے، کواہے، کوا ہے اور کتنی بار پوچھیں گے۔

خیر! اب اباجان گھرمیں گئے اوراپنی ایک ڈائری لے کر آئے، اورکسی تاریخ کا صفحہ نکالا اورکہاکہ بیٹا! پڑھو، اِس میں کیالکھاہے؟ تواس میں لکھاتھاکہ آج میں صحن کے اندر بیٹھا ہواتھااورمیرے ساتھ تین چارسال کی عمرکامیرابچہ بھی بیٹھا ہوا تھا اور قریب ہی ایک درخت پرایک کوّابیٹھاہوابول رہاتھاتواس بچے نے پوچھاکہ اباجان! یہ کیا ہے؟ میں نے کہاکہ بیٹا! یہ کوّاہے۔ پھردوسری مرتبہ اس نے پوچھاتومیں نے کہاکہ بیٹا! یہ کوّا ہے۔ یہاں تک کہ پچیس مرتبہ اس نے پوچھااورپچیس مرتبہ میں نے اس کوجواب دیاکہ یہ کواہے۔ اورآگے یہ جملہ لکھا ہواتھاکہ ”اس کے باربارکے اس سوال پرمجھے بڑا پیار آیا“۔ پھر کہاکہ بیٹا! ایساہی سوال

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تونے بھی کیاتھااورپانچ مرتبہ نہیں بلکہ پچیس مرتبہ کیا تھا اور مجھے تو تیرے اس سوال پرپیارآیا تھا،اور تجھے میرے پانچ مرتبہ پوچھنے پر غصہ آگیا؟۔

ان کو”اُف“تک نہ کہو

بہر حال!یہاں قرآنِ پاک نے خاص طورپرتاکید کردی کہ اگرماں باپ میں سے کوئی ایک یادونوں تمہاری موجودگی میں بوڑھاپے کی عمرکوپہنچ جائیں توہوسکتاہے کہ ان کے بوڑھاپے کی وجہ سے ان سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جوآپ کی طبیعت کے خلاف ہو اور آپ کوناگوار گزرے،توان کو”اُف“تک نہ کہو،اوران کوجھڑکومت،اوران سے ادب کے ساتھ بات کرو۔ادب کاتقاضہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹنانہیں چاہیے،اور ان کے سامنے اپنی عاجزی کابازوشفقت سے جھکائے رکھویعنی زبردستی سے نہیں بلکہ شفقت و مہربانی کے ساتھ آپ ان کے سامنے جھکے جارہے ہوں۔

﴿وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾اوراس سارے سلوک کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعاکرتے رہوکہ اے اللہ!توان دونوں پریعنی میرے ماں باپ پررحم فرما جیساکہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔گویایہ سکھلایاگیاکہ اس سب کے بعدبھی تم ان کاحق تو ادانہیں کرسکتے،اس لیے تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مددمانگو اور دعاکروکہ اے اللہ!جیسے بچپن میں بڑی شفقت ومحبت اوررحم کے ساتھ ان دونوں نے میری پرورش کی ایسے ہی توبھی ان کے ساتھ رحم وکرم کامعاملہ فرما۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ماں باپ کی محبت ہی بے غرض ہوتی ہے

اورواقعہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر جتنے بھی تعلقات اور جتنی بھی محبتیں ہیں، عام طور پر وہ سب غرض پر مبنی ہوتی ہیں، صرف ماں باپ کی محبت ہی ایسی ہے جو کسی غرض کی وجہ سے نہیں ہوتی۔جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب تک زندہ رہے گا، بلکہ اگر ڈاکٹروں نے یہ کہہ بھی دیا ہو کہ آپ کا بچہ زیادہ زندہ رہنے والا نہیں ہے، تو وہاں تو اب یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ بڑا ہو کر بوڑھاپے کی لاٹھی بنے گا، پھر بھی جب تک وہ زندہ رہے گا، وہاں تک ماں باپ حقِ خدمت ادا کرنے میں اور اس کے ساتھ محبت وشفقت کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے حالانکہ اس سے کوئی غرض حاصل ہونے والی نہیں ہے۔

بتلانا یہ ہے کہ ماں باپ کی محبت ہی ایسی محبت ہے کہ جو کسی غرض پر مبنی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں محبت ڈال دی ہے، اور اسی کی بنیاد پر وہ سارا سلوک کرتے ہیں۔اب ہم ان کے ساتھ جو کچھ بھی کریں گے وہ سب اسی کا بدلہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کا بدلہ جیسا چکانا چاہیے وہ ہم کبھی بھی چکا نہیں سکتے، اس لیے باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سب کے باوجود یعنی آپ اُف بھی نہیں کریں گے، جھڑکیں گے بھی نہیں، اور ان کے ساتھ ادب سے بات چیت کریں گے، اور ان کے سامنے جھکے رہیں گے، پھر بھی ان کے حقوق کے جو تقاضے ہیں وہ پورے ادا نہیں کرسکتے، تو اب تمہارے لیے یہی ایک بات رہ جاتی ہے کہ ان کے لیے دعاءِ رحمت کرتے رہیے۔یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کے متعلق یوں سمجھیں کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس کے احسان کابدلہ میں ادا نہیں کرسکتا تو اب آپ ہاتھ پھیلاکر دعاکریں گے کہ اے اللہ!میں تو اس کے احسان کابدلہ ادا نہیں کرسکتا؛توہی اپنے پاس سے اداکردے۔اسی طرح یہاں بھی آپ کوسکھلایاگیا کہ اس سب کےباوجود آپ ان کاحق ادانہیں کرسکتے توتمہارے لیے یہی ایک شکل رہ جاتی ہےکہ تم اللہ تعالیٰ سےبرابریہ دعا کرتےرہوکہ اےاللہ!جیسے انہوں نےمجھے بچپن کےاندرشفقت ومحبت سےپالا تھا تو بھی ان کے ساتھ رحمت کامعاملہ فرما۔

ماں نے تکلیفوں پر تکلیفیں جھیلیں

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾ ہم نے انسان کواپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنے کی تاکید کردی،اس کی ماں نے تکلیفوں پرتکلیفیں جھیل کراس کو اُٹھایا اور پھراس کودوسال تک دودھ پلایا۔اس لیے باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کابھی شکراداکرو۔اس آیت میں ماں کی اُس خاص مشقت وتکلیف کا تذکرہ کیاگیاجواُس نے زمانۂ حمل میں برداشت کی اور پھر دودھ پلایا اور دودھ چھڑانے کی تکلیف بھی اٹھائی۔حالانکہ دودھ تو بچے کا چھڑایا جارہا ہے لیکن تکلیف ماں اٹھارہی ہے، اس کابھی تذکرہ قرآنِ کریم میں کیا گیا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سب سے زیادہ پسندیدہ عمل

حدیث ۳۱۲

عن أبي عبدِالرحمن عبداللهبن مسعود(رضی اللہ عنہ) قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ اِلَى اللهِ تَعَالٰى؟ قَالَ: اَلصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود(رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ نماز کو اپنے وقت میں ادا کرنا۔ میں نے پوچھا: پھر؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ میں نے پوچھا: پھر؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

افادات: بہت ساری احادیث میں اسی قسم کا سوال مختلف حضراتِ صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرف سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اِس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضراتِ صحابہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی اوراللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کا جذبہ کتنا زیادہ تھا، گویاان کے دلوں میں ایک طلب اور تڑپ تھی کہ مجھے یہ بات معلوم ہوجائے کہ وہ کونسا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اور اس کے کرنے سے مجھے اللہ تعالیٰ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کا قرب حاصل ہو گا؛ تاکہ میں وہ کام کروں، اسی لیے وہ حضرات بار بار اس طرح کا سوال کیا کرتے تھے۔

ہم اور آپ سوال تو کیا کرتے بلکہ بغیر سوال کے ہی کسی کتاب میں پڑھ کر اگر یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ اس کو کرنے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوجائے گا؛ تو اس پر عمل کا ہم کتنا اہتمام کرتے ہیں؛ ہم خود ہی اپنے گریبان میں جھانک کر اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ یہ تو حضراتِ صحابۂ کرام ہی کا ذوق و مزاج تھا، گویا ان کی طبیعتوں میں یہ بات رچی بسی ہوئی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وہ تعلق و محبت اور وہ عشق تھا کہ ہر لمحہ اور ہر گھڑی وہ حضرات اس کی طلب و جستجو میں رہتے تھے کہ ہمیں وہ عمل معلوم ہوجائے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اسی لیے آپ روایتوں میں بار بار پڑھیں گے کہ بہت سارے صحابہ نے یہی سوال حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا۔

ہمارے اور صحابہ کرام کے مزاج کا فرق

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود(رضی اللہ عنہ) بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، صحابہ میں ان کا بڑا اونچا مقام ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پوچھا۔ ویسے حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے پوچھے بغیر جو اعمال بتلاتے تھے، ان پر تو وہ حضرات عمل کرتے ہی تھے، اس میں وہ حضرات کوئی کوتاہی نہیں کرتے تھے، مزید برآں وہ اپنی طرف سے یہ سوال کر رہے ہیں۔ ہم ہوتے تو سوچتے کہ جو بتایا گیا ہے وہی کیا کم ہے کہ مزید سوال کریں۔ ہمارا مزاج ایسا ہے، اور اُن

حضرات کا مزاج یہ تھا کہ جو احکام دئے جاتے تھے ان کو توبجاہی لاتے تھے لیکن ساتھ ہی اپنی طرف سے اور بھی سوال پوچھتے تھے۔ یہ دراصل ذوق کی بات ہے۔تو ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضراتِ صحابہ کرام کا جذبہ شوق اور ان کا مزاج کیا تھا۔

سوال ایک؛جواب مختلف کیوں؟ایک عمدہ مثال

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے سوال کیا،اس کا جواب حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ دیاجو آگے آرہاہے،اوریہی سوال دوسرے صحابی نے کیاتو ان کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسراجواب دیااورکسی تیسرے صحابی نے یہی سوال کیاتووہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے الگ ہی جواب دیا۔توسوال ایک ہی ہے لیکن جواب مختلف ہیں؛یہ آخرکیابات ہے؟سوال ایک ہونے کے باوجودجواب میں فرق کیوں ہے؟

اس بارے میں علماء نے لکھاہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیامیں لوگوں کی تربیت اور ان کا علاج کرنے کے واسطے تشریف لائے ہیں ۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) توروحانی طبیب ہیں ۔ حضرت مولانااحتشام الحق تھانوی (نوراللہ مرقدہٗ) بڑے واعظ اور مقرر گزرے ہیں،حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے بھانجے تھے،بڑے بزرگ اورعالم تھے،ان کے بیان کا ایک خاص انداز تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ آج کل وعظ کا یہ طریقہ ہے کہ ایک بڑے مجمع کے سامنے وعظ کرنے والا آکر نصیحت کرتا ہے؛درحقیقت یہ اصولی علاج نہیں ہے۔یہ تو ایسا ہی ہے کہ حکیم اجمل خان صاحب کسی بڑے مجمع کے اندرآئیں اور تقریر کریں کہ ٹی بی کی بیماری ان اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس کاعلاج اس طرح کیاجاناچاہیے اور اس میں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو،اوراس میں فلاں چیزیں مفید ہیں اور فلاں چیزیں مضرہیں،یہ ساری تفصیل ایک گھنٹہ تقریر کرکے ایک بڑے مجمع میں بتلادیں۔تو اب آپ ہی بتلایئے کہ اتنے بڑے مجمع میں سے یہ تقریر کس کے حق میں مفید ہوگی؟ صرف ٹی بی کے مریضوں کے لیے ہی مفید ہوگی،بقیہ کے لیےوہ کسی کام کی نہیں ہے۔

علاج کااصل طریقہ تویہ ہے کہ حکیم صاحب اپنے مطب میں اپنی مسند پر بیٹھیں اور بیماروں سے کہہ دیاجائے کہ باہر بیٹھواورایک ایک کرکے آکرملاقات کرو، اورحکیم صاحب کے سامنے اپنی اپنی بیماری بتاؤ،وہ آپ کی بیماری کی تفصیل سن کراس کے علاج کے طورپردوا اورپرہیزبتائیں گے،جب ایک رخصت ہوگاتودوسراآئے گا، پھرتیسرا آئے گا۔ مطب کااصل طریقہ یہی ہے۔

اسی طرح یہ بھی روحانی مطب ہے،اورروحانی طبیب کے علاج کااصل طریقہ بھی یہی ہے کہ کسی صاحبِ دل یاکسی عالم یاکسی ماہرکے پاس جاکرہر شخص اپنے اپنے مسائل پیش کرے اوراس کے سلسلہ میں ہدایتیں حاصل کرے۔باقی یہ ایک عام انداز ہے۔خیر! یہ بھی کوئی فضول اوربالکل بے کار نہیں ہے،اگراس میں عمومی جذبہ پیدا کرنے والی بات ہے تو بہت اچھاہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نبی کریم ﷺ طبیبِ روحانی تھے

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ طبیبِ روحانی تھے اورآپ کی خدمت میں لوگ اپنے اپنے مسائل پیش کرتے تھے،اور علاج کا مطالبہ کرتے تھے، جس میں جو کمی ہوتی تھی اس کی طرف نبی کریمﷺ نشان دہی فرماکراس کا علاج تجویزفرماتے تھے، اوراس کے مطابق ان کو ہدایت دی جاتی تھی۔توچاہے سوال ایک ہی ہے،لیکن سوال کرنے والے مختلف ہیں،اس لیے جواب بھی مختلف ہوتے ہیں۔جیساجیساجس کامسئلہ ہوگا ویسا ویسا اس کاجواب ہوگا۔آپ کسی ڈاکٹرکے پاس جاکرپوچھئے کہ ڈاکٹر صاحب! میرے لیے کونسی غذامفید ہے؟تو ڈاکٹرصاحب پہلے توآپ کامزاج معلوم کریں گے کہ گرم ہے یا سرد ہے،اس کے بعد آپ کو کوئی چیز بتلائیں گے۔اوریہی سوال میں جاکر کروں گاتومیری ساری تفصیل جاننے کے بعد مجھے کوئی دوسری چیز بتائیں گے۔ تیسرے آدمی کواسی سوال کے جواب میں کچھ اور بتائیں گے۔اب تینوں نے ایک ہی سوال کیا؛لیکن مجھے کچھ بتایااور آپ کوکچھ اوربتایااورفلاں کوکچھ اوربتایا۔تواب کوئی کہے کہ مختلف جواب کیوں ہیں؟ بھائی! سوال کرنے والے مختلف ہیں اور ان کامزاج مختلف ہے اور ان کی ضرورتیں بھی مختلف ہیں؛تو جواب بھی مختلف ہیں۔اسی طرح مختلف حضراتِ صحابہ نے ایک ہی سوال کیاکہ کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟کسی کو جواب دیاکہ ماں باپ کی خدمت کرنا،کسی دوسرے کوجواب دیا کہ جہادکرنا، کسی کو جواب دیاکہ غصہ نہ کرنا،کسی کو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بتلایا گیا کہ خیر خواہی کرنا۔جس کے لیے جو مناسب سمجھا گیا اس کو وہ بتایا گیا۔اصل بات یہ ہے کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے اس کے مطابق حکم بتایا گیا۔

وقت کے تقاضہ کو پورا کرنے کا نام دین ہے

بزرگوں نے کہا کہ دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں ہے،بلکہ وقت کے تقاضہ کو پورا کرنے کا نام دین ہے،اللہ اور رسول کی اطاعت اسی میں ہوگی،وقت کا تقاضہ کیا ہے اس کو سمجھو اور اس موقعہ پر اللہ اور رسول کی کیا ہدایت ہے اس کو پورا کرو۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ ایک آدمی جنگل میں اپنی بیوی کے ساتھ تنہا اور اکیلا رہتا ہے،آبادی وہاں سے دور ہے،جب نماز کا وقت آیا تو یہ آدمی کہتا ہے کہ میں تو نماز پڑھنے کے لیے مسجد جاؤں گا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔بیوی کہتی ہے کہ ہمارا مکان جنگل میں ہے،آبادی دور دور تک نہیں ہے اور آپ عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ یہاں بڑا خطرہ ہے،اگر آپ چلے گئے تو میری کیا گت بنے گی۔اس وقت اگر وہ یوں کہے کہ تیرا جو ہونے والا ہو وہ ہو،میں تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے جاؤں گا جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا زیادہ ہے،وہ میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔تو حضرت فرماتے ہیں کہ دیکھو!اگرچہ نماز کا وقت آ گیا ہے اور جماعت کی بھی بڑی اہمیت ہے، لیکن اس وقت یہ کہا جائے گا کہ اس کا نام شوق پورا کرنا ہے،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اللہ ورسول کے حکم پر عمل کرنا نہیں ہے، حالانکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ وقت کا تقاضہ کیا ہے، اس کے مطابق عمل کرو۔

اپنے معاملہ میں فیصلہ کا بہترین طریقہ

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے سامنے دو پہلو ہوتے ہیں اور کسی ایک پہلو کو ترجیح نہیں دے سکتا یا اپنے طبعی رجحان کی وجہ سے دل کسی ایک پہلو کی طرف مائل ہے تو پھر اپنے معاملہ میں بجائے اس کے کہ خود فیصلہ کرے، کسی سمجھ دار شریعت کے تقاضوں سے واقف آدمی کے سامنے پیش کرے اور اس سے مشورہ لے، تاکہ اس میں اپنے نفس کے کسی کید اور دھوکہ کو دخل نہ ہو، اور اس کی طرف سے جو مشورہ دیا جائے اس پر عمل کرے؛ یہی بہترین طریقہ ہے۔ بہت سی مرتبہ آدمی یوں سمجھتا ہے اور اس کا دل یہی کہتا ہے کہ اس وقت کا تقاضہ یہی ہے، تو اب اس کو چاہیے کہ جو شخص دین کے تمام تقاضوں اور مسائل سے واقف ہو اس کے سامنے اپنی بات پیش کرے اور اس کے بتانے کے مطابق اپنا معاملہ درست کرے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ایک ہی طرح کے سوال کے جواب میں مختلف باتیں فرمائی گئی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے وہ میں نے بتلادی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس روایت میں حضرت ابن مسعود(رضی اللہ عنہ) نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟تونبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ﴿اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِهَا﴾نماز کواپنے وقت میں ادا کرنا۔بعض لوگ نماز توپڑھتے ہیں لیکن موٴخر اور لیٹ کردیتے ہیں یاقضا کردیتے ہیں؛یہ صحیح نہیں ہے،بلکہ اس کے مستحب وقت میں اس کواداکرنا یہ اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ محبوب عمل ہے۔

پھرحضرت ابن مسعود(رضی اللہ عنہ) نے پوچھاکہ اے اللہ کے رسول!اس کے بعدکونسا عمل اللہ تعالیٰ کوسب سے زیادہ محبوب ہے؟ ﴿قَالَ:بِرُّ الْوَالِدَیْنِ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور بھلائی کامعاملہ کرنا۔پھرمیں نے پوچھااس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟توآپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

دیکھو!اللہ کے راستہ میں جہاد کے مقابلہ میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کوآگے کادرجہ دیاگیاہے۔اس سلسلہ میں اورروایتیں بھی پیش فرمائیں گے، جوان شاء اللہ آئندہ مجلس میں پڑھی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ماں باپ کے ساتھ بھلائی کاسلوک کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ

﴿مجلس ۲﴾

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

اور

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

﴿مجلس ۲﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ ۱۷/اپریل ۱۹۹۹ء

علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ باب والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اورصلہ رحمی کی تاکید کے سلسلہ میں قائم کیاہے،قرآنِ پاک کی آیات اورایک حدیث گذشتہ مجلس میں بیان ہوچکی ہے، آج مزیدروایتیں پیش فرمارہے ہیں۔

باپ کا حق اداکرنے کی ایک صورت

حدیث ۳۱۳

عن أبي هريرة (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) :لا يَجْزِيْ وَلَدٌ وَالِداً اِلاَّ أَنْ يَّجِدَهٗ مَمْلُوْكاً، فَيَشْتَرِيَهٗ فَيُعْتِقَهٗ۔(رواه مسلم)

ترجمہ:حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایاکہ کوئی بیٹا اپنے باپ کوپوراپورابدلہ نہیں دے سکتامگریہ کہ اس کوغلام پائے تواس کوخرید کر آزاد کردے۔

افادات:- یعنی اولاداگراپنے باپ کاحق اداکرناچاہے تواس کے حق کی ادائیگی کے لیے چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے اورکتنی ہی خدمت بجالاوے اوران کی کتنی ہی اطاعت و فرمانبرداری کرلے، دنیابھرکی راحتیں ان کوپہنچائے؛تب بھی وہ پوری زندگی میں ان کا حق ادا نہیں کرسکتا، البتہ ان کاحق اداکرنے کی ایک صورت نبی ُکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتلائی جو اُس زمانہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

میں پائی جاتی تھی جب کہ غلامی کا سلسلہ تھا اور وہ صورت یہ ہے کہ کسی کا باپ کسی کی غلامی اور ملکیت میں ہے اور بیٹا اپنے باپ کو اس کے مالک سے خرید کر کے آزاد کر دے۔ ویسے بیٹے کا باپ کو خرید لینا ہی باپ کی آزادی کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ علماء نے مسئلہ لکھا ہے کہ بیٹا باپ کو خریدے تو اس کے خریدتے ہی خود بخود باپ آزاد ہو جاتا ہے۔

تو بیٹا باپ کو خرید کر آزاد کر دے تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے باپ کا حق پورا پورا ادا کر دیا، اس لیے کہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ باپ کو غلامی سے نجات دلا کر گویا اس نے باپ کو نئی زندگی عطا کی، جیسے باپ اس کے دنیا میں آنے کے لیے ذریعہ بنا تھا اور دنیوی زندگی کے لیے واسطہ بنا تھا؛ تو باپ کو خرید کر غلامی سے آزاد کر کے یہ بھی باپ کے لیے نئی زندگی حاصل ہونے کا ذریعہ بنا، اس اعتبار سے گویا باپ کا جو احسان اس کے اوپر تھا اس کا کچھ بدلہ ادا کیا، اس لیے نبی کریم (ﷺ) فرماتے ہیں کہ یہ ایک شکل تو ایسی ہے کہ جس میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ بیٹے نے باپ کا پورا پورا بدلہ ادا کر دیا، باقی وہ کتنی ہی خدمت کر لے، اس کے ساتھ احسان و بھلائی کا معاملہ کرے، اس کو کتنی ہی راحت پہنچائے اور اس کے حکم کی بجا آوری کرے؛ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یوں کہے کہ میں نے باپ کا پورا پورا حق ادا کیا۔ آج ہمارے زمانہ میں تو غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لیے اس شکل پر تو عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو

حدیث ۳۱۴

وعنه (رضی اللہ عنہ) أيضاً أَنَّ رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) قال: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ۔ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہی سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، اور جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پرایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے، اور جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ یا تو بھلی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔

افادات: یہ روایت پہلے بھی ایک دو مرتبہ آچکی ہے، اس میں صلہ رحمی والا حکم موجود ہے اس مناسبت سے اس باب میں اس روایت کو یہاں پیش کیا ہے۔ عام طور پر احادیث میں اختصار کے ساتھ یہ جملہ آتا ہے ﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ اس میں سب ہی ایمانیات آجاتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آخرت کے دن پر ایمان لانا اس کے درمیان میں فرشتوں پر ایمان لانا، اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا، رسولوں پر ایمان لانا؛ یہ سب موجود ہے، گویا پہلا اور آخر ذکر کرکے درمیان کی تمام چیزوں کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نبیٔ کریم (ﷺ) ارشاد فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اورآخرت کے دن پر ایمان رکھتاہو،مطلب یہ ہے کہ جو آدمی مؤمن ہے اس کوچاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ پہلے اس کی تفصیل بتاچکاہوں۔

اورجو آدمی اللہ تعالیٰ پراورآخرت کے دن پر ایمان رکھتاہویعنی جو آدمی مؤمن ہے اس کوچاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔یہاں اس روایت کواسی مناسبت سے لائے ہیں کہ باب کے عنوان میں صلہ رحمی کا بھی تذکرہ ہے۔

صلہ رحمی کی مختصر تفصیل

صلہ رحمی یعنی کسی کے ساتھ قرابت،رشتہ داری اور نسبی تعلق ہے تواس نسبت سے جوحقوق اس پرعائدہوتے ہیں ان حقوق کواداکرنا۔اب یہ حقوق کیاہیں؟توپہلے بھی میں نے بتلایاتھاکہ جس قسم کی رشتہ داری ہےاورجس کی جو حیثیت ہے اسی کے مطابق حقوق کی ادائیگی اس پرعائدہوتی ہے،مثلاًماں باپ،اولاد،بھائی بہن،دادا دادی، نانا نانی، خالہ،چچا،پھوپھی وغیرہ جتنی بھی خاندانی نسبی رشتہ داریاں ہیں،ان کے حقوق کی ادائیگی میں بعض چیزیں تووہ ہیں جن کوبعض حالات میں شریعت نے اس پر واجب اورضروری قراردیاہے مثلاًماں باپ کے پاس اپنامال نہیں ہے جس سے وہ اپنا گزربسرکرسکیں اوربیٹے کے پاس مال موجودہے،یابیٹاکمانے کی طاقت رکھتاہے؛ تو اس صورت میں اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ماں باپ کانفقہ ادا کرے۔ہاں! اگر ماں باپ کے پاس اپنامال موجودہے تومیں بتلاچکا ہوں کہ جب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کسی کے پاس اپنامال موجود ہو تواس کے کھانے پینے کا،اس کے پہننے اوڑھنے کااوراس کے رہنے سہنے کا خرچہ کسی دوسرے پر نہیں آتا، وہ اسی کے مال میں واجب ہوتاہے سوائے بیوی کے،کہ وہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ اس کے پاس اپناکتناہی مال موجودکیوں نہ ہو،وہ کروڑپتی اور ارب پتی ہو تب بھی اس کاخرچہ اس کے شوہرپرہی ضروری ہے۔اس کے علاوہ کوئی بھی رشتہ دارہو،ماں باپ،اولاد اوروہ بھی چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہواوردوسرے تمام رشتہ دارکوئی بھی ہو،اگران کے پاس اپنامال موجودہے جس سے ان کے کھانے پینے کی ضرورت،پہننے اوڑھنے کی ضرورت،ان کے رہنے سہنے کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے،تو اس صورت میں کسی دوسرے پر ان کاکوئی بھی نفقہ واجب نہیں ہے۔اب واجب نہ ہونے باوجودان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اگراولادان کے ساتھ ہدیہ وغیرہ کا سلسلہ جاری رکھے تواچھاہے،لیکن شریعت واجب قرارنہیں دیتی۔لیکن اگران کے پاس اپنا مال موجودنہیں ہے،اوراس کے پاس اپنی ضرورت سے زائدمال ہے توپھراس میں بڑی تفصیلات ہیں۔بعض صورتوں میں ان کا نفقہ واجب ہوتاہے،اوراگرکئی اولادہیں تو ہر ایک کے اوپرکچھ نہ کچھ حصہ ان کے حق کے مطابق عائدہوتاہے،جوان کواداکرنا پڑے گا۔بعض رشتہ داریاں دورکی ہیں مثلاً آپ کی خالہ ہیں اوران کابیٹابھی موجودہے اور اس کی حیثیت بھی ہے تواس پرہی ان کاخرچہ واجب ہوتا ہے لیکن اگروہ اس کوادانہیں کرتاتواس صورت میں آپ کوان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا چاہیے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ

اورصلہ رحمی کا کم سے کم درجہ یہ ہے آدمی ان کے ساتھ ملاقات کرتا رہے اوران کے ساتھ سلام وکلام کاسلسلہ جاری رکھے،اور خیر خیریت معلوم کرے؛یہ صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ ہے، اگرکوئی آدمی یہ بھی نہیں کرتاتویوں سمجھاجائے گاکہ اس نے قطع رحمی کی یعنی رشتہ داری کا حق ادا نہیں کیا،اوراس صورت میں قطع رحمی اوررشتہ داری کاحق ادا نہ کرنے پرجو وعیدیں قرآن و احادیث میں آئی ہیں وہ تمام اس کے اوپرعائدہوجائیں گی اس لیے یہ توضروری ہے کہ اپنے جتنے بھی رشتہ دارہوں،جن کے ساتھ نسبی تعلق ہے،چاہے وہ قریب کے ہوں یادورکے ہوں، ان کے ساتھ کبھی کوئی معاملہ ایساتوہوناہی نہیں چاہیے کہ ان کے ساتھ گفتگو کاسلسلہ بندکردیں بول چال نہ ہواورسلام کلام نہ ہو، اگریہ نہیں ہوگاتو اس صورت میں یہ ساری وعیدیں اس کے اوپرآجائیں گی اوراس کے نتیجہ میں وہ مصیبتوں میں پھنسے گا۔

روزی کی تنگی کاسب سے بڑاسبب

آگے ایک روایت آنے والی ہے کہ آدمی جب صلہ رحمی کرتاہے،رشتہ داری کے حقوق اداکرتاہے تواس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں برکت عطافرماتے ہیں اس کی زندگی میں برکت عطافرماتے ہیں اوراگرقطع رحمی کرتاہے تواس کے نتیجہ میں اس کی روزی میں بے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

برکتی ہوتی ہے، روزی کا سلسلہ ختم کردیا جاتا ہے۔ آج کل لوگوں کو عام طور پر شکایتیں ہیں کہ کاروبار نہیں چلتا، بہت تکلیف ہے اور برکت نہیں ہے، حالانکہ کاروبار میں برکت نہ ہونے اور روزی کی تنگی کا سب سے بڑا سبب قطع رحمی ہے، اب اگر اس لائن سے وہ آدمی سوچے تو اس کو خود اپنی پریشانی کا جواب مل جاتا ہے کہ کسی رشتہ دار کے ساتھ کچھ نہ کچھ معاملہ خراب چل رہا ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو ماں باپ ہی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں بنیاد کی شروعات ہی میں معاملہ گڑبڑ ہے، اور اگر ماں باپ کے حق کی ادائیگی کا کچھ اہتمام کیا تو دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں اور بعضوں کے ساتھ ایسی لڑائی ہوتی ہے کہ ان کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، سلام وکلام کے لیے راضی نہیں، اور پھر چاہتے یہ ہیں کہ ہماری روزی میں برکت ہو؛ یہ کیسے ہوسکتا ہے، معمولی معمولی باتوں میں آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں، بات چیت بند ہوجاتی ہے، سلام وکلام کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اور جب مصیبتیں آتی ہیں تو پھر روتے پھرتے ہیں، اور مصیبت تو یہ ہے کہ پتہ بھی نہیں چلتا، اور یہ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ تکلیف کاہے کی وجہ سے آئی۔ اور اگر اللہ کا کوئی بندہ متوجہ کرے تو اِدھر دھیان ہی نہیں دیتے، یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو ایسی ہی بات ہے، حالانکہ حقیقت میں مصیبت اسی کی وجہ سے آتی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کمزوروں کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے

میں پہلے بھی بتلاچکاہوں کہ بہت سی مرتبہ ایساہوتاہے کہ صاحبزادے کماکر ماں باپ کودے رہے ہیں،اب شادی ہوئی توبیوی کان بھررہی ہے،اوریوں کہتی ہے کہ دیکھو!آپ اتنی تکلیف اٹھاکر کماکرماں باپ کودیتے ہیں اور تمہارافلاں بھائی تو بیٹھا بیٹھاکھارہا ہے، ماں باپ اس کوکچھ نہیں کہتے۔اورجب ایک بات باربار کہی جاتی ہے تو اس کااثریہ ہوتا ہے کہ یہ بھی سوچنے لگتاہے کہ یہ بات توٹھیک کہتی ہے،اس کی بات پھینک دینے جیسی نہیں ہے،لہٰذااس سلسلہ میں وہ ماں باپ سے بات کرتاہے، حالانکہ جب آپ نے اپنی حیثیت کے مطابق خدمت کے طورپرماں باپ کوپیش کردیا تو اب ان کو اختیارہے کہ وہ جس طرح چاہیں اس کواستعمال کریں،لیکن جب آپ اس سلسلہ میں ماں باپ سے گفتگو کریں گے تو اسی کے نتیجہ میں کبھی توماں باپ کے ساتھ بھی تعلقات کشیدہ ہوجاتے ہیں،اوربھائیوں کے ساتھ بھی ٹوٹ جاتے ہیں،اورپھریہ صاحبزادے کہتے ہیں کہ میں ہی الگ ہوجاتاہوں۔پھر علاحدگی اختیار کرلینے کے کچھ زمانہ کے بعد کاروبار ٹھنڈا ہونے لگتاہے تواب سوچتے ہیں کہ کاروبار ٹھنڈاکیوں ہوگیا؟ ارے بھائی!تمہارے کاروبار میں جوکچھ آرہاتھاوہ توان کمزوروں کی وجہ سے ہی آرہا تھاحدیثِ پاک میں آتاہے ﴿إِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَآئِكُمْ﴾ (سنن ترمذی،١٧٠٢)تم کو تمہارے کمزوروں کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے،یعنی جو کمزور خود کمانے کی طاقت نہیں رکھتے، تم کماکر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوشش کررہے ہو، توان کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں بھی روزی دیتے ہیں۔

پہلا شیطانی حربہ

اب دیکھو کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا تعلیمات دی ہیں؟ اور یہ یوں سمجھتا ہے کہ میں اِن کو کھلا رہا ہوں اور حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ تجھے کھلا رہے ہیں۔ اب ہمارا ایمان تو نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہے، ہم اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں اور بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ ہم محنت کرتے ہیں اور ہم کما کر لاتے ہیں اور ہم اِن کو کھلا رہے ہیں، لیکن حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ نہیں! تم کو جو کچھ مل رہا ہے وہ تو اُس کی وجہ سے مل رہا ہے تو صریح ایمان والی بات تو یہ ہے کہ ہمیں کچھ بھی نظر آتا ہو لیکن اللہ کے پاک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جب یہ کہتے ہیں کہ تمہیں اُن کی وجہ سے روزی ملتی ہے تو ہمیں اس کو مان لینا چاہیے اور ہمیں اسی کا یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری آنکھیں کچھ بھی دیکھتی ہوں، ہماری آنکھ غلط دیکھ سکتی ہے لیکن اللہ کے پاک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی غلط کہہ نہیں سکتے۔ اگرچہ بظاہر ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کما کر ان کو کھلا رہے ہیں لیکن جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمادیا کہ ان کی وجہ سے تمہیں روزی مل رہی ہے تو اب ہمارا ایمان یہی ہونا چاہیے، اور جب یہ ایمان ہوگا تو کیا ہم ان کے ساتھ تعلقات ختم کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ جب ہم یہ سمجھیں گے کہ ہمیں جو کچھ مل رہا ہے وہ اُس کی وجہ سے مل رہا ہے تو ہم کبھی بھی اُس کے ساتھ تعلقات نہیں توڑیں گے، بلکہ اگر وہ توڑنا بھی چاہے گا تو ہم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اُس کے سامنے ہاتھ جوڑیں گے کہ اللہ کے واسطے ایسامت کرو، میری غلطی ہوگئی ہوتومعاف کردو،میں توآپ کو ساتھ ہی رکھوں گا،آپ کہیں نہیں جائیں گے۔لیکن جب آپ یوں سمجھیں گے کہ میں محنت کرتا ہوں اورمیں کماکر کھلاتا ہوں توپھر آپ الگ ہونے کی بات کریں گے۔ جب کوئی آدمی آپ کوایسامشورہ دے رہا ہو،تودرحقیقت یہ پہلا شیطانی اورنفسانی حربہ ہے، آپ اس کو سمجھایئے کہ بھائی!میں اس کونہیں کھلارہاہوں وہ مجھے کھلارہے ہیں۔ اگر بیوی بھی یہ کہتی ہوتو اس سے کہناچاہیے کہ پگلی!یہ بات نہیں ہے،توجو سمجھ رہی ہے وہ بالکل غلط ہے،نبیٔ کریم (ﷺ) کا یہ ارشادہے،اس لیے یہ لوگ مجھے کھلارہے ہیں،یہ نہ سمجھناکہ میں ان کو کھلا رہاہوں۔جب تک میرامعاملہ ان کے ساتھ درست ہے وہاں تک میری روزی میں برکت ہے اورمجھے روزی ملتی رہے گی،اورجس دن میں ان سے تعلقات کٹ کردوں گااسی دن سے میرامعاملہ گڑبڑمیں پڑجائے گا۔

دوسرا شیطانی حربہ

حضرت شیخ (نوراللہ مرقدہٗ)ہمیشہ فرمایاکرتے تھے کہ قطع رحمی کی وجہ سے روزی کا وبال آتا ہے اورپھر آدمی سمجھتانہیں ہے اورروتاپھرتاہے،وظیفے پڑھتاہے اورپھریوں سوچتاہے کہ کسی نے کچھ کرادیاہے،یہ دوسراشیطانی حربہ ہوتاہے۔جیسے کسی بیماری کی صحیح تشخیص ہی نہ ہوتواس کا علاج کیاہوگا۔اسی طرح شیطان اب دوسرے راستہ پرلے جا رہا ہے، بیماری کی جوبنیاداور سبب ہے اُدھر سے دھیان ہٹاکردوسری طرف لے جارہا ہے، اب وہ اورزیادہ چکرپرچڑھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جاتاہے،عاملوں کے پاس جائے گا،کہیں تعویذ گنڈے کرائے گا، کوئی کہے گا کہ کالا جادو ہے اور کوئی کچھ کہے گا،لیکن جو کالا جادو اپنے اندر ہے اس کو دور کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، یہاں پر بھی الزام دوسروں کے اوپر دیتا ہے،اپنی غلطیوں کی طرف آدمی کا ذہن جلدی سے نہیں جاتا۔اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو ایسے موقع پر اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ میں کوئی ایسا کام تو نہیں کر رہا ہوں جس پر حدیثِ پاک میں تنگی کی وعید سنائی گئی ہے،اگر ایسا کوئی کام ہے تو اس سے فوراً باز آجانا چاہیے،اس کا اصل علاج یہی ہے،دوسرا کوئی علاج نہیں ہے۔بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ صلہ رحمی کا ادنیٰ اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلام کلام کا سلسلہ جاری رکھے،اگر وہ سلام کلام کا سلسلہ ختم کر دے گا تو یوں کہا جائے گا کہ اس نے رشتہ داری کا حق ادا نہیں کیا۔

اور نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیسری بات ارشاد فرمائی کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے،اس کی تفصیل بتا چکا ہوں۔

رشتہ داری کی اپیل

حدیث ۳۱۵

وعنه قال (رضی اللہ عنہ) قال رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم): إِنَّ اللهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰى إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ،فَقَالَتْ:هٰذَا مُقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ۔قَالَ:نَعَمْ!أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ،وَأَقْطَعَ مَنْ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

قَطَعَكِ؟ قالت: بَلٰى. قال: فَذَالِكَ لَكِ. ثُمَّ قالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ): اِقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ﴾ (متفق علیه)

وفی روایة للبخاری: فَقَالَ اللهُ تعالیٰ: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہی کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب تمام مخلوق کو پیدا فرماچکے، تو قرابت کھڑی ہوئی۔ اور کہاکہ باری تعالیٰ! قطع رحمی کے حقوق کوضائع ہونے سے بچانے کے لیے میں آپ کی پناہ حاصل کرناچاہتی ہوں۔ توباری تعالیٰ نے بھی اس سے فرمایاکہ بالکل! تمہیں گارنٹی دی جاتی ہے۔ اچھا! کیااس بات پرتو خوش ہے کہ جوتجھے جوڑے گا، میں اس سے جوڑوں گا، اورجوتجھے کاٹے گا، میں اس کو کاٹوں گا؟ اس کے جواب میں اس نے کہاکہ جی ہاں! میں اس پرتیارہوں، تو باری تعالیٰ نے فرمایاکہ جاؤ! تمہیں اس بات کی گارنٹی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد نبی کریم (ﷺ) نے فرمایاکہ اگرتم چاہوتوقرآن کی یہ آیت پڑھو، جس کاخلاصہ ہے کہ کیاتمہیں یہ توقع ہے کہ تم کو اگرقبضہ حاصل ہوجائے توزمین کے اندر فساد پھیلاؤگے اور رشتہ داریوں کے حقوق کوضائع کروگے یعنی قطع رحمی کروگے؟ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور حق بات کے سننے سے ان کو بہرابنادیا اورحق کی طرف نظرکرنے سے ان کی آنکھوں کواندھا کردیا۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری سے فرمایاکہ جوتجھے جوڑے گامیں اسے اپنے سے جوڑوں گا اورجوتجھے کاٹے گاتومیں اسے اپنے سے کاٹوں گا۔

افادات: وہ نسبی رشتہ داری جوبچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پیٹ سے لے کر آتاہے، اس کوعربی میں ﴿رَحِمْ﴾ کہتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرابت و رشتہ داری جسمانی اور جاندار چیز تو ہے نہیں کہ اُٹھے اور بات کرے؟ اس سلسلہ میں شرّاح نے لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اس کے ان جذبات کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس کی اس درخواست کو پیش کرنے کے لیے کسی فرشتے کو کھڑا کر دیا ہو اور اس فرشتہ نے یہ بات اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کی ہو۔

یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ اگرچہ رشتہ داری حسی چیز نہیں ہے بلکہ ایک معنوی چیز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ وہ اس کو کوئی جسم اور شکل عطا کریں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بات پیش کرے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بھی بعید نہیں ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرابت اور رشتہ داری کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کے لیے نبی کریم ﷺ نے تعبیر کا ایک مخصوص انداز اختیار فرمایا ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کتنی اہمیت ہے وہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

خیر! تو قرابت اور رشتہ داری اُٹھی اور کہا کہ باری تعالیٰ! قطع رحمی کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے میں آپ کی پناہ حاصل کرنا چاہتی ہوں گویا قرابت اور رشتہ داری نے اپنی درخواست اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ کہہ کر پیش کی کہ میرے حقوق کو اگر ضائع کیا گیا تو اس کے لیے کیا گارنٹی ہے؟ رشتہ داری نے باری تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ باری

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تعالیٰ! آپ نے مجھے پیدا کیا اور میرے کچھ حقوق آپ نے مقرر کئے کہ ان کو ادا کیا جائے، اور ان کو ضائع و برباد نہ کیا جائے، تو اب میرے ان حقوق کو برباد ہونے سے بچانے کے سلسلہ میں مجھے آپ کی بارگاہ سے کوئی گارنٹی ملنی چاہیے اور ایسا کچھ اطمینان مجھے ملنا چاہیے؛ تاکہ اس گارنٹی کی وجہ سے کوئی آدمی اگر میرے حقوق کو ضائع کرنے کا ارادہ کرے تو وہ ڈر جائے اور ضائع نہ کرے۔

کیا گارنٹی ہے کہ لوگ میرے حقوق ادا کریں گے یا نہیں کریں گے۔ اور اگر نہیں کریں گے تو ان کو کیا سزا ملے گی، اور اگر ادا کریں گے تو اس پر کیا انعام ملے گا؟ ابھی سے یہ طے ہو جائے تو میرا خیال رکھا جائے گا، اور اگر طے نہیں کیا جائے گا تو لوگ میرا خیال بھی نہیں رکھیں گے۔

رشتہ داری کو زبردست گارنٹی ملی ہے

تو باری تعالیٰ نے بھی اس سے فرمایا ﴿نَعَمْ﴾ بالکل! تمہیں گارنٹی دی جاتی ہے اچھا! کیا تو اس بات پر خوش ہے کہ جو تجھے جوڑے گا اور جو تیرے حقوق ادا کرے گا، میں اس سے جوڑوں گا، اور جو تجھے کاٹے گا اور تیرے حقوق ضائع کو برباد کرے گا، میں اس کو کاٹوں گا یعنی اس کو برباد کروں گا؟ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قرابت اور رشتہ داری کو کتنی زبردست گارنٹی دی گئی کہ باری تعالیٰ قرابت سے پوچھ رہے ہیں کہ اب تو تجھے اطمینان ہے؟ اس کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جواب میں قرابت نے کہا کہ جی ہاں! میں اس پر تیار ہوں، اگر اتنی گارنٹی مجھے مل جائے تو میں خوش ہوں۔ تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ! تمہیں اس بات کی گارنٹی دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو جوڑے، تو پھر ساری دنیا بھی اس سے منھ موڑے تو اس کو کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ جسے کاٹے پھر تو ساری دنیا بھی اسے خوش کر دینا چاہے تو وہ خوش نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا معمولی حاکم یا آپ کے شہر کا ڈی ایس پی، یا کلکٹر جب کسی کے متعلق اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیتا ہے تو اس آدمی کو رات بھر نیند نہیں آتی، زندگی کا چین و سکون خراب ہو جاتا ہے، تو جب اللہ تعالیٰ یوں کہہ دیں کہ میں اس کو کاٹوں گا تو اب وہ آدمی رشتہ داری کے حقوق ضائع کر کے کیا سکون واطمینان کی نیند لے سکتا ہے؟ کیا اس کو زندگی میں چین و سکون حاصل ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کبھی بھی چین نہیں مل سکتا۔ اگر وہ چین وسکون حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ رشتہ داری کے حقوق کو ادا کرے۔

تو اب رشتہ داری اتنی بڑی زبردست گارنٹی لے کر دنیا میں آئی ہے، اور ہم پیدا ہوتے ہی اس رشتہ داری کو اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں، اب اگر ہمیں اپنا کام بنانا ہے تو پھر اس رشتہ داری کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے، اور اگر اس کو ضائع و برباد کریں گے تو پھر یہ وعید و مصیبت ہم پر عائد ہو جائے گی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دولت اور کرسی کا نشہ

اس کے بعد نبی کریم (ﷺ) نے قرآنِ پاک کی ایک آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھو، جس کا خلاصہ ہے کہ کیا تمہیں یہ توقع ہے کہ تم کو اگر حکومت مل جائے اور قبضہ حاصل ہو جائے تو زمین کے اندر فساد پھیلاؤ گے اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کرو گے اور قطع رحمی کرو گے؟ یعنی عام طور پر ہوتا ایسا ہی ہے کہ آدمی کے ہاتھ میں جب کچھ پاور آتا ہے، چاہے وہ مسلس پاور ہو یا منی پاور ہو یعنی پیسوں کا پاور ہو یا طاقت و قوت کا پاور ہو، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے "ہم چوں من دیگرے نیست" ہم سے بڑا کوئی نہیں ہے، پھر رشتہ داریوں کے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں ان کو ضائع کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتیاں کرتا ہے۔ عام طور پر دولت آتی ہے یا کرسی ملتی ہے تو اسی کے نشہ میں آدمی یہ حقوق ضائع کرتا ہے۔ آگے باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے قوت کے بل بوتے پر زمین میں فساد پھیلایا اور رشتہ داریوں کے حقوق ضائع کئے، ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی۔ لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری۔ اور حق بات کے سننے سے ان کو بہرا بنا دیا اور حق کی طرف نظر کرنے سے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ اس نشہ میں یہ ہوتا ہے کہ لوگ سمجھاتے بھی ہیں اور ساری دنیا ان کو اصل حقیقت دکھانے کی کوشش کرتی ہے کہ تم یہ سب غلط کر رہے ہو، لیکن ان کو نظر ہی نہیں آتا، ان کی سمجھ میں آتا ہی نہیں، کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون؟

حدیث ۳۱۶

وعنه (رضی اللہ عنہ) قال:جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رسولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَقَالَ: یارسولَ اللهِ! مَنۡ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسۡنِ صَحَابَتِیۡ؟قَالَ:أُمُّكَ.قَالَ:ثُمَّ مَنۡ؟ قَالَ:أُمُّكَ.قَالَ:ثُمَّ مَنۡ؟ قَالَ:أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنۡ؟قَالَ:أَبُوۡكَ. (متفق علیه)

وفی روایة:یارسول الله!مَنۡ أَحَقُّ بِحُسۡنِ الصُّحۡبَةِ؟قال:أُمُّكَ،ثُمَّ أُمُّكَ،ثُمَّ أُمُّكَ،ثُمَّ أَبَاكَ،ثُمَّ أَدۡنَاكَ أَدۡنَاكَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اوراس نے سوال کیا،اے اللہ کے رسول،میرے حسنِ سلوک کا لوگوں میں سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تیری ماں۔اس نے پوچھاپھر کون؟آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تیری ماں۔اس نے پوچھا پھر کون؟آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تیری ماں۔اس نے پوچھاپھر کون؟توآپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، تیرا باپ۔

اورایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اے اللہ کے رسول!میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟توحضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ تمہاری ماں،پھرتمہاری ماں،پھرتمہاری ماں، پھر تمہارا باپ، پھر رشتہ داری کے اعتبارسے جو جتنا قریب ہو۔

افادات: گویاحسنِ سلوک کے معاملہ میں باپ کے مقابلہ میں ماں کو تین گنا حق دیا گیایعنی تین حصے ماں کے ہوئے اورایک حصہ باپ کاہوا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے لکھاہے کہ دوچیزیں الگ الگ ہیں ایک ہے خدمت اور حسنِ سلوک۔دوسراہے تعظیم اور حکم کی بجاآوری۔توتعظیم اور حکم کی بجاآوری میں ماں پرباپ مقدم ہے،اگردونوں کے احکام میں ٹکراؤہوجائے اورکسی کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہوتوباپ کا حکم ماناجائے گا۔اورخدمت اورراحت پہنچانے کے معاملہ میں اورہدیہ دینے کے معاملہ میں باپ پرماں کوترجیح ہوگی۔اس لیے کہ ماں نے اس کے لیے تین مشقتیں اٹھائی ہیں، جب پیٹ میں تھا،جب پیداہوا،اوردودھ پلانے کے زمانہ میں۔اوربعدمیں جب پرورش کازمانہ آیاتوماں کے ساتھ باپ بھی شریک ہے، پہلے تین مرحلوں میں باپ میدان میں تھاہی نہیں ، صرف ماں ہی ماں تھی، لیکن جب بڑا ہوا اور تعلیم وتربیت کا زمانہ آیاتواب دونوں شریک ہیں۔ توگویاماں نے تین گنامحنت کی ہے،اس لیے حسنِ سلوک اورخدمت ومحبت کے معاملہ میں ماں کو ترجیح دی ہے،لیکن تعظیم اور حکم کو بجالانے کے معاملہ میں باپ کوترجیح دی ہے، باپ کاحکم مقدم رکھا جائے گا۔

وہ آدمی ہلاک وبربادہو

حدیث ۳۱۷

وعنه (رضی اللہ عنہ) عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قال:رَغِمَ أَنْفُ،ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ،ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَالْكِبَرِ،أَحَدَهُمَاأَوْكِلَاهُمَا،فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اس کی ناک غبار آلود ہو، وہ آدمی ہلاک وبرباد ہو، وہ آدمی ہلاک وبرباد ہو؛ جس نے اپنے ماں باپ میں سے دونوں کو یا کسی ایک کو بوڑھاپے میں پایا، اس کے باوجود ان کی خدمت کر کے وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔

افادات: اس لیے کہ بوڑھاپے کی حالت میں ماں باپ کو پایا، اگر وہ ان کی خدمت کرتا تو وہ ضرور اس کو جنت میں داخل کراتے، لیکن اس نے ان کا حق ادا نہیں کیا اور جنت میں داخل نہیں ہو پایا تو اب اس کے لیے ہلاکت کے علاوہ اور کیا باقی رہا۔ اس لیے ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کے معاملہ میں خاص طور پر بوڑھاپے میں بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

ماں باپ کی تقسیم کا دردناک منظر

آج کل تو ایسا زمانہ آیا ہے کہ کیا کہا جائے، اللہ کی پناہ۔ ایک مولانا صاحب سنانے لگے کہ اب تو ماں باپ کو بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیسے؟ تو بتایا کہ بیٹوں میں جب جائیداد تقسیم ہوتی ہے تو بیٹے کہتے ہیں کہ باپ کو تو رکھ اور ماں کو میں رکھتا ہوں۔ پھر کیا ہوا؟ باپ کی وجہ سے جائیداد میں سے دو چار بیگہ زمین الگ کی گئی تھی، اور ماں کی وجہ سے کچھ الگ کی گئی تھی۔ اب ایسا ہوا کہ ماں کا انتقال ہو گیا، اور باپ رہ گیا، تو پھر اس میں بھی جھگڑے ہوتے ہیں۔ اب وہ بیٹا جس کے ساتھ باپ رہتا ہے وہ یوں کہتا ہے کہ والدہ کا تو انتقال ہو گیا اب تُو آرام سے بیٹھ گیا، اور میرے اکیلے پر باپ کی زحمت ہے، اس لیے اب تو بھی ان کی خدمت میں کچھ حصہ لے، ورنہ پھر زمین میں سے میرا حصہ لا۔ اللہ اکبر! یہ مزاج عام ہوتا جارہا ہے، یعنی ماں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

باپ کی خدمت بھی جائیداد کی بنیاد پر کی جارہی ہے، حالانکہ جائیداد اصل چیز تھوڑی ہے۔ پھر یہ کیا بات ہوئی کہ ایک بھائی کے یہاں ماں رہے گی اور دوسرے کے یہاں باپ رہے گا۔ حالانکہ پوری زندگی تو ان دونوں نے ایک ساتھ رہ کر زندگی گزاری، کیا یہ اولاد کی سعادتمندی کی بات ہے کہ ان کی اخیری زندگی میں ان دونوں کو الگ رکھا جائے؟ اس بات کو کون برداشت کرے گا؟ آپ تو اپنی بیوی سے الگ رہنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ماں باپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا جارہا ہے؟

اچھا! یہ تو ماں باپ کی تقسیم ہوئی تھی۔ اور اب تو باپ اکیلا رہ گیا تو انہوں نے یہ کیا کہ وہ کھانا ایک کے یہاں کھائیں گے، دوسرے کے یہاں غسل کرنے کے لیے جائیں گے اور سونا رہنا تیسرے کے یہاں ہوگا۔ میں نے کہا کہ واہ بھئی واہ! یہ کیسی بات ہوئی کہ بوڑھاپے کے اندر باپ فقیروں کی طرح گداگری کرتا پھرے گا۔ یہ سب ہمارے سماج میں ہو رہا ہے، اگر آپ معلوم کریں گے تو آپ کے معاشرہ میں بھی ایسے نمونے ضرور مل جائیں گے۔ استغفر اللہ۔

ایک افسوس ناک واقعہ

اور اب تو دھیرے دھیرے یہ مزاج بنتا جارہا ہے کہ اگر ماں باپ بوڑھے ہوگئے ہیں تو ان کو بڑھا گھر (ઘરડાઘર)(nursing home) میں بھیج دو، یورپ اور امریکہ میں یہ طریقہ چل رہا ہے، ماں باپ بوڑھے ہوگئے تو بیٹا بڑھا گھر (ઘરડાઘર) (nursing home) والوں سے رابطہ قائم کرکے کہتا ہے کہ میں اپنے ماں باپ کو آپ کے یہاں چھوڑ دیتا ہوں اور اس کی ماہانہ فیس ادا کردیتا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہوں۔یورپ والوں کوماں باپ کی خدمت کرنے کی فرصت نہیں ہے، حالانکہ یہی جنت کمانے کاوقت تھا۔اب نتیجہ کیاہوتاہے ؟

مولانامحمد تقی عثمانی صاحب (دامت برکاتہم)نے لکھاہے کہ کراچی میں ایک صاحب کے متعلق سناکہ بیٹاباپ کوبڑھاگھر(نرسنگ ہوم)میں چھوڑآیاتھا،باپ کا وہاں انتقال ہوگیا تونرسنگ ہوم والوں نے اس کواطلاع دی کہ آپ کے والدصاحب کا انتقال ہوگیاہے تو اس نے کہاکہ پلیز آپ ذراان کے کفن دفن کاانتظام کردیجئے،اس کا جوبل ہوگاوہ میں اداکردوں گا،اورجنازہ کا جو وقت ہووہ مجھے بتادو،میں پہنچ جاؤں گا۔خیر!انہوں نے جنازہ کا وقت اس کوبتایالیکن اسی وقت صاحبزادے صاحب کی کوئی اہم میٹنگ تھی اس لیے انہوں نے یہ کہہ دیاکہ اس وقت تو میری بہت اہم میٹنگ ہے،اس لیے میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں،مہربانی کرکے آپ ان کودفن کردیں اورجوبل ہو؛ وہ مجھے بھیج دینا،میں اداکردوں گا۔یہ ساری چیزیں جوہمارے معاشرہ میں آرہی ہیں، وہ سب درحقیقت اسلامی تعلیمات کے سراسرخلاف ہیں۔

ایسے موقعہ کوضائع نہیں کرناچاہیے

اسلام نے جس قسم کامکمل معاشرہ قائم کرناچاہااورصلہ رحمی کی تاکید کرکے آپس کے حقوق بتلائے اوران کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا،اس کے نتیجہ میں جو محبتیں پیداہوتی ہیں اور جومعاشرہ قائم ہوتاہے؛اس کویورپ والے کیاجانیں ۔ اور اب ہم بھی یورپ کی تقلیدمیں وہی حرکتیں کرنے لگے ہیں جن کااسلامی تعلیمات اور انسانی شرافت سے کوئی تعلق

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نہیں ہے،اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔آدمی کو یہی سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت کاموقع دیاہے،اوران کی خدمت کرکے میں جنت کما سکتاہوں،توایسے موقعہ کوضائع نہیں کرناچاہیے،بلکہ اگردوسرے بھائی یہ کہتے ہوں کہ ہم ماں باپ کورکھنے کے لیے تیارہیں توآپ آگے بڑھ کرکہئے کہ نہیں نہیں! کچھ بھی ہوجائے،میں ہی ماں باپ کورکھوں گا ہرایک اس معاملہ میں سبقت سے کام لے،اور ہرایک ان کوزیادہ سے زیادہ راحت پہنچانے کی کوشش کرے،کوئی ایک بات بھی ہماری طرف سے ایسی پیش نہیں آنی چاہیے جواُن کی طبیعت پرگرانی کاباعث ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطافرمائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ

مجلس ۳

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

اور

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

مجلس ۳

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ ۲۴/اپریل ۱۹۹۹ء

ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کا بیان چل رہا ہے،اس سلسلہ میں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بہت ساری روایتیں پیش کیں، آج ایک اور روایت پیش کی ہے۔

کثیر الوقوع شکایت خدمتِ نبوی میں

حدیث ۳۱۸

وعنه أَنَّ رَجُلاً قَالَ:یَارَسولَ اللهِ!إِنَّ لِی قَرَابَةً أَصِلُهُمْ وَيَقْطَعُونِي وَ أُحسِنُ إِلَيهِمْ ويَسِيئُوْنَ إِلَيَّ وَأَحلُمُ عَنْهُمْ وَيَجْهَلُوْنَ عَلَيَّ فَقَالَ: لَئِن كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ،وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَادُمْتَ عَلٰى ذَالِكَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے رشتہ دار ہیں،میں تو ان کے حقوق کو ادا کرتا ہوں،لیکن رشتہ داری کی حیثیت سے میرے جو حقوق ان پر ہیں وہ ان کو ادا نہیں کرتے۔اور میں ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرتاہوں،محبت سے پیش آتا ہوں، اور وہ لوگ میرے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں۔ اور اگر ان کی طرف سے کوئی ناگوار بات پیش آجائے تو میں تحمل و بردباری اور برداشت سے کام لیتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں۔تو حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اگر واقعہ یہی ہے جیساکہ تونے کہا تو گویا تم اپنے اس طرزِ عمل کے ذریعہ سے ان

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے منھ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو۔اورجب تک تم اپنے اس رویہ پر قائم رہوگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ برابر مددگار رہے گا۔

افادات: آج کل عام طورپریہ ساری شکایتیں ہوتی ہیں،ایسے لوگ جو شریعت پر عمل کرنا چاہتے ہیں،یامثلاًاس سے پہلے آپ نے جوروایتیں سنیں،یاآئندہ سنیں گے اس کے بعد آپ کے دل میں آیاکہ ہمیں رشتہ داری کے حقوق اداکرنے چاہئیں اور آپ نے اس پر عمل شروع بھی کردیاکہ آپ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آرہے ہیں، ان کے حقوق کی ادائیگی کااہتمام کررہے ہیں،اگران کی طرف سے کوئی نادانی ہوجائے توآپ برداشت سے کام لے رہے ہیں،لیکن ان کی طرف سے جواب کے طور پرآپ کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جاتا جوآپ ان کے ساتھ کررہے ہیں؛ایسے موقع پرآپ کوکیاکرنا چاہیے ؟

اپنافیصلہ کسی غیرجانبدار سمجھدار آدمی سے کرایاجائے

نبیٔ کریم (ﷺ) سے یہی شکایت کی گئی کہ میراایساایسامعاملہ ہے۔تو حضور(ﷺ) نے جواب میں ارشادفرمایاکہ”تیرامعاملہ واقعتاایسا ہی ہے جیساکہ توکہہ رہا ہے“آپ (ﷺ) نے یہ جملہ اس لیے فرمایاکہ بہت سی مرتبہ آدمی اپنے طورپریوں سمجھتا ہے کہ میں حق ادا کررہا ہوں،حالانکہ دیانتداری کی بات تویہ ہے کہ اپنے بارے میں آدمی کو خودکوئی فیصلہ نہیں کرناچاہیے،بلکہ جوکچھ ہورہاہے اس کوکسی غیرجانبدار اور سمجھدارآدمی کے سامنے پیش کرے کہ ایساایسا ہورہاہے،وہ یوں کررہے ہیں اورمیں یہ کررہا ہوں،اور میں یوں سمجھتاہوں کہ میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ان کے حقوق ادا کرتا ہوں اور وہ میرے حقوق ادا نہیں کرتے۔ میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آرہا ہوں اور وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، میں اچھائی سے کام لیتا ہوں اور وہ برائی سے پیش آتے ہیں؛ اب آپ ہی بتایئے کہ دونوں طرف سے جو معاملہ ہو رہا ہے اس میں کون صحیح کر رہا ہے اور کون غلطی پر ہے۔ پوری تفصیل کسی ایسے آدمی کے سامنے رکھی جائے جو قرآن وحدیث اور اسلامی احکام سے واقف ہو اور سمجھدار ہو، اور اسی سے فیصلہ طلب کیا جائے۔

اس لیے کہ عام طور پر معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ جو دعویٰ آپ کر رہے ہیں، فریقِ مخالف بھی وہی دعویٰ کرتا ہے۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ میں ان کا حق ادا کرتا ہوں وہ میرا حق ادا نہیں کرتے۔ اگر اُن سے پوچھا جائے کہ آپ کے متعلق یہ شکایت ہے تو وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ میں ان کا حق ادا کرتا ہوں وہ میرا حق ادا نہیں کرتے۔ جو بات آپ اُن کے خلاف کہہ رہے ہیں، ہو بہو وہی دعویٰ وہ بھی آپ کے خلاف کر رہے ہیں۔ اب اگر دونوں اپنا اپنا دعویٰ لیے بیٹھے رہیں تو اس جھگڑے کا فیصلہ کبھی بھی آنے والا نہیں ہے، اس لیے جو آدمی سمجھدار اور شریعت کے احکام سے واقف ہو، اس کے سامنے بات پیش کیجیے، اگر آپ کی کوئی کمزوری ہے اور آپ کی طرف سے کوئی کمی اور فالٹ ہے تو اس کی طرف سے اس بات کی نشاندہی کی جائے گی کہ اس بارے میں آپ فالٹ میں ہیں، آپ کو اس کی اصلاح کرنی چاہیے، اور اُن کی طرف سے جو ہو رہا ہے اس سلسلہ میں بھی آپ کو ہدایت دی جائیگی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اکابر کا طرزِ عمل

ہمارے اکابر کو دیکھا کہ اپنا ذاتی کوئی بھی معاملہ ہوتا تو باوجود اس کے کہ ان کے پاس وافر علم ہے، بہت بڑے آدمی ہیں لیکن دوسروں سے رجوع فرماتے۔ حضرت شیخ (نوراللہ مرقدہ) کی مجلس میں بارہا دیکھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تھا اور حضرت مفتی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) تشریف لاتے تو فرماتے کہ مفتی جی! ایسا معاملہ ہے، اب آپ بتلاؤ کیا کیا جائے؟ ایسا کوئی معاملہ ہوتا تو حضرت شیخ (نوراللہ مرقدہ) پیش فرماتے تھے، حالانکہ خود سب کچھ سمجھتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی ذات کے معاملہ میں ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا نفس کبھی خیانت کر جاتا ہے اور ہمارے اکابر تو اپنے نفس پر اعتماد کرتے ہی نہیں تھے کہ معلوم نہیں کب وہ خیانت کرلے، اور ہم لوگ ہیں کہ اپنے نفس پر بالکل مطمئن ہوئے بیٹھے ہیں کہ ہم برابر ٹھیک ٹھاک چل رہے ہیں، ہماری طرف سے کہیں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ اپنے معاملہ میں آدمی کے نفس کو اپنی کمزوری نظر نہیں آتی اور وہ اپنے متعلق یہی سوچتا، سمجھتا اور فیصلہ کرتا ہے کہ میں جو کر رہا ہوں وہ سب ٹھیک کر رہا ہوں، اور سامنے والی پارٹی اور دوسرے فریق کی طرف سے میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اس لیے خود کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ان کے منہ میں گرم راکھ

یہاں حضورِ اکرم (ﷺ) نے اس سے کوئی تفصیل توپوچھی ہی نہیں تھی بلکہ ارشاد فرمایا کہ اگرتم جو کہہ رہے ہو واقعتا ایساہی ہے توگویاتم اپنے اس طرزِ عمل کے ذریعہ سے ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو۔ویسے بھی کوئی سفوف آدمی پھانکتاہے تووہ جلدی سے گلے سے نہیں اترتا،اورراکھ توکھانے کی چیزہے ہی نہیں اوروہ بھی گرم ہو تو کتنی تکلیف دہ ہوگی۔آپ (ﷺ)کے جواب کاحاصل یہ ہے کہ تم حق اداکرتے ہواوروہ ادا نہیں کرتا،تم اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آتے ہواوروہ تمہارے ساتھ برائی سے پیش آتاہے،توتمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے،تم اپنی اس روش کے ذریعہ سےیوں سمجھوکہ اس کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو،اورجب تک تم اپنے اس رویہ پر قائم رہوگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ برابرمددگاررہے گا۔

ایک مددگارفرشتہ کاساتھ

حدیثِ پاک میں ایک واقعہ آتاہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرصدیق (رضی اللہ عنہ) کو ایک آدمی بُرابھلاکہہ رہاتھا،حضرت اس کوجواب نہیں دے رہے تھے بلکہ خاموش تھے، حضور(ﷺ) بھی حضرت ابوبکر(رضی اللہ عنہ) کوبرابردیکھ رہے تھے،اوردیرتک ایساہوتارہا،جب اس نے بہت زیادتی کی توحضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ)نے جواب دیناشروع کیا،اب حضورِاکرم (ﷺ) نے ان کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

طرف سے منھ پھیر لیا، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیابات ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ جب تک تم خاموش تھے، اُس وقت تک ایک فرشتہ تمہاری طرف سے اس کی باتوں کا جواب دے رہا تھا، لیکن جب تم نے جواب دینا شروع کیا تو وہ فرشتہ ہٹ گیا۔

(ابوداود شریف، ۴۸۹۶)

اور یہ بات سمجھ میں بھی آنے والی ہے، میں آپ کو ایک مثال دوں کہ آپ کے دو بیٹے لڑرہے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کررہاہے، تو تھوڑی دیر تک آپ یہ تماشہ دیکھیں گے کہ ایک کی طرف سے دوسرے پر کیا زیادتی ہورہی ہے، اور جب آپ نے دیکھا کہ اس کی زیادتی ختم نہیں ہورہی ہے اور دوسرا اس کو کوئی جواب بھی نہیں دے رہاہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لیں گے، اور جو زیادتی کر رہا ہے اس کو آپ خود سزادیں گے۔ اور اگر آپ نے دیکھا کہ ایک نے کچھ کیا اور دوسرے نے بھی اس کا جواب دیدیا تو اب معاملہ نمٹ گیا، اب آپ کسی کی طرف سے کوئی کاروائی نہیں کریں گے۔ قدرت کی طرف سے بھی بندوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جاتاہے۔

خیر! تو یہاں حضورِ اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے اس رویہ پر قائم رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ایک فرشتہ برابر مددگار رہے گا۔ آج کل یہ شکایت بہت عام ہوگئی ہے جیساکہ آگے ایک دوسری روایت آرہی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مؤمن کی سوچ بڑا بدلہ ہونی چاہیے

اور میں اس باب کے شروع میں بتلاچکاہوں کہ مؤمن کا جو بھی عمل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتاہے، ہم اس کے ساتھ جو بھلائی کررہے ہیں اوراس کے حقوق کوادا کررہے ہیں وہ اس لیے کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیاہے، ہم جوکچھ کررہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کوپوراکرنے کے لیے کررہے ہیں، اب اگروہ اس کے جواب میں ہمارے ساتھ بھلائی سے پیش نہیں آتااورہمارے حقوق ادانہیں کرتا تو ہمیں دل گرفتہ ہونے اورپریشان وغمگین ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم نے توجوکیا تھاوہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے کیاتھا، اورجس کاحکم پورا کرنے کے لیے ہم نے کیاہے وہ ان شاء اللہ ہم کو دنیااورآخرت میں ضرور بدلہ دے گا۔ بھائی! جس کے لیے کام کیاہے وہاں سے تنخواہ لو، جیسے کسی آدمی کوبادشاہِ وقت نے کہا کہ فلاں کا یہ کام کردو، اوراس نے وہ کام کردیا، توجس کاکام کیاہے وہ آدمی اگرمعاوضہ میں کچھ دینا چاہے گاتویہ قبول کرے گا؟ نہیں کرے گا، بالکل منع کردے گااورکہے گاکہ بادشاہ سلامت نے کام کرنے کا کہاہے، اس لیے کیاہے، مجھے تووہاں سے بدلہ ملنے والا ہے۔ اور اگر اس نے یہاں سے قبول کرلیاتو وہاں سے جوبڑا بدلہ ملنے والاتھاوہ نہیں ملے گا۔

بہرحال! مؤمن جوبھی کرتاہے وہ اللہ واسطے کرتاہے، اس لیے جوآدمی یہ کہتا ہے کہ میں اس کے حقوق اداکرتاہوں اوروہ میرے حقوق ادانہیں کرتا، میں ان کے ساتھ بھلائی سے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پیش آتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں، اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ میں ان کے جو حقوق ادا کر رہا ہوں یا ان کی باتوں پر تحمل و برداشت سے کام لے رہا ہوں وہ اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے، اور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں، اور جس کا حکم پورا کر رہا ہوں وہ مجھے ضرور بدلہ دے گا، یہ ہمارے ساتھ جو چاہے کرے، اسے ہمیں نہیں دیکھنا ہے۔ در اصل ہماری سوچ یہی ہونی چاہیے۔ اگر ہم یہ سوچ لیں تو پھر سامنے والے کے کسی بھی سلوک کی وجہ سے کبھی ہمیں ناگواری نہیں ہوگی، ہمارے دل کو اطمینان ہوگا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کیا ہے۔ اگر آدمی کی یہ سوچ بن جائے تو کبھی اس کے معاملات میں تبدیلی نہیں آئے گی اور وہ اپنے طرزِ عمل پر باقی رہے گا۔ ہاں! دل پر ذرا اثر تو ہوتا ہے لیکن وہ اس سے صرفِ نظر کرتا ہے اور اس وقت نبی کریم (ﷺ) کے یہ ارشادات پیشِ نظر ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری مدد ہو رہی ہے۔ اس لیے یہ بڑی اہم اور ضروری چیز ہے۔

جو آدمی روزی میں برکت کا طالب ہو

حدیث ۳۱۹

عن أنس (رضی اللہ عنہ) عن النبی (ﷺ) قال: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ۔ (متفق عليه)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو، اس کو برکت والی روزی ملے، اور اس کی عمر کے اندر زیادتی ہو تو وہ صلہ رحمی کرے یعنی رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرے۔

افادات: گویا رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں یہ بدلہ ملتا ہے کہ اس کی روزی کشادہ ہوتی ہے اور اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ رشتہ داری ایسی چیز ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں اس کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنی، اسی طرح جب ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جائے گا تو دنیا میں زیادہ رہنے کا بھی ذریعہ بنے گی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب یہاں بعض لوگوں کو سوال ہوتا ہے کہ عمر کی زیادتی اور روزی کی کشادگی کیسے ہو سکتی ہے؟ حالانکہ سب چیز تقدیر میں لکھی جا چکی ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تقدیر کے مختلف طبقات ہیں، درجہ بدرجہ مختلف مراحل ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے کہ اگر آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا تو اس کی روزی میں کشادگی ہوگی اور اس کی عمر میں زیادتی ہوگی، یہ ایک مرحلہ ہوا، پھر دوسرے مرحلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں، اگر اس مرحلہ میں یہ بھی طے ہو گیا ہے کہ صلہ رحمی کرے گا تو ظاہر ہے کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس کی روزی میں کشادگی ہونے ہی والی ہے اور عمر بڑھنے والی ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ روزی میں کشادگی کا ذریعہ صلہ رحمی والا عمل بنا۔

بہرحال!یہ چیز دنیوی اعتبار سے بھی مفید ہے اور آخرت میں بھی اس کا بدلہ ملنے والا ہے۔اور اس کے برعکس بھی ہے۔اسی لیے لکھا ہے کہ دنیا میں کسی نیکی کا بدلہ اتنا جلدی نہیں ملتا جتنا صلہ رحمی کا ملتا ہے۔فوراً روزی میں برکت ہوتی ہے اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے،اور کسی برائی کی سزا اتنی جلدی نہیں ملتی جتنی قطع رحمی کی ملتی ہے کہ اس کی وجہ سے فوری اثر روزی پر پڑتا ہے،روزی میں تنگی آتی ہے اور عمر کی برکت ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) کا رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

حدیث ۳۲۰

وعنه (رضی اللہ عنہ) قَالَ:كَانَ أَبُوطَلْحَةَ (رضی اللہ عنہ) أَكْثَرَالْأَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِّنْ نَخْلٍ،وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرَحَآءَ،وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ،وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِن مَّآءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ.قَالَ أَنَسٌ:فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾قَامَ أَبُوطَلْحَةَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَقَالَ:يَارَسُولَ اللهِ!إِنَّ اللهَ تَعَالٰى أَنْزَلَ عَلَيْكَ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَيَّ بَيْرَحَآءُ،وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى أَرْجُوْا بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى،فَضَعْهَا يَارَسُولَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ.فَقَالَ رَسُولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم):بَخٍّ!ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ،ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ.وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ.وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ،فَقَالَ أَبُوطَلْحَةَ:أَفْعَلُ يَارَسُولَ اللهِ،فَقَسَّمَهَا أَبُوطَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهِ،وَبَنِيْ عَمِّهِ.(متفق عليه)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ انصار میں سب سے زیادہ کھجور کے باغات کے مالک حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) تھے، اوران کوان میں سب سے زیادہ محبوب باغ "بیر حائ" تھا، اوروہ باغ بالکل مسجدِ نبوی کے سامنے تھا،اورخود نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی کبھار وہاں تشریف بھی لے جاتے تھے اور اس میں جو میٹھاپانی تھااس کونوش بھی فرماتے تھے۔حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں جب یہ آیت نازل ہوئی کہ تم کامل نیکی نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی محبوب چیز کوخرچ نہ کرو، تو حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) اُٹھے اورآپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بڑھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آپ پر یہ آیت نازل فرمائی، اورمیری جائیداد، اموال اورملکیتوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب مال "بیر حاء "نامی باغ ہے۔لہٰذایہ باغ میری طرف سے اللہ کے راستہ میں صدقہ ہے، میں اس باغ کے خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ سے نیکی اور ثواب کی توقع اور اُمید رکھتا ہوں، اس لیے اے اللہ کے رسول! اس باغ کوآپ جہاں چاہیں صَرف کریں۔حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:واہ واہ! یہ توبڑاعمدہ اور نفع بخش مال ہے، یہ توبڑا نفع بخش مال ہے، اور تم نے جوبات کہی وہ میں نے سن لی۔پھر حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے بجائے اس کے کہ خودلے کر اس کو صَرف فرماتے،ان کو یہ مشورہ دیدیاکہ میں یہ مناسب سمجھتاہوں کہ تمہارے رشتہ داروں میں جو غریب ومحتاج ہیں،آپ ان کو دیدیجئے۔حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیاکہ اے اللہ کے رسول! میں اسی طرح کروں گا۔اس کے بعد حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے اس باغ کواپنے چچازاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کردیا۔

افادات: "بیر حآء" نامی باغ مسجدِ نبوی کے بالکل سامنے تھا،اب تووہ جگہ بھی مسجد نبوی کے نئے اضافہ شدہ حصہ میں آچکی ہے،بابِ مجیدی کی طرف ایک پتھرپر بیر حاء لکھاہوا بھی ہے۔

میں پہلے بھی بتلاچکاہوں کہ آدمی جب خرچ کرنے کاارادہ کرتاہے تواپنے مال میں جوگھٹیاچیزہوتی ہے اسی کواختیارکرتاہے،مثلاً "کپڑے "توجواستعمال شدہ ہیں وہ دو۔"کھانا" جو بچ

گیاہے وہ دو۔ چیزوں میں بھی جواپنے کام کی نہیں رہی ہے وہ دو۔ عمرمیں بھی جب آخری منزل آتی ہے،اورکاروبار کے لائق نہیں رہتا،توکہتا ہے کہ اب مسجد میں بیٹھو۔ خیر!یہ ساری چیزوں کی توفیق بھی اگراللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے تو بڑی چیز ہے، لیکن یہ بات ہے کہ اگرآدمی اپنی چیزوں میں سے بڑھیااورعمدہ چیزیں اگر اللہ کے لیے دینے لگے؛تواس کا بدلہ بھی بڑاملے گا۔

بہرحال!جب یہ آیت نازل ہوئی توحضرات صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) تواِن چیزوں پر بڑھ چڑھ کرعمل کرنے والے تھے ہی،اس لیے حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضرہوئے اورعرض کیایارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کایہ ارشادنازل ہواکہ تم نیکی کامل طور پرحاصل نہیں کرسکتے یہاں تک کہ جومال تمہیں محبوب اورپسندہے اس کو اللہ کےراستہ میں خرچ کرو،اورمیری جائیدادوں میں جو مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ جائیداد ہےوہ بیرحاء نامی باغ ہے،اس کومیں اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہوں اور میں اس کی نیکی کی اللہ تعالیٰ سے امید بھی رکھتاہوں اور مجھے یہ بھی توقع ہے کہ اس کی نیکی اللہ تعالیٰ کےیہاں میرے لیے ذخیرہ ہوگی، لہٰذا یا رسول اللہ! یہ باغ آپ جہاں مناسب سمجھیں وہاں خرچ کردیں،آپ کو پورااختیار دیتا ہوں۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ واہ واہ!یہ تو بہت بڑھیا اورعمدہ مال ہے اورتم نے جو کہا وہ میں نے سن لیااورپھرآپ (صلی اللہ علیہ وسلم)نے مشورہ دیاکہ میں یہ مناسب سمجھتاہوں کہ تم اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں جو غریب ہیں ان کے درمیان تقسیم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کردو۔اس پر حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیاکہ ضرور میں اسی پر عمل کرتا ہوں۔چنانچہ انہوں نے اپنے چچازاد بھائیوں میں وہ باغ تقسیم کردیا۔

تورشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی ہوااوراللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کاثواب بھی ملا۔

ماں باپ کی خدمت جہاد بھی اور ہجرت بھی

حدیث ۳۲۱

وعن عبداللہبن عمروبن العاص (رضی اللہ عنہ) قال:أَقْبَلَ رَجُلٌ اِلیٰ نَبِيِّ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَقَالَ: أُبَايِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِوَالْجِهَادِ, أَبْتَغِي الْأَجْرَمِنَ اللهِ تَعَالیٰ۔ قَالَ:فَهَلْ لَّكَ مِنْ وَالِدَيْكَ أَحَدٌحَيٌّ؟قَالَ:نَعَمْ بَلْ كِلاهُمَا۔ قَالَ:فَتَبْتَغِي الْأَجْرَ مِنَ اللهِ تَعَالیٰ؟ قَالَ: نَعَمْ۔ قَالَ: فَارْجِعْ إِلیٰ وَالِدَيْكَ, فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا۔ (متفق علیه) وهٰذااللفظ مسلم۔

وفی روایۃلھما:جَآءَرَجُلٌ,فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ,فَقَالَ:أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔قَالَ:فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروبن العاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں حاضرہوااورعرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ہاتھ پرجہاد کی اور ہجرت کی بیعت کرتا ہوں،اوراس بیعت سے میرامقصوداللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا ہے۔حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: تمہارے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں!دونوں زندہ ہیں۔تو حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

واقعتا تو اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان کی اچھی خدمت کرو۔

دوسری روایت میں ہے : ایک آدمی نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی، حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ ان میں جہاد کرو۔

افادات: اس زمانہ میں جو لوگ ایمان لاتے تھے، وہ حضور (ﷺ) کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کی بیعت کرتے تھے۔ اور میں پہلے بھی کئی مرتبہ بتلا چکا ہوں کہ حقیقی نیکی اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر چلنا ہے، اپنی مرضی پر نہیں ۔

اہم سے روک کر غیر اہم میں ڈالنا شیطانی حربہ ہے

اور شیطان کی عادت یہ ہے کہ وہ انسان کو نیک کام کی طرف آنے ہی نہیں دیتا اس کی پہلی کوشش تو یہی ہوتی ہے آدمی نیکی کا ارادہ ہی نہ کرے، اور اگر اس نے ارادہ کر لیا تو پھر جو کام موقع کے اعتبار سے اہم اور ضروری ہوتا ہے اس کو چھڑوا کر غیر اہم کام کی اہمیت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے تاکہ اگر ثواب پاوے تب بھی زیادہ نہ پاسکے، اسی لیے آدمی جو کام کررہا ہو اس میں اپنا ذاتی فیصلہ کرنے کے بجائے اس معاملہ میں جو جانکار ہوں ان سے مشورہ لینا چاہیے کہ اس وقت میرے لیے کیا مناسب ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عام طور ہوتا یہ ہے کہ والدین موجود ہوتے ہیں اور وہ اس کی خدمت کے محتاج ہوتے ہیں، ان کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے باجود ان کی خدمت کے بجائے وہ دوسرے کاموں میں لگا رہتا ہے؛ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگرچہ شریعت کے ضروری احکام کا علم حاصل کرنا ہر آدمی پر فرضِ عین ہے، لیکن اگر اس کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں اور اس کے وہاں سے ہٹ جانے کی صورت میں ان کو ضرر ہو گا تو وہ وہاں سے نکل نہیں سکتا، اس کے لیے وہیں ان کے پاس رہنا ضروری ہے۔ اور اگر وہ خدمت کے محتاج نہیں ہیں اور اجازت نہ دیں تو فرضِ عین کے لیے نکل سکتا ہے، لیکن فرضِ کفایہ کے لیے ان کی اجازت کے بغیر باہر جانا جائز نہیں ہے۔

بہر حال! شیطان یہ کرتا ہے کہ جو اہم چیز ہے اس سے اس کا دھیان ہٹا دیتا ہے اور غیر اہم کام میں اس کو مشغول کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ماں باپ کی خدمت کا موقع جب ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر جس کام میں لگا ہوا تھا اس کے بارے میں بھی وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے اور پھر اُدھر سے بھی دھیان ہٹا دیتا ہے۔ عام طور پر یہ چیزیں آدمی کو پیش آتی ہیں، ایک قسم کا انتشار پیدا کرنا ہی شیطان کا کام ہے، ہر چیز میں اس کی ایسی کوشش لگی رہتی ہے، اس لیے آدمی کو پہلے سے اس سلسلہ میں اہلِ علم سے مشورہ کر کے آگے اقدام کرنا چاہیے، تاکہ اس کی نوبت نہ آئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں جانے کی اجازت چاہی، حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نے کہاکہ جی ہاں۔تو آپ (ﷺ) نے فرمایاکہ ان میں جہاد کرویعنی ان کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرو۔

صلہ رحمی کرنے والاکون ہے؟

حدیث ۳۲۲

وعنه (رضی اللہ عنہ) عن النبی (ﷺ) قال:لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَاقُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: انہی سے منقول ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: جو آدمی برابرکابدلہ دے وہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے،بلکہ صلہ رحمی کرنے والاتووہ ہے جس کا حق ادانہ کیاجائے لیکن وہ حق ادا کرتا رہے۔

افادات: عام طورپررشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے معاملہ میں ہم لوگوں کا مزاج یہ بنا ہوا ہے کہ اگر وہ ہمارے ساتھ اچھائی کررہاہے توہم بھی اس کے ساتھ اچھائی کریں گے،اوراگر وہ ہمارے ساتھ اچھاسلوک نہیں کرتااورہمارے حقوق ادا نہیں کرتاتوہم بھی اس کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔کوئی سمجھاتاہے توکہتے ہیں کہ جب وہ ہمارے حق ادا نہیں کرتاتوہم کیوں اداکریں۔حالانکہ ہم پراس کے جوحقوق شریعت نے واجب کئے ہیں اس میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی ہے کہ اگروہ تمہاراحق ادا کرے تب ہی تم پراس کا حق واجب ہوتاہے۔بلکہ ہم کو الگ سے یہ حکم دیا گیاہے کہ تم پرتمہارے رشتہ داروں کے یہ حقوق ہیں،اب ہم کوتواللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے،اگرہم ان حقوق کوادانہیں کریں گے تواس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے متعلق وہاں پوچھ ہوگی،وہاں ہم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ باری تعالیٰ!انہوں نے تو ہمارے حقوق ادا نہیں کیئے تھے اس لیے ہم نے بھی ادا نہیں کیئے۔یہ جواب وہاں کارآمد بھی نہیں ہوگا۔اس لیے اگر وہ ہمارے ساتھ اچھائی کا سلوک کریں توہم بھی ان کے ساتھ اچھائی کاسلوک کریں؛اس کانام صلہ رحمی نہیں ہے، یہ تو برابری کامعاملہ ہوا۔

بھائی!کوئی پرایااوراجنبی آدمی جس کے ساتھ ہماری کوئی قرابت اوررشتہ داری نہیں ہے وہ بھی جب ہمارے ساتھ بھلائی کرے گاتواگرآدمی کی طبیعت کے اندر شرافت ہے تویہ بھی اس کے ساتھ بھلائی کرے گا،اس میں رشتہ داری کی کیاخصوصیت ہوئی۔بلکہ کوئی کافر بھی ہمارے ساتھ بھلائی کرے گاتوہم اس کے ساتھ بھی بھلائی کریں گے،توبھلائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرنااس میں رشتہ داری کامعاملہ کہاں آتاہے؟یہ تو ایک الگ مسئلہ ہوگیا۔صلہ رحمی کامطلب تویہ ہواکہ اس کی تمہارے ساتھ رشتہ داری ہے؛فقط اسی کوسامنے رکھ کر آپ اس کے ساتھ بھلائی کیجئے،چاہے وہ آپ کے ساتھ بھلائی کرے یانہ کرے،اسی کو حضورِاکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں"لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي"جوآدمی بھلائی کے بدلہ میں بھلائی کرے وہ صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والاتووہ ہے کہ سامنے والاحق ادانہیں کرتاتب بھی یہ اس کا حق اداکرے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے

کوئی آپ کے ساتھ برائی کرتا ہے اور بدلہ میں آپ بھی اُس کے ساتھ برائی کریں؛ تو اُس میں اور آپ میں فرق کیا ہوا؟ آپ کو تو چاہیے کہ وہ برائی کرے تب بھی آپ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آئیں۔ عربی کا محاورہ ہے﴿كُلُّ اِنَآءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ﴾ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ ہم تو اپنے اندر بھلائی ہی بھلائی بھرے رکھیں، پھل دار درخت پر اگر کوئی آدمی پتھر مارے تو جواب میں وہ پھل ہی دے گا، پتھر نہیں۔

ہارون رشید اور ایک غلام

ہارون الرشید بہت بڑا بادشاہ تھا، اس کی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع تھا کہ ایک مرتبہ ایک بادل جارہا تھا اس کو دیکھ کر ہارون الرشید نے یوں کہا کہ اے بادل! تو کہیں بھی جاکر برس؛ تیرے پانی سے جو کھیتی پیدا ہوگی اس کا خراج میرے خزانے میں ہی آنے والا ہے۔ اتنی بڑی سلطنت تھی۔ خیر! یحیٰی بن اکثم ہارون الرشید کے زمانہ میں ایک بڑے تابعی گذرے ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے ہارون الرشید کے یہاں رات گذاری، رات کے وقت بادشاہ سلامت کو پیاس لگی تو انہوں نے اپنے غلام کو آواز دی کہ ذرا پانی پلاؤ۔ غلام نیند میں سے اُٹھا اور کہنے لگا کہ دن میں بھی چین نہیں اور رات کو بھی چین سے سونے نہیں دیتے، ایسا کہہ کر پھر سو گیا۔ بادشاہ سلامت نے خود ہی اٹھ کر جاکر پانی لیا اور پیا۔ یحیٰی بن اکثم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

امیر المؤمنین! آپ اس کو کوئی تنبیہ نہیں کرتے؟ غلام ہو کر اس طرح نامناسب جواب دیتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کو تنبیہ کروں گا تو میں اپنے اخلاق خراب کروں گا، اور میں اپنے اخلاق بگاڑ کر اس کے اخلاق سدھارنا نہیں چاہتا۔

پھر ایک وقت آئے گا

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ رشتہ دار اگر ہمارے ساتھ بھلائی کریں تب ہی ہم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کریں؛ اس کا نام صلہ رحمی نہیں ہے۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں کہ یہ تو برابر کا بدلہ ہوا، اور یہ رشتہ دار کی خصوصیت نہیں ہے، اجنبی آدمی بھی بھلائی کرے گا تو ہم اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں گے۔ صلہ رحمی تو یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ برائی کریں تب بھی ہم ان کے ساتھ بھلائی کریں، اس لیے یہی معاملہ ہونا چاہیے، ہمیں اپنی طرف سے وہی معاملہ کرنا چاہیے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ جیسے ایک کہاوت ہے کہ کتا کاٹے تو ہم جواب میں کاٹتے نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی برائی کا معاملہ کرے تو ہم جواب میں برائی کا معاملہ نہ کریں، بلکہ ہم تو اچھائی کا معاملہ ہی کریں، خاص کر رشتہ داروں کے معاملہ میں تو یہ بہت ہی ضروری ہے۔ اگر اسی طرح سب سوچتے رہیں گے تو پھر آخر رشتہ داروں کے حقوق کیسے ادا ہوں گے؟ آپ تو ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے رہیے کہ اگر کسی روز وہ آپ کے ساتھ تعلقات ٹھیک کرلیں تو آپ کو پشیمانی، ندامت اور پچھتاوے کی نوبت نہ آوے، اس کو زندگی بھر پچھتاوا رہے کہ وہ میرے ساتھ اب تک برابر اچھا سلوک

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کررہاہے،میں ہی نالائق ہوں،اس کا ضمیر اس کوملامت کرے گا،آپ کاضمیر مطمئن رہے گا، آپ کے دل میں کبھی تکلیف نہیں ہوگی۔اورہم اس کے ساتھ بھلائی کامعاملہ صرف اللہ تعالیٰ کاحکم پوراکرنے کے لیے کریں،جب اس نیت سے کریں گےتوان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ جو ہمارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آرہاہے وہ بھی سدھرجائے گااوراس کے حالات بھی درست ہوجائیں گے۔

رشتہ داری کی دعا

حدیث ۳۲۳

وعن عائشة(رضی اللہ عنہا)قالت:قال رسول الله(صلی اللہ علیہ وسلم) : اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ: مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللهُ۔(متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایاکہ رشتہ داری عرش کے پاس لٹکی ہوئی یہ دعاکرتی رہتی ہے کہ جومجھے جوڑے گا اللہ اسے جوڑیں گےاورجو مجھےتوڑے گا اللہ اسے توڑیں گے۔

افضلیت موقع محل کے اعتبار سے ہوتی ہے

حدیث ۳۲۴

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عن أم المؤمنين ميمونة بنت الحارث رضى الله عنها أَنَّهَا أَعْتَقَتْ وَلِيدَةً، وَلَمْ تَسْتَأْذِنِ النَّبِيَّ (ﷺ) فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِي يَدُورُ عَلَيْهَا فِيهِ، قَالَتْ: أَشَعَرْتَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَنِّي أَعْتَقْتُ وَلِيدَتِي؟ قَالَ: أَوَفَعَلْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: أَمَا إِنَّكِ لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ. (متفق عليه)

ترجمہ: اُم المؤمنین میمونہ بنت حارث (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک باندی آزاد کی، اور اس سلسلہ میں نبی کریم (ﷺ) سے مشورہ نہیں کیا۔ جب ان کی باری کا دن آیا اور نبی کریم (ﷺ) ان کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی فلاں باندی آزاد کردی۔ حضور (ﷺ) نے پوچھا: اچھا! ایسا کرچکی ہو؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں! آزاد کرچکی ہوں ۔ تو حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ اگر تم اپنی وہ باندی اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تم کو زیادہ ثواب ملتا۔

افادات: نبی کریم (ﷺ) کی نو(۹) ازواجِ مطہرات تھیں اور ہر ایک کی ایک ایک دن کی باری تھی، اس طرح نویں دن ایک کی باری آتی تھی، جب ان کی باری کا دن آیا اور نبی کریم (ﷺ) ان کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی فلاں باندی آزاد کردی۔ غلام و باندی کو آزاد کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ کوئی آدمی ایک غلام یا باندی کو آزاد کردے تو اللہ تعالیٰ اس آزاد ہونے والے غلام کے ہر ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے رہائی عطا فرمائیں گے۔ خیر! انہوں نے اطلاع دی کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی فلاں باندی آزاد کردی؟ حضور (ﷺ) نے پوچھا: اچھا! ایسا کرچکی ہو؟ انہوں نے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کہا کہ جی ہاں! آزاد کرچکی ہوں۔تو حضور(ﷺ) نے فرمایا کہ اگر تم اپنی وہ باندی اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تم کو زیادہ ثواب ملتا۔

حالانکہ آزاد کرنا بہت بڑی فضیلت والا کام ہے لیکن دراصل ان کے ماموں کو باندی اور نوکرانی کی ضرورت تھی،اس لیے حضور(ﷺ) نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ اس کو باندی باقی رکھتے ہوئے ماموؤں کو ہدیہ دے دیتیں تو تم کو ثواب زیادہ ملتا۔اس سے معلوم ہوا کہ بظاہر کسی کام کو ہم زیادہ بڑا سمجھتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں دوسرا کام دوسری حیثیت سے ثواب میں بڑھ جاتا ہے۔چوں کہ یہاں باندی ان کو ہدیہ کرنی تھی اور ساتھ ہی ان کی ضرورت پوری کرنی تھی اور پھر ساتھ ہی رشتہ داری کے حق کو بھی ادا کرنا تھا؛ یہ ساری باتیں پائی گئیں اس لیے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ اس میں ثواب زیادہ تھا۔ویسے تو باندی کو آزاد کرنا کسی کو ہدیہ کرنے کے مقابلہ میں فضیلت کی چیز ہے، لیکن یہاں دوسری حیثیت سے ثواب بڑھ جاتا۔

غیر مسلم رشتہ دار اور حسنِ سلوک

حدیث ۳۲۵

عن أسمآءَ بنتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضی الله عنها قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ (ﷺ) ،فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) قُلْتُ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّيْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّيْ؛قَالَ:نَعَمْ،صِلِي أُمَّكِ۔(متفق علیه)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میری والدہ جو مشرکہ تھیں صلح والے زمانہ میں مجھ سے ملنے مدینہ آئیں تو میں نے نبی کریم (ﷺ) سے پوچھا کہ میری ماں میرے یہاں کچھ ضرورت لیکر آئی ہیں، کیا میں ان کی ضرورت پوری کردوں اوران کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ حضورِ اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ جی ہاں! ان کی ضرورت کو پورا کرو، اوران کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

افادات: حضرت اسماء بنت ابو بکر (رضی اللہ عنہا) حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں تھیں، ان کی والدہ کو حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے کر الگ کردیا تھا، اور پھر وہ دوسرے کے نکاح میں تھیں، جب ۶ ھ میں نبی کریم (ﷺ) کی مکہ والوں کے ساتھ صلح ہوئی تو مکہ والوں کا مدینہ منورہ آنا جانا شروع ہوگیا، اور حضرت اسماء کی والدہ جو مشرکہ تھیں، وہ بھی اپنی بیٹی کے پاس اسی زمانہ میں مکہ سے مدینہ منورہ ملنے کے واسطے آئیں تو انہوں نے نبی کریم (ﷺ) سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں میرے یہاں کچھ درخواست اور ضرورت لے کر آئی ہیں، تو کیا میں ان کی وہ ضرورت پوری کردوں اوران کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ چوں کہ وہ غیر مسلمہ تھیں اس لیے پوچھنا پڑا۔ حضورِ اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ جی ہاں! ان کی ضرورت کو پورا کرو، اور ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

مطلب یہ ہوا کہ رشتہ دار اگر غیر مسلم ہو تب بھی ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا چاہیے۔ ماں باپ اگر غیر مسلم ہوں تو ان کے ساتھ تو حسنِ سلوک کا حکم قرآنِ پاک کی اس آیت کے ذیل میں گذر چکا جو حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) کے اسلام لانے کے موقع پر نازل ہوئی تھی، اور وہاں تفصیل بتلادی تھی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَصِلَةُ الْأَرْحَامِ

﴿مجلس ۴﴾

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

اور

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

﴿مجلس ۴﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۴/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ ۱/ مئی ۱۹۹۹ء

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کی تاکید کے سلسلہ میں بیان چل رہا ہے اسی سلسلہ میں ایک اور روایت پیش کر رہے ہیں۔

حدیث ۳۲۶

عن زَيْنَبَ الثَّقَفِيَّةِ امْرَأَةِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ وعنہا قالت: قَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ): تَصَدَّقْنَ يَامَعْشَرَ النِّسَآءِ وَلَوْمِنْ حُلِيِّكُنَّ۔ قالت: فَرَجَعْتُ إِلٰى عبدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّكَ بِرَجُلٍ خَفِيفُ ذَاتِ الْيَدِ، وَإِنَّ رَسولَ اللهِ (ﷺ) قَدْ أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ. فَأْتِهِ فَاسْأَلْهُ فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِيْ عَنِّيْ وَإِلَّا صَرَفْتُهَا إِلٰى غَيْرِكُمْ۔ فَقَالَ عبدُاللهِ: بَلِ ائْتِيْهِ أَنْتِ۔ فَانْطَلَقْتُ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ بِبَابِ رَسُولِ اللهِ (ﷺ)، حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ) قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ. فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ، فَقُلْنَا لَهُ: اِئْتِ رَسُولَ اللهِ (ﷺ)، فَأَخْبِرْهُ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ، أَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى أَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى أَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا؟ وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ۔ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُولِ اللهِ (ﷺ)، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ: مَنْ هُمَا؟ قَالَ: اِمْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ۔ فَقَالَ رَسولُ اللهِ (ﷺ): أَيُّ الزَّيَانِبِ هِيَ؟ قَالَ: اِمْرَأَةُ عَبْدِاللهِ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ): لَهُمَا أَجْرَانِ، أَجْرُ الْقَرَابَةِ، وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ۔ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی اہلیہ حضرت زینب ثقفیہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو چاہے اپنے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو۔ جب میں مجلسِ وعظ سے واپس اپنے شوہر کے گھر لوٹی، تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ (آج نبی کریم (ﷺ)

نے ہم کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی، اوراس ترغیب کی وجہ سے میں اللہ کے راستہ میں کچھ خرچ کرنا چاہتی ہوں، اب چوں کہ) آپ کے پاس ہی کچھ نہیں ہے اس لیے آپ نبی کریم (ﷺ) کے پاس جاکر پوچھیں کہ میں جو کچھ اللہ کے راستہ میں نکالنا چاہتی ہوں؛ کیا وہ آپ کو دے سکتی ہوں؟ ورنہ پھر کسی دوسرے پر خرچ کروں گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے کہاکہ میں تو نہیں جاتا، تم ہی جاؤاور پوچھو۔ حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں پوچھنے کے لیے حضور (ﷺ) کے درِاقدس پر گئی تو دیکھاکہ ایک اور انصاری عورت بھی اسی مقصد سے حضور کے دروازہ پر آئی ہوئی تھی، اوراللہ تعالیٰ نے نبی کریم (ﷺ) کو قدرتی طورپرایک ہیبت عطا فرمائی تھی کہ جس کی وجہ سے کوئی آدمی جلدی سے آپ سے کوئی سوال نہیں کرپاتاتھا، اس لیے اس سلسلہ میں پوچھنے کے واسطہ ہم جھجھک رہی تھیں اورآپ کے دروازہ پرہی کھڑی تھیں کہ اچانک حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) گھر سے نکلے، توان دونوں نے حضرت بلال سے کہا کہ آپ حضورِاقدس (ﷺ) کے پاس تشریف لے جایئے اور بتلایئے کہ دروازہ پر دوعورتیں کھڑی ہیں اور آپ سے یہ سوال پوچھ رہی ہیں کہ صدقہ اگرہم اپنے شوہروں پر کریں اورہماری گودمیں جو یتیم بچے پرورش پارہے ہیں ان پر اگرخرچ کریں؛ توکافی ہے یا نہیں؟ اور نبی کریم (ﷺ) کو یہ مت بتلائیو کہ ہم کون ہیں۔ حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (ﷺ) کے پاس گئے اوران کامسئلہ پوچھا تو نبی کریم (ﷺ) نے پوچھاکہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) نے بتلادیاکہ ایک انصاری عورت ہے اورایک زینب ہیں، توحضوراکرم (ﷺ) نے پوچھاکہ کون سی زینب ہے؟ کہا کہ حضرت ابن مسعود کی اہلیہ۔ پھر نبی کریم (ﷺ) نے جواب میں فرمایا کہ ان کو بتلادو کہ ان کودوہرااورڈبل ثواب ملے گا، ایک توصلہ رحمی کااورساتھ ہی ساتھ صدقہ کاثواب بھی ملے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

افادات:(۱)نبی کریم (ﷺ) کے گھریلو امور حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) انجام دیا کرتے تھے، خاص کر جو مال آتا جاتا تھا اس کا حساب وکتاب حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس ہی رہا کرتا تھا، جو مہمان آتے تھے ان کی ذمہ داری بھی انہی کے سر تھی،اور وہی انتظام کرتے تھے،کبھی پیسے نہ ہوتے تو وہی کہیں سے قرض لے آتے تھے،بعدمیں جب نبی کریم (ﷺ) کے پاس مال آتا تھا تو ادا کر دیا کرتے تھے۔

(۲)اللہ تعالیٰ کے واسطہ جو مال خرچ کیاجائے اس کو صدقہ کہتے ہیں ، اب اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے؛تو وہ صدقاتِ واجبہ میں شمار ہو گا۔ اور اگر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضروری قرار نہیں دیاگیاہے،لیکن آدمی اپنے طور پر اللہ کے لیے مال نکال رہاہے؛تو وہ صدقاتِ نافلہ میں شمار ہوگا۔صدقہ کا مطلب ہی ہوتاہے وہ مال جو اللہ کے واسطہ نکالا جائے،اوراللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیےکسی کو دیا جائے یعنی اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرناہو۔اس کے علاوہ ایک ہدیہ ہوتاہے،اس میں جس کو دیاجاتاہے اس کوخوش کرنامقصود ہوا کرتا ہے، اس میں بھی ثواب ملتاہے،لیکن ایک الگ حیثیت سے ملاکرتاہے،اورساتھ ہی ساتھ ہدیہ میں آپس میں محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔

بہرحال! عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہدیہ ایک الگ چیز ہےاور صدقہ الگ چیز ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اور صدقہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک واجب اور دوسرا نفل۔واجب تو انہی لوگوں کو دیا جا سکتا ہے جو محتاج ہوں، جن کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔اس کے برخلاف نفل صدقہ کے لیے کوئی قید نہیں ہے وہ کسی کو بھی آپ دے سکتے ہیں، مسلمان ہو یا غیر مسلم، امیر ہو یا غریب،البتہ اگر امیر کو دیں گے تو صدقہ نہیں بلکہ ہدیہ کہلائے گا،چاہے آپ دل میں صدقہ کی نیت کریں تب بھی وہ ہدیہ ہی کہلائے گا۔کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔

(۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ اپنی اولاد اور شوہر کو بھی دے سکتے ہیں۔

زکوٰۃ اصل زیور ہی میں ہے

تو نبی کریم (ﷺ) نے عورتوں کو تاکید فرمائی کہ اے عورتوں کی جماعت! اللہ کے واسطہ مال کو خرچ کرو،چاہے اپنے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو۔یعنی کوئی مال نہیں ہے تو زیور ہی کو اللہ کے واسطہ خرچ کرو۔چوں کہ عورتیں زیور کے معاملہ بہت زیادہ بخل سے کام لیتی ہیں، یہاں تک کہ زیور کی جو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کی ادائیگی کے لیے بھی اگر پیسے نہ ہوں تو زکوٰۃ ادا نہیں کریں گی،اور اس میں تاخیر کریں گی۔حالانکہ زکوٰۃ جو فرض ہوتی ہے وہ اصل اسی مال میں فرض ہوتی ہے جس پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے مثلاً زیور ہے تو مان لیجئے کہ اگر کسی کے پاس دس تولہ زیور ہے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر واجب ہو گا،تو وہ اس زیور ہی میں واجب ہوتا ہے،اب ہم جو پیسے دیتے ہیں تو وہ اس کے بدلہ میں ہو جاتا ہے،اور اس سے بھی زکوٰۃ ادا تو ہو جاتی ہے،ورنہ اصل زکوٰۃ جو واجب ہوئی وہ تو اسی زیور کا چالیسواں حصہ واجب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہوا ہے، اسی کو نکالنا چاہیے، لیکن اگر کوئی آدمی اس زیور کا چالیسواں حصہ نکالنے کے بجائے اس چالیسویں حصہ کی قیمت ادا کردے؛ تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ عام طور پر عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ ہمارے پاس زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ معاف ہوجاتی ہے، بلکہ ایسی صورت میں جس زیور میں زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس زیور ہی کا چالیسواں حصہ نکالا جائے اور اسی کو زکوٰۃ کے طور پر دیدیا جائے، اس میں تاخیر نہ کی جائے۔

بنیادی تعلیمات میں سے صلہ رحمی بھی ہے

حدیث ۳۲۷

وعن أبي سفيان صَخْرِ بْنِ حَرْبٍ (رضی اللہ عنہ) فِيْ حَدِيْثِهِ الطَّوِيْلِ فِيْ قِصَّةِ هِرَقْلَ، أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لِأَبِيْ سُفْيَانَ: فَمَاذَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ؟ يَعْنِي النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم)، قَالَ قُلْتُ يَقُوْلُ: أُعْبُدُوا اللهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئاً، وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ آبَاءُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ۔

ترجمہ: حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) سے ایک لمبی روایت منقول ہے جس میں ہرقل والا پورا واقعہ موجود ہے، اس میں ہرقل نے ابوسفیان سے سوال کیا کہ یہ نبی جو تمہارے درمیان آئے ہیں وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے اس کو جواب دیا کہ وہ ہمیں جن چیزوں کا حکم دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کسی اور کی پوجا مت کرو، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور تمہارے آباء واجداد اور پرانے لوگ جو شرکیہ باتیں کہا کرتے تھے ان سب کو چھوڑ دو۔ اور یہ نبی ہم کو نماز کا، سچائی کا، پاکدامنی کا، اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: یہ روایت پہلے بھی کئی موقعوں پر آچکی ہے۔نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب دنیا کے مختلف حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے، تو قیصرِروم جس کا نام ہرقل تھا اس کو بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نامۂ مبارکہ روانہ کیا، حضرت دحیہ کلبیؓ وہ خط لے کر گئے تھے،اوربُصریٰ جوشام کے علاقہ میں ایک جگہ ہے وہاں کاحاکم اس ہرقل کے ماتحت تھااس کے حوالہ کیا اور اس نے وہ خط ہرقل تک پہنچایا۔ہرقل نے بیت المقدس کی زیارت کی منت مانی تھی اوراس منت کوپوراکرنے کے لیے اس زمانہ میں ہرقل شام ہی آیا ہوا تھا،اس کووہ خط وہیں پہنچایا گیا اوراس کوبتلایا گیاکہ یہ خط عرب سے ایک شخص نے آپ کے نام بھیجا ہے اوروہ شخص اپنے آپ کواللہ کابھیجاہوا نبی کہتے ہیں۔توہرقل نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کاوہ نامۂ مبارک کھول کرپڑھنے سے پہلے مناسب سمجھاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تحقیق کرلی جائے کہ جنھوں نے یہ خط میرے پاس بھیجاہے وہ کون ہیں؟وہ خود بھی کتبِ سابقہ کابڑاعالم تھا،اس زمانہ میں نصاریٰ میں دوبڑے عالم تھے ایک تویہ خودہرقل اوردوسرا ضَغَاطِرْنامی آدمی تھاجواُن کامذہبی پیشوا(لاٹ پادری)تھا۔اس لیے اس نےپوچھاکہ جہاں سے یہ خط آیاہے اس علاقہ کے کچھ لوگ یہاں ہیں؟اس زمانہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قریش کے ساتھ صلح ہوچکی تھی اور قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام پہنچا ہوا تھا اوراس قافلہ کے سردار ابوسفیان تھے جواس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے،بلکہ اس وقت قریشِ مکہ کے سرغنہ یہی تھے۔چنانچہ بتلایاگیاکہ ایک تجارتی قافلہ آیا ہوا ہے، تو ہرقل نے دربار قائم کیااوران قافلہ والوں کوبلایااوراپنے سامنے ان سب کوبٹھایا اور پوچھاکہ تمہارے قافلہ میں ان خط بھیجنے والی شخصیت

کا نسبی اور خاندانی اعتبار سے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں۔ چنانچہ ان کو سب سے آگے بٹھایا اور باقی سب کو ان کے پیچھے بٹھایا اور ان سے کہا کہ میں ان سے کچھ سوالات کرتا ہوں، اگر یہ درست جواب دیں تب تو ٹھیک ہے، اور اگر کوئی غلط جواب دیں تو تم لوگ بتلا دینا اور پھر اس نے کچھ سوالات کیئے، ان میں ایک سوال یہ بھی کیا تھا ﴿فَمَاذَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ؟﴾ یہ نبی جو تم میں آئے ہیں، تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کون سے کام کرنے کی تاکید کرتے ہیں؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے اس کو جواب دیا کہ وہ ہمیں جن چیزوں کا حکم دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے علاوہ کسی اور کی پوجا مت کرو اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور تمہارے آباء واجداد اور پرانے لوگ جو شرکیہ باتیں کہا کرتے تھے ان سب کو چھوڑ دو۔ اور یہ نبی ہم کو نماز کا، سچائی کا، پاک دامنی کا، اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتے ہیں۔

بس! یہاں اس روایت کو اسی لیے پیش کیا ہے کہ دیکھو! نبی کریم (ﷺ) کی بنیادی تعلیمات جن کو تمام اہلِ عرب جانتے تھے، اور وہ لوگ جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے ان کو بھی جب پوچھا گیا تو ابوسفیان نے نبی کریم (ﷺ) کی تعلیمات کی اہم اور بنیادی چیزیں ہرقل کے سامنے پیش کیں، ان میں رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا بھی تذکرہ کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کی تعلیمات میں یہ چیز بڑی اہمیت رکھتی تھی اور یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو وہ لوگ بھی سمجھتے تھے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اس لیے اس چیز کا خاص اہتمام ہونا چاہیے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مصر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

حدیث ۳۲۸

وعن أبي ذر (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم): إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ أَرْضاً يُذْكَرُ فِيهَا الْقِيرَاطُ۔

وفی رواية: سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمّٰى فِيهَا الْقِيرَاطُ، فَاسْتَوْصُوا بِأَهْلِهَا خَيْراً، فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِماً۔

وفی رواية: فَإِذَا افْتَتَحْتُمُوهَا، فَأَحْسِنُوا إِلَى أَهْلِهَا، فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِماً أو قال: ذِمَّةً وَصِهْراً (رواہ مسلم)

قال العلماء: الرَّحِمُ الَّتِي لَهُمْ كَوْنُ هَاجَرَ أُمِّ إِسْمَاعِيلَ (علیہ السلام) مِنْهُمْ۔ ((وَالصِّهْرُ)): كَوْنُ مَارِيَةَ أُمِّ إِبْرَاهِيمَ بْنِ رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) مِنْهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ تم ایک سرزمین اور ملک فتح کروگے جہاں قیراط کا سکہ چلتا ہے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب تم اس ملک کو فتح کرو تو وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ اس لیے کہ وہاں کے رہنے والے ذمی بن کر تمہارے ماتحت رہیں گے، اوران کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے۔ علماء نے فرمایا کہ قریش کی یہ رشتہ داری حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ کی وجہ سے تھی کہ وہ اصلاً مصر کی رہنے والی تھیں۔ اور سسرالی رشتہ داری اس طرح تھی کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہ کا تعلق مصر سے تھا۔

افادات: دس قیراط کا ایک درہم ہوا کرتا ہے اس روایت میں جس ملک کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ملک ِ مصر ہے، جس وقت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت مصر فتح نہیں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہوا تھا، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے دورِ خلافت میں وہ فتح ہوا اور اس کو فتح کرنے والے لشکر کے سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) تھے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے ہی سے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ جس ملک میں قیراط کا سکہ چلتا ہے، اس ملک کو تم لوگ فتح کروگے، اور ساتھ ہی آپ نے یہ ہدایت وتاکید بھی فرمائی تھی کہ اس ملک کے رہنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی تھی کہ جب تم اس ملک کو فتح کروگے تو وہاں کے رہنے والے ذمی بن کر تمہارے ماتحت رہیں گے۔

اسلام میں ذمی کے حقوق کی رعایت

جو لوگ اسلام قبول کرلیں ان کے لیے تو وہی احکام ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور ان کو جان ومال وغیرہ کی وہ ساری سہولتیں اور فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو دیئے جاتے ہیں، لیکن ذمی کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ملک میں جو غیر مسلم آباد ہیں، وہ لوگ جب اسلامی حکومت کو تسلیم کرلیں اور وہیں رہائش منظور کرلیں تو ان کو کچھ خراج اور ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے، اور اس خراج کی ادائیگی کے بدلہ میں ان کو بھی جان اور مال کی حفاظت کی وہی گارنٹی دی جاتی ہے جو ایک مسلمان کے لیے ہوا کرتی ہے، بلکہ ان کے لیے مزید سہولت یہ ہے کہ اگر کبھی دشمن کی طرف سے کوئی حملہ ہو، یا دشمن سے مقابلہ کی نوبت آئے تو ہر مسلمان کا فرض ہوتا ہے کہ اگر حاکم کی طرف سے کہا جائے یا جہاد کا عام اعلان ہو تو وہ مقابلہ کے لیے باہر نکلے، لیکن غیر مسلم رعایا پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور مذہبی پوری پوری

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آزادی بھی ان کو حاصل ہوتی ہے یعنی اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے اپنے مذہب پر پوری آزادی سے عمل کرسکتے ہیں۔

مصر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ

بہر حال!ان کے ساتھ اچھاسلوک کرنے کی ایک وجہ تو یہ بتلائی کہ جب وہ اسلامی حکومت میں داخل ہوں گے توعقدِ ذمہ(یعنی ان کے ساتھ جومعاہدہ ہوگا اس) کی وجہ سے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔اور حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسری وجہ یہ بھی بیان فرمائی کہ ان کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے۔وہ رشتہ داری کون سی ہے ؟یہ عرب والے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہیں،قریش ان ہی سے نسبی تعلق رکھتے ہیں،حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی والدہ حضرت ہاجرہ مصر کی تھیں، اس لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ ان کے ساتھ تمہاری رشتہ داری بھی ہے۔یہاں بتلاناہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کتنی دور کی رشتہ داری کالحاظ فرمایا،اس لیے کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی کئی پیڑھیوں اورنسلوں کے بعد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کازمانہ آتا ہے، لیکن اس رشتہ داری کے لحاظ کی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تاکید فرمائی اوراسی کی بنیادپراس ملک کے رہنے والے تمام لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رشتہ داری کے کتنے حقوق ہیں۔اورجتنی قریبی رشتہ داری ہوگی اتنے زیادہ حقوق عائدہوں گے اوراس کااتناہی لحاظ بھی کیاجائے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک اورروایت میں یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ سسرالی رشتہ بھی ہے یعنی نبیٔ کریم (ﷺ) کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ (رضی اللہ عنہا) تھیں جن سے نبی کریم (ﷺ) کے صاحبزادے حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے تھے وہ بھی مصر ہی کی رہنے والی تھیں، تواس سسرالی رشتہ کا بھی لحاظ کیا گیا۔

اپنے رشتہ داروں کو ڈرایئے

حدیث ۳۲۹

وعن أبي هريرة (رضی اللہ عنہ) قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) قُرَيْشًا، فَاجْتَمَعُوْا، فَعَمَّ وَخَصَّ۔ وَقَالَ: يَابَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ يَابَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُوَيٍّ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَابَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَابَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَابَنِيْ هَاشِمٍ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَابَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوْا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَافَاطِمَةُ! أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا، سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جب قرآنِ پاک کی یہ آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی، کہ آپ اپنے قریبی خاندان والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایئے، تو نبی کریم (ﷺ) نے تمام قبیلۂ قریش کو بلایا جب سب جمع ہوگئے تو آپ (ﷺ) نے عمومی اور خصوصی انداز میں خطاب فرمایا، کہ اے بنوعبد شمس اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنوکعب بن لوئی! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنومرہ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنوعبد مناف! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنوہاشم! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ اے بنوعبدالمطلب! اپنے آپ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔اے فاطمہ!اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ۔ میں تمہارے لیے کسی چیز کامالک نہیں ہوں، البتہ تمہاری میرے ساتھ رشتہ داری ہے،اس کو میں تر کرتا رہوں گا۔

افادات: بنوعبد مناف نبی کریم (ﷺ) کے والد صاحب کے پر دادااورہاشم کے والد ہوتے ہیں۔اورآپ (ﷺ) اوپر سے شروع فرماکرنیچے تک آئے، یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی کو بھی خصوصی خطاب فرمایا۔اورنبی کریم (ﷺ) نے اپنے والد صاحب کا تذکرہ اس لیے نہیں کیاکہ حضرت عبداللہ کی اولادمیں صرف آپ (ﷺ) تھے۔لیکن داداکی اولاد میں دوسرے چچااوران کی اولاد تھیں،اس لیے ا ن کانام لیااور اس کے بعداپنی صاحبزادی کا نام لیا۔ یہاں نبی کریم (ﷺ) نے تمام خاندان والوں کوالگ الگ خطاب فرمایا۔بتلانا یہی چاہتے ہیں کہ دیکھئے!اللہ تعالیٰ نے اپنے اہلِ خاندان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا تھا،اس حکم کوپوراکرنے کے لیے آپ (ﷺ) نے تمام کوالگ الگ خطاب فرمایا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ اوپر جوں جوں آدمی کے نسب کا سلسلہ بڑھتا ہے، توں توں ان کے حقوق اس پر عائدہوتے ہیں، پھر قریب والے کاحق اداکرنے کے بعد اس کے بعد والے کا، اور پھراس کے بعدوالے کا حق آتاہے،اس لیے ان تمام کا خیال رکھا جائے۔

پھر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا)اوردوسرے لوگوں کوخطاب کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچاؤ،یعنی اگرتم اعمالِ صالحہ کااہتمام کروگے اور گناہوں سے اپنے آپ کوبچاؤگے تب ہی جہنم کی آگ سے بچ سکوگے،میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی اس معاملہ میں میراکوئی اختیارنہیں ہے۔ویسے نبی کریم (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اہلِ ایمان کے حق میں سفارش کی اجازت دی جائے گی، لیکن اگر کوئی آدمی ایمان نہیں لائے گا تو اس کے حق میں شفاعت کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔

پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہاں! البتہ تمہاری میرے ساتھ رشتہ داری ہے، مطلب یہ ہے کہ تم ایمان لے آؤ، اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے چھڑا لو، اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا، اس کے باوجود چوں کہ تمہارے ساتھ میری رشتہ داری رہے گی، اس کے حقوق کی ادائیگی کا میں خیال کروں گا، اور اس کو تر کرتا رہوں گا یعنی تراوٹ اور نمی پہنچاتا رہوں گا، مطلب یہ ہے کہ تمہاری رشتہ داری کی حیثیت سے جو حقوق میرے اوپر عائد ہوتے ہیں ان کو تو یقیناً دنیا کے اندر میں ادا کروں گا، لیکن اگر ایمان قبول نہیں کیا اور اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے نہیں بچایا تو پھر مجھے آخرت میں تمہارے لیے کسی چیز کا اختیار نہیں ہوگا۔

رشتہ داری کے حق کی ادائیگی میں کفر مانع نہیں

حدیث ٣٣٠

وعن أبي عبد الله عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) قال: سمعت رسولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) جِهَاراً غَيْرَ سِرٍّ يَقُوْلُ: إِنَّ آلَ بَنِيْ فُلانٍ لَيْسُوْا بِأَوْلِيَآئِيْ، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَلٰكِنْ لَّهُمْ رَحِماً أَبُلُّهَا بِبِلالِهَا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت عمروبن عاص (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ کھل کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشادفرمایا یعنی یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ آل بنوفلان میرے دوست اور ساتھی نہیں ہیں،میرے ساتھی تو اللہ تعالیٰ اورنیک ایمان والے ہیں، لیکن ان کے ساتھ میری رشتہ داری ہے،میں اس کونمی پہنچاتا رہوں گا۔

افادات:"آل بنوفلان"کہہ کرآپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ساتھ جن کی رشتہ داریاں تھیں ان میں سے کسی کاتذکرہ کیا۔بعض شرّاح فرماتے ہیں کہ آپ نے ابوطالب کا تذکرہ کیا تھا۔ پھرآپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ فلاں خاندان والے اگرچہ ایمان نہیں لائے لیکن ان کے ساتھ میری رشتہ داری ہے،اوران کے حقوق کواداکرنے کامیں اہتمام کروں گا اوراس رشتہ کا خیال رکھوں گا،اس کونمی پہنچاتارہوں گا۔اس سے معلوم ہواکہ رشتہ داری کی وجہ سے آدمی پرجو حق آتاہے اس کی ادائیگی میں کفربھی مانع نہیں ہے۔

جنت اور جہنم والے اعمال

حدیث ۳۳۱

وعن أبي أيوب خالدبن زيدالأنصارى أَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ۔فَقَالَ النَّبِيُّ (صلی اللہ علیہ وسلم): تَعْبُدُ اللهَ وَلا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً،وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ،وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ۔(متفق عليه)

ترجمہ:حضرت خالدبن زید انصاری (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!مجھے کوئی ایسا عمل بتلادیجئے جومجھے جنت میں داخل کرادے اور جہنم سے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دور کردے،اس کے جواب میں نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔

اس صدقہ پر دوہرا اجر وثواب ہے

حدیث ۳۳۲

وعن سلمان بن عامر (رضی اللہ عنہ) عن النَّبِيِّ (ﷺ) قَالَ: إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَآءُ، فَإِنَّهُ طَهُوْرٌ، وَقَالَ: اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَعَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی روزہ افطار کرے تو کھجور سے افطار کرے، اس لیے کہ اس میں برکت ہے۔ اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کرے،اس لیے کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔پھر نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ کسی غریب پر صدقہ کرنے میں تو صرف صدقہ کا ثواب ہے اور کسی رشتہ دار پر صدقہ کرنے میں (صدقہ اور صلہ رحمی کا) دوہرا ثواب ہے۔

افادات: بتلانا یہ چاہتے ہیں اگر آدمی صدقہ کرنا چاہتا ہو تو پہلے اس کو دیکھ لینا چاہیے کہ اگر اس کے رشتہ داروں میں کوئی ایسا ہے جو اس صدقہ کا اہل ہے تو پہلے اسی پر صدقہ کرے۔ پہلے بھی حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہا) کی روایت گذر چکی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک باندی آزاد کی، تو حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ آزاد کرنے کے بجائے تم اپنے ماموؤں کو دے دیتیں،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو تم کو زیادہ ثواب ملتا، حالانکہ آزاد کرنے کا بڑا اجرو ثواب ہے لیکن چوں کہ وہاں ان کے ماموؤں کو ضرورت تھی اس لیے نبی کریم (ﷺ) نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بیٹے سے اس کی بیوی کو طلاق دینے کا کہہ سکتا ہے؟

حدیث ۳۳۳

وعن ابن عمر (رضی اللہ عنہ) قَالَ: كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ وَكُنْتُ أُحِبُّهَا وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُهَا، فَقَالَ لِي: طَلِّقْهَا، فَأَبَيْتُ، فَأَتَى عُمَرُ (رضی اللہ عنہ) النَّبِيَّ (ﷺ)، فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ (ﷺ): طَلِّقْهَا۔ (رواه أبوداود والترمذی وقال: حديث حسن صحيح)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی، میں اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا لیکن حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) پسند نہیں فرماتے تھے کہ وہ عورت میرے نکاح میں رہے، اس لیے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو طلاق دیدوں، لیکنمیں نے انکار کیا تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اورآپ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، تو حضور (ﷺ) نے فرمایا: اس کو طلاق دے دو۔

افادات: ظاہر ہے کہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جیسے آدمی طلاق کا حکم دے رہے ہیں تو بلاوجہ تو نہیں کہتے ہوں گے۔ شرّاح نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا اپنی بیوی کے ساتھ زیادہ تعلق ہونے کی وجہ سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) یہ محسوس کرتے تھے کہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے ان کو کوئی دینی ضرر پہنچے۔ اسی حدیث کی وجہ سے حضرت گنگوہی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تو علی الاطلاق لکھا ہے کہ اگر والدین کسی بیٹے سے اس کی بیوی کو طلاق دینے کے لیے کہیں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تواس کوطلاق دے دینی چاہیے یعنی اگر دین کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو اور والدین طلاق دینے کا کہیں تو طلاق دیدے۔ لیکن دوسرے حضرات لکھتے ہیں کہ اگر والدین کا یہ مطالبہ بے جا ہے اور ناانصافی سے وہ ایسا حکم دیتے ہیں، تواس حکم کو ماننا ضروری نہیں ہے۔

زیادتیاں دونوں طرف سے ہوتی ہیں

اس سلسلہ میں حضرت تھانوی (نوراللہ مرقدہٗ) کاایک رسالہ ’’تعدیلِ حقوقِ والدین‘‘ کے نام سے بہشتی زیور کے ضمیمہ کے طور پر نویں حصہ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ چوں کہ ہمارے معاشرہ میں زیادتیاں دونوں طرف سے ہوتی ہیں، کہیں تو صاحبزادے کو بیوی کے ساتھ اتنی محبت ہوتی ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، اور کہیں ماں باپ کے ساتھ اتنا زیادہ تعلق ہوتا ہے کہ بیوی کی حق تلفی ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامت (نوراللہ مرقدہٗ) نے اس رسالہ میں یہ ثابت کیاہے کہ دونوں کو اعتدال کا خیال رکھنا چاہیے اورخاص کر والدین اگر پڑھے لکھے اور شریعت کے احکام سے واقف ہوں تو ان کو تو اعتدال کا بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

بہر حال! یہاں تو طلاق کا مطالبہ کرنے والے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) تھے اور ظاہر ہے کہ وہ تو شریعت کے احکام سے واقف تھے اور جن کی رائے کے موافق وحی نازل ہوا کرتی تھی۔ پندرہ مواقع ایسے ہیں جن میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی رائے کے موافق وحی نازل ہوئی ہے، اس لیے وہ کوئی ایسی نامناسب بات نہیں کہیں گے۔ لہٰذا والدین اگر شرعی احکام سے واقف ہیں اور وہ حکم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دے رہے ہیں تو پھر یقیناً اس پر عمل کرنا چاہیے۔اور اگر وہ احکامِ شرع سے واقف نہیں ہیں اور وہ ایسا حکم دے رہے ہیں تو پھر اس صورت میں اہلِ علم سے مشورہ کرلیا جائے۔

جنت کا سب سے عمدہ دروازہ

حدیث ۳۳۴

وعن أبي الدرداء (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَجُلاً أَتَاهُ فَقَالَ:إِنَّ لِيَ امْرَأَةً وَإِنَّ أُمِّيْ تَأْمُرُنِيْ بِطَلاقِهَا،فَقَالَ:سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُوْلُ:اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ،فَإِنْ شِئْتَ، فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ، أَوِ احْفَظْهُ۔(رواہ الترمذی وقال:حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ)

ترجمہ: ایک آدمی حضرت ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی ہے اور میری والدہ حکم دیتی ہے کہ تم اس کو طلاق دیدو؛تو میں کیا کروں؟ حضرت ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ والد جنت کا سب اونچا اور عمدہ دروازہ ہے، اب اگر تو چاہے تو اس کو باقی رکھ،اور اگر تو چاہے تو اس کو ضائع کر دے۔

افادات: والد یعنی جس سے پیدا ہوا ہے،ماں اور باپ دونوں کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔اور ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ان کے حکم پر عمل کرتے ہوئے تو اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خالہ بھی ماں کے درجہ میں ہے

حدیث ۳۳۵

وعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ (رضی اللہ عنہ) عَنِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔

افادات: یعنی جس طرح ماں کی خدمت کرنی چاہیے اسی طرح خالہ کی بھی خدمت کرنی چاہیے، اور ماں کی عدمِ موجودگی میں خالہ کو ہی حضانت یعنی پرورش کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ ارشاد نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک خاص موقع پر فرمایا تھا۔

شانِ ورود

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) عمرۃ القضاء کے لیے ۷ھ میں تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ وہاں سے واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا ہیں ان کی صاحبزادی جو تقریباً چار سال کی تھی، دوڑتی ہوئی چچا چچا کہتی ہوئی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے ہولی تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اُس کو اُٹھا کر حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے حوالہ کر دیا کہ اس کو سنبھالو۔ پھر جب مدینہ منورہ پہنچے تو اس بچی کی پرورش کے سلسلہ میں تین آدمیوں میں اختلاف ہوا، ایک حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تھے، دوسرے ان کے بھائی حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) اور تیسرے زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ)۔ ان تینوں میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے ہرایک اس بات کا دعویدار تھا کہ اس بچی کی پرورش کا حق ہمیں ملنا چاہیے اور ہم ہی اسے اپنے پاس رکھیں گے، اور ہم ہی اس کی پرورش کریں گے۔ یہ تینوں اپنا معاملہ لے کر حضور(ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبی کریم (ﷺ) نے فیصلہ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) کے حق میں یہ فرماتے ہوئے کردیا کہ ان کے نکاح میں حضرت اسماء بنت عمیس (رضی اللہ عنہا) ہیں جو اس بچی کی خالہ ہیں اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔ حضور(ﷺ) نے یہ جملہ اسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔

(بخاری شریف، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضائ۔ رقم ۴۲۵۱۔ ۲/۶۱۰۔ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، ۲/۴۶۵)

بہر حال! یہاں تو اس روایت کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ خالہ کے ساتھ بھی آدمی کو وہی معاملہ کرنا چاہیے جو اپنی والدہ کے ساتھ کرتا ہے، خاص طور پر والدہ کی عدمِ موجودگی میں تو ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنے سے وہی سارا ثواب ملے گا جو والدہ کے ساتھ کرنے کی صورت میں ملتا تھا۔

صلہ رحمی کا حکم شروع ہی سے دیا جاتا تھا

حدیث ٣٣٦

وعن عمرو بن عبسة (رضی اللہ عنہ) فی حدیثه الطویل قال فیه: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ (ﷺ) بِمَكَّةَ يَعْنِيْ فِيْ أَوَّلِ النُّبُوَّةِ فَقُلْتُ لَهُ: مَا أَنْتَ؟ قَالَ: نَبِيٌّ۔ فَقُلْتُ: وَمَا نَبِيٌّ؟ قَالَ: أَرْسَلَنِي اللهُ تَعَالٰى، فَقُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: أَرْسَلَنِيْ بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ، وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ، وَأَنْ يُوَحَّدَ اللهُ لَا يُشْرَكُ بِهِ شَيْءٌ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ (رضی اللہ عنہ) سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں میں نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوا، میں نے نبی کریم (ﷺ) سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ میں نبی ہوں۔میں نے پوچھا کہ نبی کس کو کہتے ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طرف (اپنا پیغام پہنچانے کے واسطے) بھیجا ہے، (اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے واسطے بھیجے اس کو نبی کہتے ہیں۔) پھر میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم دے کر بھیجا ہے؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے صلہ رحمی اور بتوں کو توڑنے کا حکم اور یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

افادات: یہ اُس وقت کا قصہ ہے جب نماز فرض نہیں ہوئی تھی، روزہ اور دوسری چیزیں تو بعد میں ہی فرض ہوئی ہیں، اُس وقت تو صرف توحید کا حکم دیا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانو اور نبی کریم (ﷺ) کو اللہ کا رسول مانو، اُس موقع پر بھی جن چیزوں کا حکم دیا جاتا تھا ان میں سے یہ ہے کہ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے۔ اس سے صلہ رحمی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ یہ اسلام کی کتنی بنیادی اور اہم تعلیمات میں سے ہے جس کا شروع ہی سے حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امت کو اس کی اہمیت سمجھ کر اس کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنے کی توفیق وسعادت عطا فرمائے۔ آمین

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تَحْرِيْمُ عُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ

والدین کی نافرمانی
اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنے کی حرمت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ ۱۵/ مئی ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَآتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ، أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ (محمد)

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ۔ (الرعد)

وَقَضٰى رَبُّكَ أَنْ لاَّ تَعْبُدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (الاسراء)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ماقبل سے ربط

علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے پچھلا باب ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری اور صلہ رحمی کے سلسلہ میں قائم کیا تھا اور یہ باب قائم کررہے ہیں: ماں باپ کی نافرمانی، ان کو ایذاء و تکلیف پہنچانا اور رشتہ داری کے حقوق کوادانہ کرنا جس کو قطع رحمی کہتے ہیں؛ یہ حرام ہے۔اس لیے کہ جب ان کے حقوق ادانہیں کئے جائیں گے تو تعلقات، رشتہ داری اور قرابت باقی نہیں رہے گی، بلکہ ٹوٹ جائے گی۔تو قطع رحمی کا مطلب ہوا رشتہ داری کو توڑنا۔اوروہ حقوق کوادا نہ کرنے کی وجہ سے پیداہوتی ہے،اس لیے اس باب میں اس کا حرام ہونا بیان کریں گے۔ پچھلے باب میں ماں باپ کی فرمانبرداری اوررشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا ضروری ہونا بتلایا تھا اور اس باب میں ماں باپ کی نافرمانی کا اور رشتہ داری کے حقوق کوادانہ کرنے کا حرام ہونا بتلارہے ہیں۔

اس باب کے شروع میں جو آیتیں پیش کی ہیں تقریباً سب وہی ہیں جو پچھلے باب میں آئی تھیں اوروہاں اس کی تفصیل بتلاچکاہوں اس لیے ان کو چھوڑکر آگے جو روایتیں پیش فرماتے ہیں ان کوشروع کرتاہوں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہر گناہ بڑا ہے

حدیث ۳۳۶

وعَنْ أَبِي بَكْرَةَ نُفَيْعِ بْنِ الْحَارِثِ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) : أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟-ثَلَاثاً- قُلْنَا: بَلَى يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ۔ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ۔

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ میں تم کو نہ بتلاؤں؟ تین مرتبہ یہ سوال کیا، تو حضراتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ! ضرور بتلایئے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ (آگے کہی جانے والی بات کی اہمیت بتلانے کے لیے) سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا: جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی دینا۔ یہ بات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بار بار ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش! حضور خاموش ہو جائیں۔

افادات: جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کا ارتکاب کرنے کا نام معصیت ہے، اور اسی کو ہم اردو زبان میں گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ویسے گناہ کے سلسلہ میں علماء نے ایک بحث یہ کی ہے کہ کیا گناہوں میں تقسیم ہے، بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ؟ تو بعض حضرات تو اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جس کو ہم گناہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ تمام بڑے گناہ ہی ہیں یعنی چھوٹے اور بڑے کی کوئی تقسیم نہیں ہے، اور وہ حضرات اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ دراصل یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم جس ذات کی نافرمانی کر رہے ہیں وہ ذات کتنی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عظمت وکبریائی اوربڑائی والی ہے،کوئی شخصیت بہت بڑے مقام وعہدے اوربڑے منصب پرفائزہو،توچاہے اس نے چھوٹی سی بات ہی کہی ہولیکن کوئی آدمی اگراس کی بات کونہ مانے اوراس کی خلاف ورزی کرے،تو اس کا یہ جرم وقصوربڑاگناہ شمارہوتاہے۔تویہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنااور اس کے حکم کو توڑنا، چاہے وہ کیساہی حکم ہو،گناہ ہے۔اس میں کوئی تقسیم نہیں ہے، اس کا ہر جرم اپنی جگہ پربہت بڑی کوتاہی قراردیاجائے گا۔

صغیرہ وکبیرہ اور ان کا حکم

لیکن قرآنِ پاک میں جواحکامات،اورحدیثِ پاک میں نبی کریم (ﷺ) کے جو ارشادات ہیں ان کوسامنے رکھ کر محققین علماء نے گناہوں کودوحصوں میں تقسیم کیاہے، بڑے گناہ جن کو کبیرہ کہتے ہیں اورچھوٹے گناہ جن کوصغیرہ کہتے ہیں۔لہٰذاوہ گناہ جن پر قرآنِ پاک میں یا احادیثِ مبارکہ میں کوئی وعید آئی ہے اورجس پرسخت سزاسنائی گئی ہےایسے تمام گناہوں کو انہوں نے کبیرہ بتلایااورجن گناہوں پر سخت وعیدنہیں سنائی گئی ہےیعنی ان کی ممانعت توہے لیکن ان پر سخت وعیدنہیں آئی ہے؛ایسے گناہوں کوصغیرہ کہاگیا ہے۔

اور پھر دونوں کاحکم بھی بتلایاہے کہ صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ تووہ ہیں کہ ان سے اگر آدمی نے مستقل توبہ نہیں کی تب بھی آدمی جونیک کام کرتاہے ان کی وجہ سے چھوٹے گناہ آپ ہی آپ معاف ہوجاتے ہیں،مثلاً آدمی نمازکے واسطے وضو کرتاہے توحدیث میں آتا ہے کہ وضوکرنے کی وجہ سے اس کے وہ گناہ جوآنکھوں نے کئے،اورجوکان سے ہوئے،جومنھ سے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سرزد ہوئے، ہاتھ پاؤں سے سرزد ہوئے؛ وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث میں وضو کی وجہ سے جن گناہوں کے معاف ہونے کو بتلایا گیا ہے اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ اسی طرح آدمی نماز کے لیے اپنے گھر سے چلتا ہے تو حدیثِ پاک میں آتا ہے اس کے ہر قدم پر اس کا ایک گناہ معاف ہوتا ہے، ایک نیکی لکھی جاتی ہے، ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ یہاں بھی جو گناہ معاف ہوا؛ وہ چھوٹا ہوا۔

ایک مثال

یوں سمجھئے کہ آپ کا کوئی ملازم کوئی چھوٹا موٹا معمولی قصور کر لے تو اس کی وجہ سے آپ کو ناگواری تو ہوتی ہے لیکن وہی ملازم جب آپ کی فرمانبرداری میں بہت مستعدی دکھائے اور کوئی ایسا کام کر لے جو آپ کو خوش کر دے، تو اس معمولی قصور کی وجہ سے آپ کو جو ناگواری ہوئی تھی وہ دور ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس نے کوئی بڑا قصور کیا ہے تو صرف آپ کے کام میں مستعدی دکھلانے سے اور آپ کی خدمت کرنے سے اس بڑے قصور کو معاف نہیں کریں گے، بلکہ وہ تو آپ کی نگاہوں میں باقی رہے گا، ہاں! جب اس بڑے قصور سے صاف صاف لفظوں میں باقاعدہ معافی مانگے گا تب ہی آپ اس کو معاف کریں گے۔ ایسے ہی چھوٹے گناہ نیکیوں اور مختلف عبادات کو انجام دینے کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں، لیکن بڑے گناہ جب تک باقاعدہ ان سے توبہ نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی معافی نہ مانگے؛ وہاں تک وہ معاف نہیں ہوں گے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہر مسلمان کو یہ بھی معلوم کرلینا چاہیے

اوربڑے گناہ کون کون سے ہیں اس کے بارے میں علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، علامہ ابن حجر ہیثمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک کتاب اَلزَّوَاجِرُ عَنِ اقْتِرَافِ الْکَبَائِرِ ہے۔اس میں انہوں نے تمام بڑے بڑے گناہ گنوائے ہیں اوراس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں جو وعیدیں آئی ہیں وہ بھی شمار کرائی ہیں۔اردو میں اس موضوع پر ابھی تازہ ہی ایک رسالہ حضرت مولاناعاشق الٰہی صاحب بلند شہری(دامت برکاتہم) کا آیا ہے،جومدینہ منورہ میں مقیم ہیں،اس میں انہوں بڑے گناہ کون سے ہیں وہ جمع فرمائے ہیں۔بہرحال!ایک مسلمان کومسلمان ہونے کے ناطہ یہ بھی معلوم کرلیناچاہیے کہ کون کون سے گناہ بڑے ہیں اور کون کون سے گناہ چھوٹے ہیں۔اس کامطلب یہ نہیں ہے کہ چھوٹے گناہ کرے،لیکن جب بڑے گناہ معلوم ہوجائیں گے تو ان سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرے گا۔ویسے تو ہر مسلمان کواپنے آپ کوہر گناہ سے بچانا ہے، چھوٹاہو یا بڑا ہو،لیکن بڑے گناہ توایسے ہیں کہ اگروہ ہوجاویں توفوراً اس سے توبہ کرنے کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے معافی مانگنے کا اہتمام کرناچاہیے،اس لیے کہ توبہ کے بغیروہ معاف نہیں ہوتے۔

سب سے بڑے دو گناہ

بات یہاں سے چلی تھی کہ حضرت ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت آئی تھی،وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں بھی جوسب سے بڑے گناہ ہیں؛ وہ میں تم کونہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بتلاؤں ؟نبی کریم (ﷺ) نے تین مرتبہ یہ سوال کیا،توحضرات ِ صحابہ (رضی اللہ عنہ)نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ!ضروربتلایئے۔نبی کریم (ﷺ) نے ارشادفرمایاکہ ایک تواللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشریک ٹھہرانا،چاہے اللہ کی ذات میں ،یااس کی صفات میں،یااس کی عبادت میں ؛یاکسی بھی چیزمیں اگراللہ تعالیٰ کاشریک ٹھہرائے گاتویہ ایسا بڑا گناہ ہے کہ جب تک اس سے توبہ نہ کرے اورایمان قبول نہ کرے؛وہاں تک معاف نہیں ہوتا۔

دیکھو!پچھلے باب میں ایک روایت گذری کہ نبی کریم (ﷺ) سے پوچھاگیاتھاکہ اعمال میں سب سے پسندیدہ عمل کون ساہے۔تونبی کریم (ﷺ) نے فرمایاکہ اپنے وقت پر نماز کو ادا کرنا اوروالدین کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا۔اوراس روایت میں گناہوں میں سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں وہ بتلائے ہیں،اس میں ایک تواللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کوشریک ٹھہرانا ہے۔اور شرک ایک ایساگناہ ہے کہ آدمی جب تک توبہ نہ کرےاور شرک کوچھوڑکرتوحیداختیار نہ کرےاورایمان نہ لاوے وہاں تک وہ گناہ معاف نہیں ہوتا ﴿إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَالِكَ لِمَن يَّشَآءُ﴾شرک کرنے والا کبھی بھی جنت میں نہیں جائے گا،بلکہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔اور شرک کرنے کی وجہ سے ایمان ختم ہوجاتاہے،اس پرتمام کا اتفاق ہے لیکن اس کے علاوہ باقی جتنے بھی بڑے گناہ ہیں ان کی وجہ سے ایمان ختم نہیں ہوتا اگراس نے توبہ کرلی تووہ معاف ہوجائیں گے اور اگرتوبہ نہیں کی تواللہ تعالیٰ اگرچاہے تومعاف کردے اور بغیر سزادیے ہی جنت میں بھیج دے،اوراگراللہ تعالیٰ چاہے توان گناہوں کی سزادے،اور

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس سزا کو بھگتنے کے بعد جنت میں بھیجے، چوں کہ ایمان ہے تو جنت میں جائے گا لیکن شرک کے ساتھ ایمان باقی نہیں رہتا۔

تو بڑے گناہوں میں ایک گناہ شرک ہے اور دوسرا بڑا گناہ بتلایا ہے ﴿وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ﴾ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ دیکھو! وہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو پہلے نمبر پر رکھا تھا اور ماں باپ کی اطاعت وفرمانبرداری کو دوسرے نمبر پر رکھا تھا۔ اور یہاں گناہوں میں شرک کو نمبر اول پر رکھا اور دوسرے نمبر پر ماں باپ کی نافرمانی کو رکھا یعنی کوئی ایسا کام کرنا جس کی وجہ سے ماں باپ کو تکلیف ہو۔

ہاں! اگر ماں باپ کسی ایسی چیز کا حکم کریں جس سے شریعت نے منع کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی اجازت نہیں دی، یعنی گناہ کے کام کا اگر وہ حکم کریں تو اس کو پورا کرنے کا وہ پابند نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بھی بتلایا جاچکا ہے کہ اس صورت میں ان کی بات مانی نہیں جائے گی، بلکہ اگر ان کی بات مانے گا تو گنہگار ہوگا، اس لیے ماں باپ کو بھی چاہیے کہ وہ ایسی چیز کا اپنی اولاد کو حکم نہ دیں، اور اگر انہوں نے ناواقفیت کی وجہ سے ایسا حکم دیا تو اولاد کو چاہیے کہ اس پر عمل نہ کرے۔

ایک اور سب سے بڑا گناہ

حضرت ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جس وقت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلی دو باتیں ارشاد فرمائیں اس وقت آپ تکیہ سے سہارا لگا کر اور ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آگے کہی جانے والی بات کی اہمیت بتلانے کے لیے سیدھے بیٹھ گئے،اور فرمایا ﴿أَلا وَقَوْلُ الزُّوْرِوَشَهَادَةُالزُّوْرِ﴾اور بڑے گناہوں میں جو سب سے بڑے گناہ ہیں ان میں جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی دینا بھی ہے۔آپ (ﷺ)نے اس گناہ سے خاص طور پر تنبیہ کرنے کے لیے اس کو ایسے اندازسے بتلایا کہ آپ سہارالگاکر بیٹھے تھے اس کو چھوڑ کر آپ سیدھے بیٹھ گئے۔راوی کہتے ہیں کہ یہ بات آپ (ﷺ) باربارارشاد فرماتے رہے،یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش!حضورخاموش ہوجائیں،یعنی نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ صحابہ کوجو محبت اور تعلق تھااس کے پیشِ نظران کے دل میں یہ خیال آنے لگاکہ ہمیں اس بات کی اہمیت کو بتلانے کے واسطے آپ (ﷺ) اتنی تکلیف کیوں اٹھا رہے ہیں، ہم تواس کی اہمیت سمجھ گئے ہیں،اب آپ خاموش ہوجائیں تواچھاہے۔

بتلانایہ ہے کہ تیسرے گناہ کی اہمیت کوبتلانے کے لیے ایک توآپ (ﷺ) ٹیک چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اوردوسرے یہ کہ بارباراس جملہ کوآپ (ﷺ)دہراتے رہے جس سے معلوم ہوتاہے کہ یہ گناہ کتناخطرناک ہے۔بہرحال!اس روایت کواس باب میں لاکریہ بتلانا چاہتے ہیں کہ والدین کی نافرمانی بڑے گناہوں میں سے ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

چار بڑے گناہ

حدیث ۳۳۷

وعن عبداللہ بن عمرو بن العاص(رضی اللہ عنہ) عنِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: أَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہوں میں سے ایک یہ ہے اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، دوسرا بڑا گناہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا، تیسرا بڑا گناہ کسی کو ناحق قتل کرنا، اور چوتھا بڑا گناہ جھوٹی قسم کھانا۔

افادات: علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) خود یمینِ غموس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ سے متعلق جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا اس کا نام یمینِ غموس ہے۔ اور اس کو غموس اس لیے کہتے ہیں وہ آدمی کو گناہ کے اندر ڈبا دیتی ہے، کسی بات پر جھوٹی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوب جاتا ہے۔

قسم کھانے کے متعلق تفصیل

جھوٹی قسم کا تعلق گذشتہ زمانہ ہی سے ہوتا ہے، اگر کوئی آدمی آئندہ کے متعلق قسم کھائے تو اس میں تو یہ ہوتا ہے کہ وہ قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کام کروں گا، یا فلاں کام نہیں کروں گا، لہٰذا اس میں تو جھوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں! آئندہ جا کر کرنے کے کام

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی قسم کھائی تھی اور موت تک نہیں کرے گا تو قسم ٹوٹے گی اور حانث ہو گا۔ اور اگر نہ کرنے قسم کھائی تھی اور وہ کام کرلیا تو قسم ٹوٹے گی، لیکن گذشتہ کسی کام کے متعلق اس سے کوئی بات پوچھی گئی مثلاً اس سے پوچھا گیا کہ فلاں کے پیسے تم نے لیے ہیں؟ اب اس نے لیے ہیں اس کے باوجود قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے نہیں لیے؛ تو جان بوجھ کر گذشتہ زمانہ سے متعلق جھوٹی قسم کھائی؛ اسی کا نام یمینِ غموس ہے۔

یمینِ لغو

ایک تو یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ کے کام متعلق قسم کھائے اور اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہوئے کھائے، مثلاً کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ بات کہی؟ اور اس بات کو ایک زمانہ گذر چکا ہے اور آپ نے وہ بات کہی تھی لیکن آپ کو یاد نہیں رہا کہ میں نے کہی تھی، اور آپ نے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر یہ کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے نہیں کہی۔ تو جس وقت آپ یہ قسم کھا رہے ہیں اس وقت آپ خود کو سچا سمجھ رہے ہیں یعنی آپ کو یہی یاد ہے کہ میں نے یہ بات نہیں کہی ہے، اور قسم کھالی، پھر بعد میں خیال آیا کہ میں نے تو یہ بات کہی تھی؛ تو ایسی قسم کو عربی زبان میں یمینِ لغو کہتے ہیں، اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا اور یہ کبیرہ گناہ بھی نہیں ہے، بس! ذرا سی کوتاہی ہوئی، اس لیے استغفار کرلینا چاہیے۔

لیکن دوسری بات یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ کے کسی کام سے متعلق جان بوجھ کر اپنے آپ کو غلط سمجھتے ہوئے قسم کھائے، یعنی اس کو یاد ہے کہ میں نے یہ بات کہی ہے لیکن قسم کھا کر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کہتاہے کہ میں نے نہیں کہی؛تو یہ قسم یمینِ غموس کہلائے گی،اور یہ کبیرہ گناہ ہے،اوراس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آدمی سے بہت زیادہ ناراض ہوتے ہیں۔

اس روایت میں کل چارچیزیں کبیرہ گناہ میں شمار کرائی ہیں،ان میں والدین کی نافرمانی بھی ہے،اس لیے اس روایت کواس باب میں لائے ہیں۔

والدین کو گالی دینابڑاگناہ ہے

حدیث ۳۳۸

وعنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ)قَالَ:مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ. قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللهِ!وَهَلْ يَشْتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟قَالَ:نَعَمْ؛ يَسُبُّ أَبَاالرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ،وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ۔(متفق عليه)

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروبن عاص (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا : آدمی کااپنے ماں باپ کو گالی دیناکبیرہ گناہ ہے۔حضراتِ صحابہ نے سوال کیاکہ اے اللہ کے رسول!کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ حضور(ﷺ) نے فرمایاکہ جی ہاں ! ایک آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دے،اس کے جواب میں اُس نے اِس کے باپ کو گالی دی۔یہی حال ماں کا بھی ہے کہ اِس نے اُس کی ماں کانام لے کر گالی دی تو جواب میں اُس نے اِس کی ماں کا نام لے کر گالی دی۔

افادات:وہ زمانہ توحضراتِ صحابہ کا تھاان میں سے کسی کے تصورمیں بھی یہ نہیں آسکتاتھاکہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی بھی دے سکتا ہے آج ہمارے زمانہ میں یہ بات کوئی تعجب خیز نہیں ہے،آج کل توماں باپ کو منھ درمنھ گالی دینے والے بیسیوں موجودہیں،لیکن

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اُس زمانہ میں اس چیز کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، اس لیے حضراتِ صحابہ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی آدمی اپنے والدین کو گالی دے؟ تو حضور (ﷺ) نے اُس زمانہ کے اعتبار سے اس کی جو شکل ہوسکتی تھی وہ بتلائی۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ جی ہاں! ایک آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دے، اس کے جواب میں اُس نے اِس کے باپ کو گالی دی، اس طرح گویا اپنے باپ پر گالی پڑنے کا ذریعہ یہی بنا، یہ اگر اُس کے باپ کو گالی نہ دیتا تو جواب میں وہ بھی اِس کے باپ کو گالی نہ دیتا۔ تو اپنے باپ پر گالی پڑنے کا سبب یہی بنا، اس لیے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے ہی اپنے باپ کو گالی دی۔ یہی حال ماں کا بھی ہے کہ اِس نے اُس کی ماں کا نام لے کر گالی دی تو جواب میں اُس نے اِس کی ماں کا نام لے کر گالی دی۔ نبی کریم (ﷺ) فرماتے ہیں کہ یہ ہے اس کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا۔ یعنی براہِ راست (direct) گالی دینا تو ان حضرات کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، اور یہ (in direct) گالی دینا ہے۔ باقی حضور (ﷺ) یہ بھی جواب دے سکتے تھے کہ اگرچہ یہ چیز ابھی آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی لیکن ایک زمانہ آئے گا کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے ماں باپ کو (direct) گالی دیں گے، لیکن اس وقت کے ماحول کی وجہ سے یہ جواب بھی ان کے لیے بڑا قابلِ تعجب ہوتا، لیکن اس شکل سے تو بات بالکل صاف ہوگئی۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی آدمی گناہ کا ذریعہ بنے تو وہ خود بھی گنہگار بنتا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

معاشرہ میں رائج ایک کبیرہ گناہ

بہر حال! اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدمی کو چاہیے کہ کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی نہ دے، ورنہ وہ جب جواب میں گالی دے گا تو گویا یہ اپنے ماں باپ کے لیے گالی پڑنے کا ذریعہ بنا اور یہ اس کے لیے کبیرہ گناہ ہے۔ یہ سوچنے کی چیز ہے کہ جیسے (direct) ماں باپ کو گالی دیتا تو وہ کبیرہ گناہ تھا، اسی طرح اگر ماں باپ پر گالی پڑنے کا ذریعہ بنا تو یہ بھی اس کے حق میں کبیرہ گناہ ہو جائے گا، اور جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے وہاں تک یہ گناہ معاف نہیں ہو گا۔ آج کل لوگ اس چیز میں بہت زیادہ مبتلا ہیں، اور اگر کوئی کہے کہ تو نے ایسا کہا تو اس نے تیرے ماں باپ کو گالی دی، تو یہ کہتا ہے کہ میں نے تھوڑے ہی دی، اس نے دی تو وہ گنہگار ہے، لیکن اس کے گالی دینے کا ذریعہ تو تو بنا، اس لیے تو بھی گنہگار ہوا، اس کو اس کے فعل کا گناہ ہو گا لیکن یوں سمجھا جائے گا کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا قصور اسی نے کیا، اور یہ بھی کبیرہ گناہ ہے، اور اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی طرف لوگوں کا دھیان نہیں جاتا، ہاں! اس کو برا تو سمجھتے ہیں لیکن کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ بھی کبیرہ گناہ ہے۔ لہٰذا اس سے خاص بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا

حدیث ۳۳۹

وعن أَبِي مُحَمَّدٍ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَسُولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ کوئی قطع رحمی کرنے والا اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہ کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

افادات: یہاں دیکھو کہ مطلقاً منع کر دیا گیا کہ ایسا آدمی جنت میں نہیں جائے گا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سزا بھگتنے کے بعد بھی جنت میں نہیں جائے گا؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ جب اس نے اس گناہ کی سزا بھگت لی تو اب وہ قطع رحمی کرنے والا نہیں رہا، جب اس کا گناہ صاف ہو گیا تو اب گویا وہ اس لائق بن گیا کہ جنت میں جا سکتا ہے، لیکن جب تک کہ قطع رحمی کرنے والا جرم اور گناہ اس کے سر پر باقی ہے وہاں تک تو وہ جنت میں نہیں جا سکتا، اب یا تو توبہ کر کے اس گناہ کو دھلوا لے، یا اللہ تعالیٰ سزا دے کر اور جہنم کی بھٹی میں ڈال کر اس کا گناہ صاف کر دیں تو پھر وہ اس لائق ہو جائے گا کہ جنت میں جائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ماں کے بارے میں خصوصی تاکید

حدیث ۳۴۰

وعن أبي عيسى الْمُغِيْرَةِبْنِ شُعْبَةَ (رضی اللہ عنہ) عَنِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ:إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ،وَمَنْعاًوَّهَاتِ،وَوَأْدَالْبَنَاتِ،وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ،وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ،وَإِضَاعَةَ الْمَالِ۔(متفق عليه)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤوں کی نافرمانی کوتم پر حرام کیاہے۔اورلوگوں کے حقوق کو ادانہ کرنے سے،اور بلاحق کے مطالبہ کرنے سے اورلڑکیوں کوزندہ درگورکرنے سے بھی منع کیا ہے۔اوراللہ تعالیٰ نے قیل وقال،اورکثرت سے سوال کرنے اورمال ضائع کرنے کوتمہارے لیے ناپسندیدہ قراردیا ہے۔

افادات: یہ حدیثِ قدسی ہے۔”ماؤوں کی نافرمانی کوحرام کیاہے“کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باپ کی نافرمانی حرام نہیں ہے،بلکہ دراصل بات یہ ہے کہ عام طور پر اولاد باپ کے مقابلہ میں ماں کی نافرمانی پرجرأت جلدی کرتی ہے،باپ سے تو ڈنڈے کی پٹائی کاڈر رہتاہے،اس لیے اولاداس کی نافرمانی پراتنی جرأت نہیں کرتی، جتنی وہ ماں کی نافرمانی کی جرأت کرڈالتی ہے،اس لیے ماں کی نافرمانی کوخاص طورپر بیان کیاگیاکہ ماؤوں کی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیاہے۔اس سے یہ بتلاناچاہتے ہیں کہ ماں کے معاملہ میں ذرہ برابربھی کوتاہی سے کام نہ لیاجائے،اورچوں کہ ماں عورت ذات ہے جو کمزور صنف ہے،اور اس میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

شفقت بھی زیادہ ہوتی ہے،اس وجہ سے بہت سی مرتبہ آدمی اس کی بات کو جلدی سے عمل میں نہیں لاتا اوراس طرح وہ اس کی نافرمانی کا مرتکب ہو جاتا ہے

اولاد کو کسی کام کے لیے کس طرح کہیں؟

اسی لیے علماء نے یہاں تک لکھاہے کہ ماں باپ اگر کوئی کام اولاد سے کروانا چاہیں تو صاف صاف یوں نہ کہیں کہ بیٹا!فلاں کام کرو،اس لیے کہ اگر وہ ناجائز کام نہیں ہے،تو وہ کام کرنا بیٹے کے لیے واجب اور ضروری ہوجاتاہے،اوراگر نہیں کرے گا تو ماں باپ کا نافرمان بنے گااور کبیرہ گناہ کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔اس لیے علماء نے لکھاہے کہ ماں باپ کو اس طرح کہنا چاہیے کہ بیٹا!فلاں کام کرو تو مناسب ہے، یعنی صاف لفظوں میں حکم دے کر نہ کہیں کہ یوں کرو،اس لیے کہ صاف لفظوں میں کہا اور بیٹے نے نہیں کیا تو وہ کبیرہ گناہ کرنے والا بنا۔اورجب ماں باپ جانتے ہیں کہ بیٹے کا مزاج اس قسم کا ہے تو ان کو چاہیے کہ بیٹے کو کبیرہ گناہ سے بچانے کے لیے صاف صاف لفظوں میں کہنے کے بجائے اس طرح کہیں کہ بیٹا!یوں کرو تو اچھا ہے،اگر ایسا کروگے تو جی خوش ہوجائے گا۔اب اگر اس نے نہیں کیا تو ماں باپ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے جو کبیرہ گناہ ہوتا تھا وہ تو نہیں ہوگا۔اس لیے ماں باپ کو بھی دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ کام ایسا ہے جو ضروری نہیں ہے تو حکم دینے والا انداز اختیار نہ کریں،بلکہ ترغیب والا انداز اختیار کرنا چاہیے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہ چیزیں بھی حرام ہیں

اوردوسری چیز جس کواللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قراردیاہے وہ لوگوں کے حقوق کو ادا نہ کرنااورروک لیناہے،یعنی کسی کاکوئی حق جانی یامالی تم پرہے اوروہ تم کوادا کرنا چاہیے لیکن اس کوادانہیں کرتے؛تویہ بھی حرام ہے۔

اوراپناکوئی حق دوسرے پرنہیں ہے اس کے باوجود اس کامطالبہ کرنا؛یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قراردیاہے۔

"وَوَأْدَالْبَنَاتِ"اورلڑکیوں کوزندہ درگورکرنابھی حرام قراردیاہے۔زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کوزندہ دفن کردیاکرتے تھے،نبی کریم (ﷺ) فرماتے ہیں کہ اس کوبھی اللہ تعالیٰ نے حرام قراردیاہے۔اس کاتفصیلی بیان پہلے ایک باب میں گذرچکاہے۔

فضول بحث میں پڑنابھی ناجائز ہے

﴿وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ﴾اوراللہ تعالیٰ نے قیل اور قال کوتمہارے لیے ناپسندیدہ اور ناجائز قراردیاہے۔مطلب یہ ہے کہ چندآدمیوں کاکسی جگہ بیٹھ کرفضول بحثیں کرناکہ فلاں نے یوں کہا،آج کل ایسی باتیں چل رہی ہیں،جس کوہم گجراتی میں (પાર કી પંચાત) کہتے ہیں،حضور(ﷺ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کوناجائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس میں اپناوقت فضول ضائع کرناہے۔زندگی اللہ تعالیٰ نے اس لیے نہیں دی ہے کہ آدمی اپنے وقت کوبے کارچیزوں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

میں ضائع کرے۔ حضور(ﷺ) کا ارشاد ہے ﴿مِنْ حُسْنِ اِسْلامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالَایَعْنِیْهِ﴾ (مجمع الزوائد للہیثمی ۸/۱۸ بحوالہ احمد و طبرانی۔ مسند احمد ۱/۲۰۱) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور بے کار چیزوں کو چھوڑدے۔ لایعنی کا مطلب ہے ایسی چیز جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہو اور نہ دنیا کا؛ ایسی چیزوں کو چھوڑ دے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ فضول بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اس میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا نام لے کر بات کہی جاتی ہے اس کو تو قال سے تعبیر کیا، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات کرنے والے کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ یوں ہی کہا جاتا ہے کہ ایسی باتیں ہورہی ہیں، اور خود اس کو بھی اس بات کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہوتا اس کو قیل سے تعبیر کیا ہے۔

اور حدیث ِپاک میں آتا ہے ﴿کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِباً أَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ﴾ (مقدمۂ مسلم۔ رقم ۵) آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ جو سنے وہ لوگوں کے سامنے بیان کردے۔ بس جو کچھ کان میں پڑ گیا وہ دوسروں کے سامنے اُگل دیا کہ ایسا سنا ہے، اب اگر اس سے پوچھو کہ کس نے کہا؟ تو کہتا ہے کہ سنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اگر نام لوں گا تو لوگ کہیں گے کہ کہتا تو دیوانہ ہے ہی، سنتا بھی دیوانہ؟ یعنی ایسے آدمی کی بات پر بھروسہ کرلیا۔ اور اپنا مقام گرنہ جاوے اس لیے وہ اس کا نام تو لے گا ہی نہیں، بس یہ کہے گا کہ سنا ہے، حالانکہ خود بھی اس بات کو جھوٹ سمجھ رہا ہے۔ تو جس چیز کو آدمی خود جھوٹا سمجھ رہا ہے وہ کیوں دوسروں کے سامنے بیان کرے اس لیے حضور(ﷺ) فرماتے ہیں کہ جتنی چیزیں سنے اس کا دوسروں کے سامنے بیان کردینا خود اس آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بہت زیادہ سوال کرنا حرام ہے

﴿وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ﴾ اور کثرت سے سوال کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے بہت زیادہ سوال کرنے کا مطلب کیا ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لوگوں کے حالات کے متعلق بہت زیادہ کھود کرید کرنا جیسے کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے اندرونی حالات معلوم کرنے کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ فلاں نے کیا کیا اور ابھی کیا کر رہا ہے، حالانکہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ اپنے کام میں لگے رہیں، لوگوں کے حالات کی ٹوہ میں لگا رہنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

یا کثرۃ السوال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جو ابھی تک پیش نہیں آئی ہے لیکن فرضی سوال قائم کرکے پوچھنا۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ کوئی معاملہ آپ کو پیش آیا اور آپ کسی عالم یا مفتی سے دریافت کریں کہ ایسا معاملہ مجھے پیش آیا ہے اس لیے اس سلسلہ میں پوچھنا چاہتا ہوں؛ تب تو ٹھیک ہے۔ لیکن بعضوں کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ کوئی بات پیش نہیں آئی، صرف ذہن میں ایک چیز گھڑ کر پوچھتا ہے، بعض مرتبہ تو اس کا مقصد سامنے والے کا امتحان لینا ہوتا ہے۔ ارے بھائی! مفتی صاحب اور مولوی صاحب کا امتحان لینے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ ان کے اساتذہ نے ان کا امتحان لے لیا ہے، اور وہ کس درجہ کے ہیں وہ درجہ بھی ان کو دیدیا ہے، اب آپ کو تو یہ کام نہیں سونپا گیا ہے کہ ان کا امتحان لیں۔ اس لیے یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ فرضی سوالات کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بلکہ علماء نے لکھاہے کہ نبی کریم (ﷺ) جب تک ہمارے درمیان موجود تھے اس وقت اگر کوئی ایسا سوال کرتا تو اس کی ممانعت تھی،اس لیے کہ حدیث ِپاک میں آتا ہے کہ بہت برا ہے وہ آدمی جو کسی ایسی چیز کا سوال کرے جو پیش نہیں آئی اور اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز حرام قرار دے دی۔لیکن یہ اس وقت تھا جب نبیٔ کریم (ﷺ) دنیا میں تشریف فرماتھے،اب تو آپ دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں اور جتنی چیزیں حلال ہونی تھیں وہ حلال ہو چکیں اور جو حرام ہونی تھی وہ حرام ہو چکیں،اب اس میں کوئی فرق آنے والا نہیں ہے۔

مال کو ضائع کرنا ناجائز ہے

﴿وَإِضَاعَةَ الْمَالِ﴾ اور مال کو ضائع کرنا یعنی جہاں پر مال خرچ کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی وہاں خرچ کرنا،یا جتنا خرچ کرنے کی اجازت دی ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا؛یہ دونوں ناجائز ہے۔مال کو بے جا استعمال کرنا اور بلا ضرورت خرچ کرنا،شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ہاں!نیکی کے کاموں میں آدمی زیادہ سے زیادہ خرچ کرے تو وہاں اسراف نہیں ہوگا،اس لیے کہ نیکی کے کام میں تو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا واقعہ

آج ایک جگہ نکاح میں جانا ہوا،وہاں بات ہوئی تو میں نے ایک قصہ عرض کیا تھا، موقع کی مناسبت سے یہاں بھی وہ قصہ عرض کردوں: ایک آدمی نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حاضر ہوااوراپنی کوئی ضرورت پیش کی، حضور(ﷺ) کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ کوئی آدمی اپنی حاجت لے کر آتاتو آپ کبھی منع نہیں فرماتے تھے،اس کی حاجت پوری فرمادیتے تھے،لیکن اگراس وقت اس کی حاجت پوری کرنے کے لیے کوئی چیز آپ کے پاس موجود نہیں ہوتی تودو شکلیں ہوتی تھیں یاتوآپ وعدہ فرمالیتے تھے کہ دوسرے وقت آنا،یااپنے صحابہ میں سے جو صاحبِ حیثیت ہوتے تھے ان کے پاس بھیج دیتے تھے کہ فلاں کے پاس جاکرمیرانام لے لینا،اوروہ اس کی حاجت پوری فرمادیتے تھے۔

توایک آدمی نبی کریم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوااوراپنی حاجت پیش کی تو حضور(ﷺ) نے اس کوحضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج دیا۔یہ بڑے مالدار صحابی تھے اور خلفاء راشدین میں تیسرے نمبرپرہیں اور حضور(ﷺ) کے داماد بھی ہوتے ہیں،ان کالقب ذوالنورین ہے،اس لیے کہ نبی کریم (ﷺ) کی دوصاحبزادیاں یکے بعددیگرے ان کے نکاح میں تھیں ، پہلے حضرت ام کلثوم کانکاح ان کے ساتھ ہواتھا،ان کے انتقال کے بعدحضرت رقیہ کانکاح ہوا، جب حضرت رقیہ کا انتقال ہواتونبی کریم (ﷺ) نے فرمایاکہ اگر میری اوربیٹی ہوتی تومیں ان کے نکاح میں دیتا۔

خیر!یہ آدمی ان کے پاس گئے،رات کاوقت تھاجب ان کے دروازہ پرپہنچے تواس سے پہلے کہ ان کا دروازہ کھٹکھٹائیں، ان کے کان میں آوازپڑی کہ حضرت عثمان اپنی اہلیہ کوجو حضورِاکرم (ﷺ) کی صاحبزادی ہیں زورسے کچھ کہہ رہے ہیں،تویہ ٹھہرگئے۔جب ان کے کان میں آوازآئی تومعلوم ہواکہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی اہلیہ محترمہ نے چراغ کی لَوذراتیزکردی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تھی جس کی وجہ سے تیل زیادہ جلتا ہے،تو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ان کو ڈانٹ رہے تھے کہ چراغ کی بتّی ضرورت سے زیادہ اونچی کیوں رکھی؟اس سے معلوم ہوا کہ روشنی بھی اتنی ہی استعمال کرنی چاہیے جتنی ضرورت ہو، بلاضرورت زیادہ استعمال کرنا اضاعتِ مال میں شامل ہے۔خیر! حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) اپنی اہلیہ کو اس پر تنبیہ کررہے تھے کہ چراغ کی بتّی زیادہ اونچی کیوں رکھی؟ جب اس آدمی کے کان میں یہ آواز پہنچی تو سوچنے لگا کہ آدمی اپنی بیوی کے لیے تو سب کچھ قربان کرتا ہے،اور یہ تو اپنی بیوی کو اور وہ بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی کو صرف اتنی سی بات پر ڈانٹ رہے ہیں، بھلا وہ مجھے کیا دیں گے۔اس آدمی نے اپنے طور پر یہ سوچ لیا اور حضور کے بھیجے ہوئے ہونے کے باوجود بھی اپنی بات حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) سے نہیں کہی اور واپس ہوگیا۔دوسرے دن جب نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے پوچھا کہ کیا ہوا؟تمہاری ضرورت پوری ہوئی یا نہیں ؟اس نے کہا کہ نہیں ۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا کہ کیا منع کیا؟تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ضرورت ان کے سامنے رکھی ہی نہیں ۔فرمایا کہ کیوں نہیں رکھی؟ تو اس نے پوری بات بتلائی کہ ایسا ایسا ہوا۔حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ایسا مت سوچو، بلکہ جاؤ اور ان سے کہو۔جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوبارہ تاکید فرمائی تو یہ گیا اور جب اپنی حاجت پیش کی تو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے امید سے بھی زیادہ دیا۔بعد میں اس نے کہا کہ میں رات کو بھی آپ کے پاس آیا تھا لیکن میں نے سنا کہ آپ اپنی اہلیہ کو چراغ کی بتّی تیز رکھنے پر ڈانٹ رہے تھے،تو میں نے ایسا ایسا سوچا اور واپس چلا گیا۔حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ تم نے سمجھا ہی نہیں،ہم تو اللہ اور اس کے رسول کی منشاء کے مطابق مال خرچ کرتے ہیں، جہاں وہ کہیں وہاں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہیں اور جہاں وہ منع کردیں تو وہاں ایک پائی بھی خرچ کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ۔

حضراتِ صحابہ اور ہمارے نظریہ میں فرق

حضراتِ صحابہ کا یہی مزاج تھا کہ جہاں اللہ اور رسول نے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی وہاں خرچ کرنا، یا جتنی اجازت دی اس سے زیادہ خرچ کرنا اضاعتِ مال سمجھتے تھے اور جہاں خرچ کرنے کے لیے کہا ہے وہاں کتنا ہی خرچ کرڈالو وہ اضاعتِ مال نہیں سمجھتے تھے اور ہمارے یہاں معاملہ اُلٹا ہو گیا ہے، اگر کسی نے شادی میں دولاکھ خرچ کرڈالے تو اس کو کوئی اضاعتِ مال نہیں کہتا، لیکن اگر کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی نیکی کے کام میں پچاس ہزار دیدیئے تو لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو! یہ تو لٹانے کے لیے بیٹھا ہے۔ ہمارا مزاج ایسا بن گیا ہے۔ حالانکہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے کہ سات دانے بوئے گئے اور ہر دانہ کے سات خوشے اور ہر خوشے کے اندر سو دانے ہوں گے گویا ایک کے سات سو دانے ملیں گے اور پھر وہاں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ ایک کا سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ جتنا اللہ تعالیٰ دینا چاہے گا دے گا، اب وہاں خرچ کرنے کو ہم فضول سمجھیں۔ اور جہاں خرچ کرنے سے منع کیا گیا ہے، وعید اور دھمکی دی گئی ہے؛ وہاں ہم خرچ کرڈالتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بہرحال! یہ وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ناجائز قرار دیا ہے، اس لیے ہمیں بھی ان چیزوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں توفیق وسعادت عطا فرمائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فَضْلُ بِرِّ أَصْدِقَآءِ الْأَبِ وَالْأُمِّ وَالْأَقَارِبِ وَالزَّوْجَةِ

والدین، رشتہ دار اور بیوی کے تعلق والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۶/ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ ۲۲/ مئی ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد!

ماقبل سے ربط

ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اوررشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کابیان چل رہا تھا،اس کے بعدوالے باب میں ماں باپ کی نافرمانی اوررشتہ داروں کے حقوق کونہ ادا کرنے پر کیاوعیدہے اس کوبیان کیاتھا۔ آج ماں باپ اوررشتہ داروں کے حقوق کے تتمہ اورتکملہ کے طورپرہی ایک اورچیزبتلارہے ہیں کہ بعض مرتبہ ایساہوتاہے کہ آدمی ماں باپ کی زندگی میں ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتاہے،جب ان کاانتقال ہوجاتاہے تب اس کو یہ احساس ہوتاہے کہ میری طرف سے ماں باپ یارشتہ داروں کے حقوق کے معاملہ میں کوتاہی ہوئی ہے،اور اس کاجی چاہتاہے کہ جوکوتاہی اوران کی نافرمانیاں ہوئیں اوران کے حق جیسے اداہونے چاہئیں مجھ سے ادانہیں ہوپائے؛اس کی تلافی کی کیاشکل ہوگی۔ یااگر اس کی طرف

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے ایسی کوئی نوبت نہیں بھی آئی تب بھی ان کے ساتھ مزید اطاعت وسلوک کا ایک حصہ یہ بھی ہے جس کو اس باب میں بیان کرتے ہیں۔

باب کا عنوان ہے:﴿فَضْلُ بِرِّ أَصْدِقَآءِ الْأَبِ وَ الْأُمِّ وَالْأَقَارِبِ وَالزَّوْجَةِ وَسَائِرِمَن يَّنْدُبُ اِكْرَامُهُ﴾ ماں باپ، رشتہ دار،بیوی اور جن جن لوگوں کا اکرام اس کے لیے ضروری ہے جیسے اساتذہ یا شیوخ یا خاندان کے بڑے؛ان کے دوستوں اور پہچان والوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کا معاملہ کرنا۔

سب سے بڑی نیکی یہ ہے

حدیث ٣٤١

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ:اِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَن يَّصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيهِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر(رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے محبت والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

افادات: یعنی باپ کے ملنے والے،ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے،ان کے دوست واحباب کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا،ان کا اکرام کرنا،ان کی خدمت کرنا اور ان کو ہدیہ وغیرہ دینا، موقع بموقع ان کو دعوت دے کر اپنے گھر بلانا،مطلب یہ ہے کہ ان کو خوش رکھنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے وہ اختیار کرنا بھی بہت بڑی نیکی ہے، اور باپ کے حقوق کی ادائیگی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔عربی کے ایک شاعر کا شعر ہے:

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

مجنوں قیس جو لیلیٰ کا عاشق سمجھا جاتا ہے اس کی زبانی یہ شعر کہا گیا ہے کہ میں لیلیٰ کے شہر کے اس علاقہ سے جب گذرتا ہوں تو کبھی اِس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اُس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں، اوران دیواروں کے ساتھ میری محبت نہیں ہے، لیکن جو ذات اس آبادی میں آباد ہے یعنی لیلیٰ اس میں رہتی ہے اس لیے میں ان دیواروں کو بھی بوسہ دیتا ہوں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ آدمی کو جب کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اس کے تعلق والوں کے ساتھ بھی وہ محبت کا برتاؤ کرتا ہے۔

دوست کا دوست

اور ہمارے معاشرہ میں ایک جملہ بولا بھی جاتا ہے کہ دوست کا دوست بھی دوست ہی ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح ماں باپ کے دوست واحباب اوران کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں کے ساتھ ان کی زندگی میں بھی اوران کی وفات کے بعد بھی آدمی کو بھلائی کا سلوک کرنا چاہیے یہی ان کے حقوق کی ادائیگی ہے، اگران کی زندگی میں ایسا معاملہ کروگے اور ان کو معلوم ہوگا کہ ہمارے دوستوں کے ساتھ بھی ہمارا بیٹا محبت کا معاملہ کرتا ہے تو ان کا جی خوش ہوگا کہ اس کو ان کے ساتھ براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ہمارے ملنے والے ہونے کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ یہ معاملہ کررہا ہے۔ اور میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ اگر آپ کی نسبت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے کسی آدمی نے کسی کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا اور آپ کو پتہ چلا کہ میری وجہ سے اس نے بھلائی کا سلوک کیا ہے تو آپ کے دل میں اس کی کتنی وقعت بڑھ جائے گی،اور یہی چیز محبت کو بڑھانے والی اور حقوق کی ادائیگی میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے،اس لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے۔

اسی سے ترقی ہوتی ہے

بزرگوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ اساتذہ اور ان کی اولاد اور ان کے خاندان والوں اسی طریقہ سے باپ کے دوست وغیرہ سب کا نہایت ہی اکرام محض اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ ان کو اپنے بڑوں کے ساتھ تعلق تھا۔ایک بہت بڑے محدث تھے،ایک مرتبہ وہ حدیثِ پاک کا درس دے رہے تھے،دورانِ درس وہ کھڑے ہوگئے،پھر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر کھڑے ہوگئے،پھر بیٹھ گئے،دوچار مرتبہ ایسا ہی کیا۔تو کسی نے بعد میں ان سے پوچھا کہ آج درس کے دوران آپ نے عجیب و غریب معاملہ کیا کہ کھڑے ہوئے،پھر بیٹھے اور اس طرح دوچار مرتبہ کیا،کیا بات تھی؟تو انہوں نے بتلایا کہ میں جہاں بیٹھ کر درس دے رہا تھا وہاں سامنے کچھ بچے کھیل رہے تھے، ان میں میرے استاذ کا بھی ایک بچہ تھا،جب وہ سامنے آتا تھا تو اپنے استاذ کی تعظیم کے خیال سے میں کھڑا ہو جاتا تھا۔اور یہی چیز ہے جو آدمی کو آگے بڑھانے والی ہے اور اسی سے آدمی کی ترقی ہوتی ہے۔ تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب سے بڑی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نیکی یہ بتلائی کہ آدمی اپنے باپ کے محبت والوں کے ساتھ بھلائی اور احسان کا سلوک کرے؛ یہ بھی ماں باپ کا حق ہے۔

اور یہ صرف ماں باپ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے رشتہ دار، یہاں تک کہ بیوی کے جو محبت والے ہیں ان کے ساتھ بھی محبت کا معاملہ کرنا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے محبت والوں کے ساتھ محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم ان کے محبت والوں کے ساتھ بھی محبت کا معاملہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا قصہ

چنانچہ اسی سلسلہ میں ایک اور روایت پیش کرتے ہیں جس میں اوپر والی روایت کے ناقل حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا عمل بتلاتے ہیں کہ اس بات پر ان کا کتنا زیادہ عمل تھا۔

حدیث ۳۴۲

عَنْ عبدِاللّٰہِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عبدِاللهِ بْنِ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَجُلاً مِّنَ الْأَعْرَابِ لَقِيَهُ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ. فَسَلَّمَ عَلَيْهِ عبدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ، وَحَمَلَهُ عَلى حِمَارٍ كَانَ يَرْكَبُهُ، وَأَعْطَاهُ عِمَامَةً كَانَتْ عَلى رَأْسِهِ. قَالَ ابنُ دِيْنَارٍ: فَقُلْنَا لَهُ أَصْلَحَكَ اللهُ! إِنَّهُمُ الْأَعْرَابُ وَهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيْرِ. فَقَالَ عبدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ): إِنَّ أَبَا هٰذَا كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (رضی اللہ عنہ)، وَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُوْلُ: إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے مکہ مکرمہ کے راستہ میں ملا، تو حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس کو سلام کیا اور خود جس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

گدھے پر سوار تھے اس سے اتر گئے اور اس دیہاتی کو اس گدھے پر سوار کرایا اور ان کے سر پر جو عمامہ تھا وہ اتار کر اس کو دیا۔ حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت عبداللہ بن عمر کے شاگرد ہیں وہ بھی سفر میں ساتھ تھے، انہوں) نے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حال درست رکھے، آپ کے ساتھ صلاح و فلاح کا معاملہ فرمائے، یہ تو دیہات کے رہنے والے ہیں، ان کے ساتھ تو آپ احسان کا تھوڑا سا سلوک بھی کریں تو وہ خوش ہو جائیں گے، اگر کچھ تھوڑا سا بھی دیدیا ہوتا تو کافی تھا، لیکن آپ نے تو گدھا اور عمامہ اتنی بڑی بڑی چیزیں دیدیں؟ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر(رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ اس کا باپ میرے والد صاحب کا دوست تھا، اس لیے میں نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا، اور میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ بھلائی اور محبت کا معاملہ کرے۔

افادات: دوسری روایت میں زیادہ وضاحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر(رضی اللہ عنہ) مکہ مکرمہ تشریف لے جارہے تھے، سواری کے لیے تو اصل ان کے پاس اونٹ تھا لیکن ساتھ میں ایک گدھا بھی اسی لیے رکھا تھا کہ اونٹ پر سواری کرتے ہوئے طبیعت اکتا جائے تو گدھے پر سوار ہو کر طبیعت کو ذرا فرحت دے لیں، راستہ میں ایک دیہاتی ملا تو اس کو وہ گدھا بھی دیدیا اور اپنے سر پر جو عمامہ باندھے ہوئے تھے وہ بھی دیدیا۔ ہم نے پوچھا کہ آپ نے اس کو یہ دونوں چیزیں کیوں دیدیں؟ اگر تھوڑی سی کوئی چیز دیدیتے تب بھی یہ تو خوش ہو جاتا اس پر حضرت عبداللہ بن عمر(رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ اس کا باپ میرے والد صاحب کا دوست تھا، اس لیے میں نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا، اور میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ بھلائی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اور محبت کا معاملہ کرے، اور یہاں تو اس آدمی کی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ دوستی نہیں تھی بلکہ اس آدمی کے والد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے دوست تھے، تو گویا وہ اپنے والد کے دوست کا بیٹا تھا اس مناسبت سے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

آگے کی روایت کے الفاظ میں کچھ فرق ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کو ایک دیہاتی ملا تو انہوں نے اس سے از خود پوچھا کہ تو تو فلاں کا بیٹا ہے نا؟ اس نے کہا کہ جی ہاں۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس کو اپنا گدھا بھی دیا اور کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ، اور اپنا عمامہ بھی عنایت فرمایا اور کہا کہ اس کو اپنے سر پر باندھ لو۔

انہوں نے از خود اس کو پوچھا کہ تم فلاں کے بیٹے ہو؟ اور آج کل ہمارے یہاں تو ایسا ہوتا ہے کہ کوئی پہچان والا ملتا ہے اور اس کو خیال نہیں رہتا تو آدمی کہتا ہے کہ گزر جائے تو اچھا ہے، تاکہ اس کے ساتھ ملاقات کرنے اور کوئی سلوک کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ ہم تو صرفِ نظر اور چشم پوشی کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کرنا چاہیے دیکھو! حضرت ابن عمر نے سامنے چل کر اس سے پوچھا اور اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا۔

والدین کے انتقال کے بعد ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے طریقے

حدیث ۳۴۳

عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ مَالِكِ بْنِ رَبِيْعَةَ السَّاعِدِيِّ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) إِذْ جَآءَهُ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ سَلَمَةَ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ أَبَوَيَّ شَيْءٌ أَبَرُّهُمَا بِهِ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ۔ اَلصَّلَاةُ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عَلَيۡهِمَا وَالۡاِسۡتِغۡفَارُ لَهُمَا، وَاِنۡفَاذُ عَهۡدِهِمَا مِنۡ بَعۡدِهِمَا،وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيۡ لَاتُوۡصَلُ اِلَّا بِهِمَا، وَاِكۡرَامُ صَدِيۡقِهِمَا۔ (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابواسید ساعدی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بنوسلمہ -جوانصار ہی کاایک قبیلہ تھا- کے ایک آدمی نے آکر نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیاکہ میرے ماں باپ وفات پاچکے ہیں،اب بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں کوئی چیز باقی رہ گئی ہے؟حضورِاکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ جی ہاں!ایک تو ان کے لیے دعاءِ خیر اور دعاءِ مغفرت کرتے رہنا،اور ان کے دنیاسے جانے کے بعدان کے عہدو پیمان اور وعدوں کو پورا کرنا۔ان کے واسطہ سے جن کے ساتھ رشتہ داری لگتی ہے ان سارے رشتہ داروں کا بھی خیال رکھنا، اور ان کے دوستوں کااکرام کرنا۔

مرنے کے بعد بھی ثواب

افادات:’’کوئی چیز باقی رہ گئی ہے ‘ ‘یعنی کوئی ایسا طریقہ ہے کہ ان کے دنیا سے جاچکنے کے بعد بھی میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرسکوں؟دیکھو!ماں باپ کے لیے دعاکااہتمام بھی بہت ضروری ہے،آدمی جب تک زندہ ہے وہاں تک نیکی کے کام کرتاہے،لیکن جب مرگیاتواب اعمال کرنے کی صلاحیت ختم ہوگئی، زندگی میں وہ جوبھی نیک کام کرتاتھااس کی وجہ سے اس کے نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتاتھا وہ سلسلہ اب بندہوگیا۔نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کاارشادہے﴿اِذَامَاتَ الۡاِنۡسَانُ اِنۡقَطَعَ عَنۡهُ عَمَلُهٗ اِلَّامِنۡ ثَلَاثٍ﴾ (مسلم شریف،رقم ۱۶۳۱۔ ابوداود، رقم ۲۸۸۰)

جب کسی کاانتقال ہوجاتاہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتاہے،البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اس کے مرجانے کے بعد بھی اس کے نامۂ اعما ل میں ان کاثواب لکھاجاتاہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

﴿صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ﴾ ایک تو صدقۂ جاریہ یعنی نیکی کا کوئی ایسا کام کر گیا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، مثلاً کوئی کنواں کھدوا دیا جس سے لوگ پانی حاصل کرکے پی رہے ہیں، یا کوئی مسافرخانہ بنوادیا، کوئی مدرسہ تعمیر کردیا یا مسجد تعمیر کردی، یا کوئی بھی ایسا کام کردیا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی بنائی ہوئی اس چیز سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو ثواب ملتا رہے گا، اسی کو ہم اپنی زبان میں صدقۂ جاریہ کہتے ہیں۔

﴿أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ﴾ دوسری چیز ہے: علم کی کوئی بات کسی کو سکھادی کہ اس کے مرنے کے بعد بھی وہ اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے جیسے آپ نے کسی کو نماز سکھادی، اب آپ دنیا میں نہیں ہوں گے لیکن وہ آپ کی سکھائی ہوئی نماز پڑھ رہا ہے، یا پوری نماز نہیں، صرف سورۂ فاتحہ ہی سکھلائی اب جب تک وہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتا رہے گا اس میں آپ کا حصہ لگا رہے گا اور آپ کو ثواب ملے گا، اور پھر اگر وہ کسی اور کو سکھائے گا اور وہ کسی اور کو سکھائے گا، اس طرح ہوسکتا ہے کہ یہ سلسلہ سالہا سال بلکہ صدیوں تک جاری رہے۔

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اَجمعین کا جو مقام امت میں سب سے اونچا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دین پہنچانے کا ذریعہ یہی حضرات بنے، اب قیامت تک دین پر جتنا بھی عمل ہوتا رہے گا، سب میں ان کا حصہ رہے گا، ان کے ثواب کا کون مقابلہ کرسکتا ہے؟۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اولاد کو ماں باپ کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے

اور تیسری چیز نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمائی﴿أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ﴾کوئی نیک بیٹا جو اس کے لیے دعاءِ خیر کرتا رہے۔ دیکھو! صرف یہ نہیں کہا کہ نیک بیٹا ہو، ویسے اگر بیٹا نیک ہے اور اس کو نیک بنانے پر ماں باپ نے محنت کی ہے، تو چاہے وہ ان کے لیے دعا نہ کرے، تب بھی اس کے نیک کام میں ماں باپ کا حصہ ہے، لیکن جب وہ نیک ہو گا تو یقینا وہ ان کے لیے دعا بھی کرے گا ہی، گویا اس کی نیکی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ماں باپ کو نہ بھولے۔ لیکن اس میں ﴿يَدْعُوْلَهُ﴾ کے الفاظ موجود ہیں کہ وہ ان کے لیے دعا کرے، گویا اس میں اس صالح اولاد کو بھی اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ تمہاری نیکی وصلاح اس بات پر موقوف ہے کہ والدین کے لیے دعاءِ خیر کرتے رہو۔ قرآنِ کریم میں بھی باری تعالیٰ نے دعا کا تذکرہ فرمایا ہے ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ اے اللہ! تو میرے ماں باپ کے ساتھ رحم کا معاملہ کر جیسا کہ بچپن میں جب کہ میں مہربانی اور شفقت کا محتاج تھا اس وقت انہوں نے میری پروش کی، اب تو بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرما۔ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کے لیے یہ دعا کی جارہی ہے۔

بہر حال! نبی کریم (ﷺ) نے ان پوچھنے والے صحابی کو یہ بتلایا کہ اگر تمہارے ماں باپ دنیا سے جا چکے ہیں تو ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی شکل ابھی باقی ہے، یوں نہ سمجھنا کہ وہ تو گذر چکے اب میں کیا کروں، ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیسے کروں، ابھی بھی ان کے ساتھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حسنِ سلوک کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے، اور اس میں ایک بات یہ بتلائی کہ ان کے لیے دعا کرو، اس لیے ایصالِ ثواب کے ساتھ ساتھ دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہٗ) کا طرزِ عمل

ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) کو دیکھا کہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لیے اور اسی طرح کسی کے ساتھ اگر ذرا سا بھی تعلق ہوتا تو اس کے لیے بھی ایصالِ ثواب اور صدقات کا کثرت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے، اور حضرت قربانی کے بے شمار جانور رکھتے تھے، جس میں براہِ راست اپنے اساتذہ اور مشائخ کے لیے تو حصہ رکھتے ہی تھے، لیکن جس کے ساتھ ذرا سا تعلق ہوتا، اس کے لیے بھی ایک حصہ رکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ قربانی کے موقع پر ان کی طرف سے قربانی کریں، کبھی ان کی طرف سے نفلی حج کر لیا، طواف کا اہتمام کر لیا، قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے ان کو ایصالِ ثواب کر دیا، نیکی کے کام میں ان کی طرف سے خرچ کر لیا، کسی غریب کو کھلایا تو اس میں بھی ان کی نیت کر لی غرض یہ کہ نیکی کے مختلف کام ہیں ان کاموں میں ان کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔

ایصالِ ثواب سے زیادہ دعا کا اثر ہوتا ہے

دیکھو! دو چیزیں ہیں، ایک ایصالِ ثواب اور دوسری دعا۔ عام طور پر دیکھا گیا کہ بعض لوگ ایصالِ ثواب کا اہتمام بہت کرتے ہیں لیکن دعا کا نہیں کرتے، حالانکہ دعا کا زیادہ اہتمام

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کرناچاہیے۔حکیم الامت حضرت تھانوی (نوراللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے مقابلہ میں دعا کااثرزیادہ ہوتاہے،اوراس کوایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ دیکھو!آپ کا کوئی دوست یا رشتہ دارہے جس کوحکومت کاقصوروارہونے کی وجہ سے پکڑکرجیل میں ڈال دیا گیا،آپ اس کے لیے جیل میں دووقت کھانابناکر بھیجتے ہیں تاکہ اس کوکھانے کی تکلیف نہ ہو،بس!آپ اتنا کرکے بیٹھ گئے۔اورایک شکل یہ ہے کہ آپ اس کوچھڑوانے کے لیےکوشش کررہے ہیں، اورجہاں جہاں تعلقات ہیں وہاں جاکربڑوں کے ذریعہ سفارش کروارہے ہیں کہ کسی طرح وہ چھوٹ جائے۔حضرت فرماتے ہیں کہ دعاءِ مغفرت کرنا ایساہے جیسا کہ اس کوچھڑانے کی محنت کرنا۔اور ایصالِ ثواب ایساہے کہ ٹفن بناکراس کے لیےکھانا بھیجنا۔اب آپ ہی بتاؤ کہ کس کی قدرزیادہ ہے۔

دعا آسان کام ہے

تودعاکااہتمام خاص ہوناچاہیے جس کی طرف سےعام طورپرلوگ غفلت برتتے ہیں، حالانکہ دعاکرنازیادہ آسان کام ہے،اوردعاکے لیے کوئی مخصوص حالت بھی ضروری نہیں ہے کہ نمازکے بعدہاتھ اٹھاکرہی دعاکی جائے،بلکہ چلتے پھرتے جہاں بھی ان کا خیال آگیا ان کے لیے دعاءِ مغفرت کردی،درجات کی بلندی کی دعا کردی؛یہ کافی ہے۔دعا کے لیے توکوئی وقت ہے ہی نہیں ،اللہ تعالیٰ نے دعاکے لیے کوئی شرط بھی نہیں لگائی ہے،باوضوہونابھی آداب میں سے ہے لیکن شرط اورضروری نہیں ہے،ہرحال میں جب چاہیں آپ دعا کرسکتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مغفرت کی دعا کا قاعدہ

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ماں باپ کے دنیا سے تشریف لے جانے اور انتقال کر جانے کے بعد ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک طریقہ یہ بتلایا کہ ان کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کی جائے۔ بعض لوگ یوں سوچتے ہیں کہ مغفرت کی دعا کتنی مرتبہ کرتے رہیں گے جب کہ ایک مرتبہ مغفرت تو ہو چکی ہے؟ آپ نے فضائلِ رمضان میں سنا ہوگا، حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہ) نے لکھا ہے کہ مغفرت کی دعا کا قاعدہ یہ ہے کہ آپ نے جس کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے اگر اس کے گناہ معاف ہو چکے ہیں تو آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں، آپ کی یہ دعا ضائع اور برباد جانے والی نہیں ہے، آپ کی یہ دعا اس کے لیے درجات کی بلندی کا سبب بنے گی۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی دوسری شکل

دوسری شکل یہ بھی بتلائی کہ ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے عہد و پیمان اور وعدوں کو پورا کرنا، انہوں نے کسی کے ساتھ بھلائی کا کوئی وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ کو پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی اور وہ آکر کہتا ہے کہ آپ کے والد نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا تو آپ کو چاہیے کہ ماں باپ نے جن جن سے وعدہ کر رکھا تھا ان کو بے رخی سے ایسا نہ کہہ دیں کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا، وہ تو دنیا سے گئے، میں نے تو وعدہ نہیں کیا تھا، بلکہ ماں باپ کے ساتھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نیکی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان سے کہہ دو کہ ٹھیک ہے ان شاء اللہ میں اس وعدہ کو پورا کرنے کا اہتمام کروں گا، یہ بھی ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے۔

بڑوں کے یہاں یہ دستور رہا ہے کہ اپنے کسی عزیز کے انتقال کے بعد جہاں وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ کسی کا کوئی قرضہ یا مطالبہ ہو تو مجھ سے مانگ لینا، کوئی حق ہو تو مجھ سے وصول کر لینا؛ وہیں یہ بھی اعلان کرتے تھے کہ انہوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو تو میں اس کو پورا کروں گا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کی وفات کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو آپ کا جانشین بنایا گیا تو حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے سب سے پہلے جو اعلان کیا وہ یہ تھا کہ نبی کریم (ﷺ) نے اگر کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو تو وہ میرے پاس آوے، میں اس وعدہ کو پورا کروں گا۔(بخاری شریف، کتاب الشہادات۔ رقم، ۲۵۳۷)

اسی طرح ماں باپ نے بھی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا ہے مثلاً کسی کا بچہ اسکول یا مدرسہ میں پڑھتا ہے اور اس کے ابا سے تمہارے والد نے کہا تھا کہ اس کی تعلیم کا پورا خرچہ میں برداشت کرتا رہوں گا، اب اس کی تعلیم کے چند سال ہی ہوئے تھے اور ابا کا انتقال ہو گیا، اب وہ آدمی آکر کہتا ہے کہ آپ کے والد صاحب نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت دی ہے، اور آپ کے پاس دینے کی صلاحیت ہے تو کوشش کر کے اس وعدہ کو پورا کیجئے، ان شاء اللہ ان کی روح کو اس کا بہت ہی زیادہ فائدہ پہنچے گا اور ان کی درجات کی بلندی کا بڑا ذریعہ بنے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تیسری شکل

اور تیسری شکل یہ بھی ہے کہ ان کے واسطہ سے جن کے ساتھ رشتہ داری لگتی ہے ان سارے رشتہ داروں کا بھی خیال رکھنا، گویا یہ بھی ان کے ساتھ نیکی کا تعلق ہے۔ جیسے بھائی بہن۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بتلاچکاہوں کہ ان کے ساتھ رشتہ باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہی جڑتاہے، اسی طرح چچا، ماموں، خالائیں، پھوپھیاں وغیرہ رشتہ داریاں وہ ہیں جن کے لیے ماں باپ واسطہ بنے ہیں، توان سب کے ساتھ بھلائی کامعاملہ کرنا بھی ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کاایک حصہ ہے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی چوتھی شکل

اورچوتھی شکل یہ ہے کہ ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔ دیکھو! صرف رشتہ داروں کانہیں فرمایا، اس لیے کہ ان کے ساتھ تورشتہ داری ہے، اس لیے ان کا تو خیال کرناہی ہے، لیکن والدین کے جودوست تھے، ان سے محبت وتعلق رکھنے والے تھے ان کے ساتھ بھی حسبِ مرتبہ سلوک کرناچاہیے، یعنی جس کے ساتھ زیادہ دوستی تھی تواس کے ساتھ زیادہ سلوک کرنا چاہیے، کسی کے ساتھ کبھی کبھاراٹھنابیٹھنا ہوتا تھاتوان کے ساتھ اس کے مناسب معاملہ کرناچاہیے؛ یہ بھی ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک ہے، اور اس کا اہتمام کرنا چاہیے، اس کے نتیجہ میں آدمی ماں باپ کا فرمانبردار لکھاجاتاہے۔ کسی نے اگر ماں باپ کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زندگی میں ان کے ساتھ فرمانبرداری کا معاملہ نہیں کیا، گمراہی میں مبتلا تھا اور ماں باپ کے حق ادا نہیں کر سکا، جب ان کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور ہدایت نصیب ہوئی، اب پچھتا رہا ہے کہ میں کیا کروں؛ تو اس کے لیے ماں باپ کے حقوق ادا کرنے کے یہ سارے طریقے ہیں، اگر ان سب کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ماں باپ کا فرمانبردار لکھ دیں گے۔

حضرت عائشہ کو حضرت خدیجہ پر غیرت

حدیث ۳۴۴

وعن عائشة (رضی اللہ عنہا) قالت: مَاغِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِّن نِّسَآءِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) مَاغِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ (رضی اللہ عنہا)، وَمَا رَأَيْتُهَا قَطُّ، وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَآءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ: كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِلاَّ خَدِيجَةُ! فَيَقُوْلُ: اِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ۔

وفی روایة: وَاِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّآءَ فَيُهْدِيْ فِي خَلاَئِلِهَا مِنْهَا مَا يَسَعُهُنَّ۔

وفی روایة: كَانَ اِذَا ذَبَحَ الشَّاةَ يَقُوْلُ: أَرْسِلُوْا بِهَا اِلٰى أَصْدِقَآءِ خَدِيجَةَ۔

وفی روایة قَالَتْ: اِسْتَأْذَنَتْ هَالَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ أُخْتُ خَدِيجَةَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)، فَعَرَفَ اسْتِئْذَانَ خَدِيجَةَ، فَارْتَاحَ لِذٰلِكَ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ هَالَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواجِ مطہرات میں کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آئی جتنی حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) پر آئی، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نبی کریم (ﷺ) کثرت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے،اور کبھی آپ (ﷺ) بکری ذبح فرماتے تو اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے یہاں وہ گوشت بھیجتے تھے۔ تو میں کبھی یہ کہتی تھی کہ خدیجہ کے علاوہ دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہے؟ حضور(ﷺ) فرماتے کہ وہ ایسی تھی،ایسی تھی،(یعنی ان کی خوبیوں کا تذکرہ فرماتے تھے)اور میری ساری اولاد انہیں سے ہے۔ ایک مرتبہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ(رضی اللہ عنہا) کی بہن حضرت ہالہ (رضی اللہ عنہا) نبی کریم (ﷺ) کے یہاں تشریف لائیں اور انہوں نے اجازت طلب کی۔ آپ کو حضرت خدیجہ کا استیذان یاد آگیا، آپ (ﷺ) کی طبیعت میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور فرمایا کہ خدیجہ کی بہن ہالہ معلوم ہوتی ہے۔

افادات: کسی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان میں آپس میں رقابت کا معاملہ چلتا ہے،اگر شوہر نے کسی ایک کی ذرا سی تعریف کردی تو دوسری کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی اتنی تعریف کیوں کردی۔ تو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) کی بیویوں میں کسی پر مجھے اتنی غیرت نہیں آئی جتنی حضرت خدیجہ پر غیرت آئی، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں ،اس لیے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے دو سال بعد نبی کریم (ﷺ) کا نکاح حضرت عائشہ سے ہوا اور پھر رخصتی تو مدینہ منورہ آکر ہوئی تھی۔ اب یہ غیرت کیوں آئی؟ اس کی وجہ وہ خود فرماتی ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) کثرت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے کہ خدیجہ ایسی تھی،خدیجہ ایسی تھی،خدیجہ ایسی تھی۔ پھر فرماتی ہیں کہ کبھی آپ (ﷺ) بکری ذبح فرماتے تو اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو تلاش کر کرکے ان کے یہاں وہ گوشت بھیجتے تھے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہمارے معاشرہ کی ایک خرابی اور اس کا علاج

ہمارے معاشرہ میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اگر آدمی کبھی ماں باپ کے تعلق والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے تو بیوی بیچ میں آڑے آتی ہے، وہ یوں کہتی ہے کہ فلاں کو اتنا دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر بیوی کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہے تو ماں باپ اس کے آڑے آتے ہیں کہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ یہ دونوں طریقے غلط ہیں۔ شریعت نے دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے، جس کا جیسا مقام و مرتبہ ہو اس کے مناسب، اور جس کی جیسی رشتہ داری ہو اس کی اسی حیثیت کے مطابق بھلائی کا معاملہ کرنا چاہیے۔

ہاں! اگر اپنے ماں باپ کا حق ادا نہیں کرتا اور بیوی کے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا رہتا ہے تو یہ اس کے لیے عیب کی چیز ہے، لیکن یہ جو کام کر رہا ہے وہ برا کام تو نہیں کر رہا ہے، اس لیے اس کو سمجھایا جائے گا کہ بیوی کے ماں باپ تو ایک نسبت کی وجہ سے آئے ہیں، براہِ راست تیرے ماں باپ کا حق تجھ پر زیادہ ہے۔ تو اُس سے بھی اس کو روکنا نہیں ہے بلکہ اِس پر بھی آمادہ کرنا ہے کہ جب تو اس سے کم درجہ کی چیز کا خیال رکھ رہا ہے تو اوپر کے درجہ کی چیز کا خیال تو تجھے بطریقہ اُولیٰ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہیں کہنا چاہیے کہ وہ مت کر اور یہ کر۔

ہمارے معاشرہ کی اس خرابی کو دور کرنے کی آسان صورت یہی ہے کہ اگر وہ بیوی کے رشتہ داروں کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہو تو ماں باپ خود کہیں کہ تم وہاں کیوں نہیں جاتے؟ اور ان کا حق کیوں ادا نہیں کرتے؟ یا اگر وہ ماں باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو بیوی اور بیوی کے رشتہ داروں کو چاہیے کہ وہ کہیں کہ بھئی! تم ہمارے ساتھ تو اچھا معاملہ کرتے ہو اور اپنے ماں باپ، بھائیوں بہنوں اور پھوپھیوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ ان کے ساتھ تو زیادہ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ اگر ایسا طریقہ اپنایا جائے تو آپ ہی آپ معاملہ سدھر جائے گا۔

کسی کی بد عملی تمہیں انصاف کے تقاضوں سے نہ ہٹاوے

اس کے برخلاف ہمارے یہاں تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ ہمارا اکیلے کا بن کر رہ جائے، جب ایسی کوشش کریں گے تو وہ آپ کا بھی نہیں بنے گا، اس لیے کہ جو اپنے ماں باپ کا نہیں بنا؛ وہ آپ کا کاہے کو بنے گا؟ سیدھی بات ہے۔ اس لیے یہ طریقہ غلط ہے اور شریعت اس چیز کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتی ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ ۚ ٱعْدِلُوا۟ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ کسی قوم کی خرابی اور بد عملی تمہیں انصاف کے تقاضوں سے نہ ہٹاوے یعنی مثلاً بیوی اور اس کے گھر والوں نے بدسلوکی کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹے سے یوں کہیں کہ ان کے ساتھ تعلق مت رکھو، یا ماں باپ نے بیوی کے ساتھ کوئی برا معاملہ کیا ہے تو بیوی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شوہر سے کہے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی مت کرو؛ یہ انصاف کے تقاضہ سے ہٹنے والی بات ہے۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہر ایک کے حق کو ادا کیا جائے، اگر آپ کے ساتھ کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ انتقامی کارروائی شروع کردیں، انتقامی کارروائی شروع کرنا یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی حفاظت کرے کہ ایسی ہی بدلہ کی کارروائی اگر اللہ تعالیٰ ہم سے کرنے لگیں تو ہمارے لیے تو جینا دوبھر ہو جائے۔

بندہ طاقتِ انتقام نہ دارد

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب سرہندی (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے صاحبزادے اور جانشین اپنے مکتوبات میں اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ "بندہ طاقتِ انتقام نہ دارد" بندہ انتقام لینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ گویا یہ تو آدمی کو سوچنا ہی نہیں چاہیے، اگر کسی نے کوئی غلط حرکت کی تو اس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا، انتقامی کارروائی کرنا تو گویا قانون اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ دنیا کی کوئی بھی حکومت یا مینجمنٹ اس بات کو برداشت نہیں کرے گا کہ اس کے ماتحتوں میں سے کوئی آدمی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے۔ ہم بھی اگر انتقامی اور بدلہ کی کارروائی پر اتر آتے ہیں تو درحقیقت ہم بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں بخشے نہیں جائیں گے۔ اور پھر کسی نے اگر غلطی کی تو اپنا مزاج معاف کرنے کا بنایا جائے، یہ سوچنا چاہیے کہ اگر اس کو ہم معاف کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کرے گا، ہم نے بھی تو اللہ تعالیٰ کی بڑی نافرمانیاں کی ہیں۔ خیر! بات دور نکل گئی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بیوی کی سہیلیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا

یہاں بات یہ چل رہی تھی کہ نبی کریم (ﷺ) اگر بکری ذبح فرماتے تھے، تو اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرکے حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تھے، حالانکہ ان کے انتقال کو کئی سال ہو چکے تھے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم (ﷺ) حضرت خدیجہ کا تذکرہ فرماتے تو میں کبھی یہ کہتی تھی کہ خدیجہ کے علاوہ دنیا میں کوئی عورت ہی نہیں ہے؟ حضور (ﷺ) جواب میں فرماتے کہ وہ ایسی تھی، ایسی تھی، یعنی ان کی خوبیوں کا تذکرہ فرماتے تھے، اور کبھی حضور (ﷺ) خاص یہ چیز فرمایا کرتے تھے کہ میری ساری اولاد انہیں سے ہے سوائے حضرت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کے، کہ وہ ماریہ قبطیہ (رضی اللہ عنہا) سے تھے، باقی حضرت خدیجہ کے علاوہ کسی ازواجِ مطہرات سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی بہن حضرت ہالہ (رضی اللہ عنہا) نبی کریم (ﷺ) کے یہاں تشریف لائیں اور انہوں نے گھر میں آنے کے لیے باہر سے اجازت طلب کی، ان کی آواز حضرت خدیجہ کی آواز سے ملتی جلتی تھی، اس آواز کو سن کر نبی کریم (ﷺ) کی طبیعت میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور فرمایا کہ خدیجہ کی بہن ہالہ معلوم ہوتی ہے۔ گویا ان کی آواز اور لہجہ نے حضرت خدیجہ کے لہجہ کی یاد دلادی تو یہ بھی حضورِ اکرم (ﷺ) کے لیے خوشی کا باعث بن گئی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نسبت اور تعلق کی وجہ سے چھوٹوں کا اکرام کرنا

حدیث ۳۴۵

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ (رضی اللہ عنہ) فِي سَفَرٍ، فَكَانَ يَخْدُمُنِي فَقُلْتُ لَهُ: لَا تَفْعَلْ، فَقَالَ: إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ الْأَنْصَارَ تَصْنَعُ بِرَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) شَيْئًا آلَيْتُ عَلَى نَفْسِي أَنْ لَا أَصْحَبَ أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا خَدَمْتُهُ۔ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ایک سفر میں تھا، اور وہ میری خدمت کرتے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! آپ ایسا نہ کریں، حضرت جریر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے حضرات ِ انصار کو دیکھا ہے کہ وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہت زیادہ مدد اور بڑا اکرام کیا کرتے تھے جب سے میں نے ان کو ایسا کرتے دیکھا اس وقت سے قسم کھا رکھی ہے کہ ان انصار کے خاندان کا کوئی بھی آدمی ہوگا، میں اس کی خدمت کیا کروں گا۔

افادات: حضرت جریر (رضی اللہ عنہ) بڑے صحابہ میں سے ہیں، عمر میں بھی حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے بڑے تھے۔ اور وہ سفر میں حضرت انس کے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی خدمت کرتے تھے، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ تو بڑے ہیں، آپ میرا کام کرتے ہیں تو مجھے بھی شرم آتی ہے، میں آپ کا کام کیا کروں گا۔ تو حضرت جریر (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں فرمایا کہ میں نے مدینہ منورہ کے رہنے والے حضراتِ انصار کو دیکھا ہے کہ وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہت زیادہ مدد اور بڑا اکرام کیا کرتے تھے۔ جب سے میں نے ان کو ایسا کرتے دیکھا اس وقت سے قسم کھا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

رکھی ہے کہ ان انصار کے خاندان کا کوئی بھی آدمی ہو گا،میں اس کی خدمت کیا کروں گا۔ چوں کہ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) انصاری تھے اور حضورِاکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ان کو جو نسبت اور تعلق تھا اس کا حضرت جریر (رضی اللہ عنہ) نے کتنا زیادہ خیال کیا کہ بڑے ہونے اور منع کرنے کے باوجود حضرت انس کی-جو چھوٹے تھے- خدمت کرتے تھے۔ہمارے اکابر کی یہی تعلیم ہے۔اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت اور آپ کے ارشادات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

آج کل یہ ساری چیزیں ہم نے چھوڑ رکھی ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارا پورا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے،گھروں اور خاندانوں میں اور قبیلوں میں کوئی تعلقات باقی نہیں ہیں۔ آپس میں لڑائی جھگڑے اور ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانیاں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ اگر ان ساری تعلیمات پر عمل کا اہتمام کیا جائے تو کبھی بھی آپس کے جھگڑے اور نزاعات پیدا نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اِكْرَامُ أَهْلِ بَيْتِ رَسُوْلِ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَبَيَانِ فَضْلِهٖ

اہلِ بیت کے اکرام کی فضیلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ ۲۹؍مئی ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

اہلِ بیت کے اکرام کی فضیلت

علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے نیا عنوان قائم کیا ہے ﴿اِکْرَامُ أَھْلِ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ (ﷺ) وَبَیَانُ فَضْلِہٖ﴾ نبی کریم (ﷺ) کے اہلِ بیت، آپ کے خاندان والوں کا اکرام اور اس کی فضیلت کا بیان۔ بیت کا معنیٰ گھر، اہلِ بیت یعنی گھروالے۔ اہلِ بیت کا مصداق کون ہیں؟ اس سلسلہ میں اہلِ سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی اولاد اور آپ کے خاندان بنوہاشم والے؛ سب اہلِ بیت میں داخل ہیں۔

یہاں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے قرآنِ پاک کی دوآیتیں پیش فرمائی ہیں، پہلی آیت سورۂ احزاب کی ہے،اس سے پہلے اوربعد کی آیتوں میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواجِ مطہرات کو خطاب کرکے بہت ساری چیزیں بطورِہدایت بتلائی گئی ہیں اوربہت سارے احکام دیے گئےہی ،انہیں کے درمیان یہ آیت بھی ہے ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ اے نبی کےگھروالو!اللہ تعالیٰ یہ چاہتاہےکہ تم سے گناہ اورنافرمانی کی گندگیوں کودور کردے اورتم کواس قسم کی چیزوں سے -چاہے وہ اعتقادی ہوں یا عملی،قولی ہوں یااخلاقی،ہر قسم کی گندگیوں سے- مکمل طورپرپاک کردے،اس لیے تمھیں یہ احکام دیئے جارہے ہیں۔

اہلِ بیت سے کون مراد ہے؟

اس آیت میں اہلِ بیت کالفظ استعمال کیاگیاہے اس کامصداق کون ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) اورمجاہدوعکرمہ وغیرہ حضرات سے اس کی تفسیرنقل کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ)توفرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہلِ بیت سے مراد تو ازواجِ مطہرات ہی ہیں،اوراس کی دلیل میں وہ یہ بات ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے والی اوراس کے بعدوالی آیتوں میں صراحتاًعربی کاصیغہ جمع موٴنث حاضر استعمال کیاگیاہے،اس لیے درمیان میں بھی یہی مرادہے۔البتہ اس کامطلب یہ نہیں ہے کہ ان کےعلاوہ دوسرے لوگ اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں،اس لیے کہ اس کی تفسیر کرنے والےخودحضرت عبداللہ بن عباس(رضی اللہ عنہ) نبی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کریم (ﷺ) کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے ہیں، اور وہ خود بھی اہلِ بیت میں سے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ویسے حدیث سے دیگر حضرات کا بھی اہلِ بیت میں سے ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم (ﷺ) بالوں کی بنی ہوئی کالی چادر زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے، حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) آئیں تو آپ نے اس چادر میں ان کو بھی سمولیا، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) آئے تو ان کو بھی سمولیا، حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) آئے تو ان کو بھی لے لیا، اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) آئے ان کو بھی لے لیا، اور پھر فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں (مسلم شریف، ٦٤١٤) اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات بھی اہلِ بیت میں سے ہیں۔ یہاں تو یہ بات چل رہی تھی کہ اس آیت میں اہلِ بیت کا جو لفظ استعمال کیا گیا اس سے کون مراد ہے؟ تو حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی رائے تو یہ ہے کہ اس آیت میں تو صرف ازواجِ مطہرات ہی مراد ہیں۔

البتہ دوسری جماعت اس بات کی طرف بھی گئی ہے کہ اس آیت میں نبی کریم (ﷺ) کی ازواجِ مطہرات اور اولاد اور آپ کے خاندان والے سب ہی مراد ہیں، اور اس کی دلیل میں وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے پہلی آیتوں میں جہاں ازواجِ مطہرات کو خطاب ہے وہاں جمع مؤنث حاضر کا صیغہ "کُنَّ" استعمال کیا گیا ہے، اور اس کے بعد کی آیتوں بھی وہی صیغہ ﴿کُنَّ﴾ استعمال کیا گیا، لیکن اس آیت میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ﴿کُمْ﴾ استعمال کیا گیا ہے، اس کی مصلحت ہی یہ ہے۔ گویا یہ بتلانا ہے کہ صرف ازواجِ مطہرات ہی نہیں بلکہ نبی کریم (ﷺ)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے دوسرے اہلِ خاندان بھی اس میں داخل ہیں، اسی مصلحت کے پیشِ نظر اس آیت میں صیغہ بدلا گیا ہے۔

اگرچہ بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ چوں کہ اس آیت میں نبی کریم (ﷺ) کو بھی ازواجِ مطہرات کے ساتھ شامل کرنا مقصود تھا، اس لیے آپ کے مذکر ہونے کی وجہ سے آپ کو غلبہ دیتے ہوئے جمع مذکر حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

بہر حال! یہ ایک علمی بحث ہے جو پیش کر دی گئی، باقی اتنی بات ضرور ہے کہ اہلِ سنت الجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلِ بیت میں نبی کریم (ﷺ) کی ازواجِ مطہرات اور آپ کے اہلِ خاندان، آپ کی صاحبزادیاں اور ان کی اولاد؛ سب ہی داخل ہیں۔

ہر سید علوی ہے، لیکن ہر علوی کا سید ہونا ضروری نہیں

ویسے آپ (ﷺ) کی صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے نسل چلی ہے، اس معنیٰ کر اگر دیکھا جائے تو حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ہی کی اولاد اس وقت دنیا کے اندر ہے، جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے پیدا ہوئیں، ویسے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی اور بیویاں بھی تھیں، حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے انتقال کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اور بھی کئی نکاح کیے اور ان بیویوں سے بھی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی اولاد ہوئی، لیکن حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے ہوئی؛ ان کو سادات کہا جاتا ہے، اور ہمارے یہاں اصطلاح میں لفظِ سید عام طور پر صرف اُنہیں کے لیے بولا جاتا ہے، وہ علوی بھی ہیں اور سید بھی ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی دوسری بیویوں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ علوی تو کہلائے گی لیکن ان کا سید ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے ہر سید علوی تو ہے لیکن ہر علوی کا سید ہونا ضروری نہیں۔

میں یہ عرض کررہا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ خاندان بنوہاشم بھی اہلِ بیت کا مصداق ہیں۔ اب ان میں حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی اولاد بھی شامل ہے، حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی نسل نہیں چلی۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا ذکر گذرا۔ ان کے ایک بھائی حضرت جعفر اور حضرت عقیل کی اولاد بھی اہلِ بیت میں داخل ہے۔

دلوں کے تقویٰ کی بات

﴿وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ یہ آیت پہلے بھی گذر چکی ہے، اس کا ترجمہ بتلایا گیا تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں اور جن چیزوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لگا ہوا ہے، ان چیزوں کی جو آدمی تعظیم کرتا ہے اور ان کا ادب و احترام کرتا ہے؛ یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے، ان چیزوں میں خود نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ مبارک بھی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نبی اور آخری پیغمبر ہیں، تو شعائر اللہ میں سب سے اونچا مقام آپ ہی کا ہے، اس نسبت سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو آل و اولاد ہے وہ بھی شعائر اللہ کا مصداق بن سکتی ہے، اس معنیٰ کر اس آیت کو یہاں لائے ہیں۔ بہر حال! یہ باب قائم کرکے اہلِ بیت کا اکرام اور ان کی فضیلت کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نبیٔ کریم (ﷺ) کی محبت ایمان کا جزو ہے

نبی کریم (ﷺ) کی محبت ایمان کا جزو ہے، آپ (ﷺ) کی محبت کے بغیر کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا بلکہ آپ (ﷺ) کی محبت آدمی کو اپنی، اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور تمام لوگوں کی محبت پر غالب رہنی چاہیے، جب تک کہ یہ محبت غالب نہیں ہوگی تب تک اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ ویسے نفسِ ایمان کے لیے محبتِ رسول تو ضروری ہے، البتہ باقی تمام محبتوں کے مقابلہ میں نبی کریم (ﷺ) کی محبت کا غالب ہونا؛ یہ ایمان کے کمال کے واسطے ضروری ہے۔ حضور (ﷺ) کا ارشاد ہے ﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ﴾ (سنن دارمی۔۲۷۴۱) تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں (نبی کریم (ﷺ) کی ذاتِ اقدس) اس کی نگاہوں میں اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ اور جتنے بھی اہلِ ایمان ہیں ان کو الحمد للہ فی الجملہ یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے۔

نبی کریم (ﷺ) کی محبت سب سے زیادہ ہونے کی دلیل

بعض مرتبہ آدمی یوں سمجھتا ہے کہ یہ کیفیت مجھے حاصل نہیں ہے، حالانکہ یہ کیفیت فی الجملہ ہر اہلِ ایمان کو حاصل ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کاندھلوی (رحمۃ اللہ علیہ) جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردوں میں ہیں اور ہمارے اکابر میں تقویٰ کے اعتبار سے ان کا بڑا اونچا مقام ہے، وہ ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نواب صاحب نے اس حدیث پر یہ سوال کیا کہ حضرت! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت اپنی، اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کی محبت سے زیادہ ہونی چاہیے، لیکن بہت سے لوگ اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ حضرت مفتی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس حدیث پر بیان شروع کیا اور حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے، اور بیان کرتے ہوئے درمیان میں کہا کہ اچھا! اس بات کو چھوڑو، اور نواب صاحب آپ کے بڑوں کا کچھ تذکرہ ہو جائے۔ فوراً نواب صاحب کہنے لگے کہ حضرت! نعوذ باللہ من ذالک۔ اللہ کی پناہ! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ ہو رہا تھا اور درمیان میں آپ میرے خاندان کے بڑوں کی بات کہاں لائے؟ حضرت مفتی صاحب نے کہا کہ اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کو یہ بات گوارہ نہیں ہوئی کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ چل رہا تھا، اس کو درمیان میں چھوڑ کر آپ کے ماں باپ یا آپ کے خاندان کے بڑوں کا تذکرہ کیا جائے؛ تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت آپ کے دل میں ان تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔

یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو اشکال رہتا ہے۔ کسی کی بیوی یا بیٹا نعوذ باللہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ اقدس میں ذرا سی ادنیٰ گستاخی کا کوئی لفظ بول دے تو کیا وہ آدمی اس کو برداشت کرے گا؟ بالکل نہیں کرے گا۔ کیسا ہی گیا گذرا آدمی کیوں نہ ہو لیکن وہ اس بات پر کوئی نہ کوئی ایکشن ضرور لے گا، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت موجود ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

محبوب سے متعلق چیزوں کی محبت

خیر! نبی کریم (ﷺ) کی محبت جب تک سب کی محبت پر غالب نہ ہو وہاں تک آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اور میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ جس کے ساتھ بھی آدمی کو محبت ہوتی ہے تو اپنے محبوب کا تعلق جن جن چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے، ان تمام چیزوں کے ساتھ بھی آدمی کے دل میں محبت و تعظیم وعقیدت ہوتی ہے۔ اگر آج اس مجلس میں کوئی آدمی ایک کرتہ لے کر آئے اور یوں کہے کہ یہ نبی کریم (ﷺ) کا کرتہ مبارک ہے، تو آپ اور میں اس کرتہ کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ یا اگر حلف کے ساتھ یہ ثابت ہوجائے کہ یہ نبی کریم (ﷺ) کا بال مبارک ہے تو اس کے ساتھ تعظیم کا جو معاملہ میں اور آپ کریں گے وہ ظاہر ہے، مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ کوئی تعلق رہا ہے ان چیزوں کی محبت و تعظیم اور ان کے ساتھ اکرام کا سلوک ہم اپنے ایمان کا ایک حصہ اور جزو سمجھتے ہیں۔ اسی طریقہ سے جو لوگ نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ خاندانی رشتہ و تعلق رکھتے ہیں اور حضورِ اکرم (ﷺ) کی اولاد میں سے ہیں ان کے ساتھ کس طرح کی تعظیم واکرام کا سلوک کرنا چاہیے؛ یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے۔ نبی کریم (ﷺ) نے بھی اس کی تاکید فرمائی ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) ایک دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مقامِ غدیرِ خُم کا خطبہ

حدیث ۳۴۶

عن یزیدبن حَیَّانَ قَالَ:اِنْطَلَقْتُ أَنَاوَحُصَیْنُ بْنُ سَبْرَةَ وَعَمْرُو بْنُ مُسْلِمٍ اِلٰی زَیْدِبْنِ أَرْقَمَ (رضی اللہ عنہ).فَلَمَّاجَلَسْنَااِلَیْهِ،قَالَ لَهُ حُصَیْنٌ:لَقَدْلَقِیْتَ یَازَیْدُ خَیْراً کَثِیْراً،رَأَیْتَ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)،وَسَمِعْتَ حَدِیْثَهُ،وَغَزَوْتَ مَعَهُ، وَصَلَّیْتَ خَلْفَهُ،لَقَدْلَقِیْتَ یَازَیْدُ خَیْراً کَثِیْراً۔حَدِّثْنَایَازَیْدُمَاسَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ(صلی اللہ علیہ وسلم)۔ قَالَ:یَاابْنَ أَخِیْ!وَاللهِ لَقَدْ کَبِرَتْ سِنِّیْ، وَقَدُمَ عَهْدِیْ، وَنَسِیْتُ بَعْضَ الَّذِیْ کُنْتُ أَعِیْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)، فَمَاحَدَّثْتُکُمْ، فَاقْبَلُوْا وَمَالَا،فَلَا تُکَلِّفُوْنِیْهِ۔ثُمَّ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) یَوْمًافِیْنَاخَطِیْباً بِمَآءٍ یُدْعٰی خُمّاً بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ، فَحَمِدَاللهَ وَأَثْنٰی عَلَیْهِ،وَوَعَظَ،وَذَکَّرَ،ثُمَّ قَالَ: أَمَّابَعْدُ:أَلَا أَیُّهَا النَّاسُ، فَاِنَّمَا أَنَابَشَرٌ، یُوْشِكُ أَنْ یَأْتِیَ رَسُوْلُ رَبِّیْ فَأُجِیْبَ،وَأَنَاتَارِكٌ فِیْکُمْ ثَقَلَیْنِ۔ أَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللهِ، فِیْهِ الْهُدٰی وَالنُّوْرُ، فَخُذُوْابِکِتَابِ اللهِ،وَاسْتَمْسِکُوْا بِهِ۔فَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللهِ،وَرَغَّبَ فِیْهِ۔ثُمَّ قَالَ:وَأَهْلُ بَیْتِیْ، أُذَکِّرُکُمُ اللهَ فِیْ أَهْلِ بَیْتِیْ أُذَکِّرُکُمُ اللهَ فِیْ أَهْلِ بَیْتِیْ۔ فَقَالَ لَهُ حُصَیْنٌ:وَمَنْ أَهْلُ بَیْتِهِ یَازَیْدُ؟أَلَیْسَ نِسَآؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَیْتِهِ؟قَالَ:نِسَآؤُهُ مِنْ أَهْلِ بَیْتِهِ، وَلٰکِنْ أَهْلُ بَیْتِهِ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهُ۔قَالَ:وَمَنْ هُمْ؟قَالَ:هُمْ آلُ عَلِیٍّ،وَآلُ عَقِیْلٍ،وَآلُ جَعْفَرٍ،وَآلُ عَبَّاسٍ۔قَالَ:کُلُّ هٰؤُلَآءِ حُرِمَ الصَّدَقَةَ؟ قَالَ:نَعَمْ۔(رواہ مسلم)

وفی روایة:أَلَاوَاِنِّیْ تَارِكٌ فِیْکُمْ ثَقَلَیْنِ، أَحَدُهُمَا کِتَابُ اللهِ وَهُوَ حَبْلُ اللهِ، مَنِ اتَّبَعَهُ کَانَ عَلَی الْهُدٰی وَمَنْ تَرَکَهُ کَانَ عَلٰی ضَلَالَةٍ۔

ترجمہ: یزیدبن حیان کہتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہ اورعمروبن مسلم(یہ تینوں تابعین میں سے ہیں) حضرت زیدبن اَرقم (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔توحصین بن سبرہ نے ان سے کہا: اے زید!آپ نے تو بہت بڑی سعادت اوربھلائی پائی ہے،نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیدار کیا، آپ کے ارشادات کوسنا،نبی کریم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

(ﷺ) کے ساتھ غزوات میں شرکت کا موقع ملا، نبی کریم (ﷺ) کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت وخوش بختی حاصل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت ساری بھلائیوں سے نوازا، گویا آپ تو بڑے صاحبِ قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی ساری فضیلتیں آپ کو عطا فرمائیں، اس لیے اے زید! آپ نے نبی کریم (ﷺ) سے جو چیزیں سنی ہیں ان میں سے کوئی بات سنائیے۔(اس وقت حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) بوڑھے ہوچکے تھے اس لیے) فرمانے لگے کہ اے بھتیجے! اللہ کی قسم میری عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے، اور نبی کریم (ﷺ) کی صحبت کا زمانہ بھی بہت طویل ہوگیا ہے اور نبی کریم (ﷺ) کے جو ارشادات مجھے یاد تھے ان میں سے بہت کچھ میں بھول چکا ہوں، اس لیے حضورِ اکرم (ﷺ) کی زبانِ مبارک سے سنے ہوئے ارشادات میں سے جو مجھے یاد ہیں وہ میں تمہارے سامنے پیش کروں گا، ان کو سنکر قبول کرلو، اور جو پیش نہ کرسکوں ان کو پیش کرنے کا مجھے پابند نہ بناؤ۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ نبی کریم (ﷺ) پانی کے ایک چشمہ کے پاس جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان میں واقع ہے، جس کا نام ''خُم'' ہے، ہمارے درمیا نخطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور لوگوں کو وعظ ونصیحت فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا:- اے لوگو سنو! میں ایک انسان ہوں اور اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے دنیا میں ہمیشہ رہنا مقدر نہیں فرمایا، ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلانے والا میرے پاس آجائے اور میں اللہ تعالیٰ کی اس طلب پر لبیک کہوں۔ اس لیے میں تمہارے درمیان دو وزنی اور مضبوط چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، پہلی تو قرآنِ پاک ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی موجود ہے اور اس میں نور اور روشنی بھی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور اس پر جمے رہو، اس طرح نبی کریم (ﷺ) نے مسلمانوں کو قرآنِ پاک پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور اُبھارا۔ اس کے بعد فرمایا کہ دوسری چیز جو تمہارے درمیان چھوڑ کر جارہا ہوں وہ میرے خاندان والے اور اہلِ بیت ہیں، میں تم کو میرے گھر والوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ان کے ساتھ اکرام اور محبت کا معاملہ کرنا۔میں تم کو اہل بیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں۔ اس پر حضرت حصین بن سبرہ (رضی اللہ عنہ)نے پوچھا کہ اے زید! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زید(رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہاں! آپ کی پاکیزہ بیویاں اہلِ بیت میں سے ہیں،اور جن لوگوں پر زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا گیا ہے یعنی بنو ہاشم؛ وہ سب حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت میں سے ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ وہ کون کون ہیں؟ حضرت زید(رضی اللہ عنہ)نے کہا کہ حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر اور حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی اولاد؛ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کیلیے زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا گیا ہے، اور وہی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت ہیں۔

افادات: یہ واقعہ حجۃ الوداع سے واپسی کا ہے، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ۱۰ سنہ ھ میں حج فرمایا تھا اور وہاں سے واپسی کے بعد تقریباً اسّی (۸۰) سے نوے (۹۰) دن کے درمیان نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات ہوئی ہے۔ تو واپسی میں مقامِ ”خم“ میں پانی کا ایک چشمہ تھا اور وہاں پانی جمع ہو گیا تھا اس لیے اس کو تالاب اور ”غدیرِ خم“ بھی کہتے ہیں، مقامِ جُحفہ جو شام والوں کی میقات ہے اسی کے قریب یہ علاقہ واقع ہے، وہاں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک خطبہ دیا۔

خطبۂ غدیر خم کا پس منظر

سیر اور تاریخ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی ایک وجہ ہوئی تھی۔ حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) کی روایت بخاری شریف میں بھی موجود ہے، ان کو کسی وجہ سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے بدگمانی ہو گئی تھی، اور حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) کے دل میں ان کے متعلق کچھ کدورت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اور معمولی سا میل تھا۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مالِ غنیمت کا خُمس وصول کرنے کے لیے یمن بھیجا تھا، اور جس لشکر کے پاس سے یہ مالِ غنیمت کا خُمس وصول کرنا تھا اس کے سپہ سالار حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) تھے، اسی لشکر میں حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) بھی تھے، حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے جو خُمس وصول کیا اس مال میں جو باندیاں تھیں ان میں سے ایک باندی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے استعمال کے لیے رکھ لی ویسے مالِ غنیمت کا جو خُمس ہوتا ہے اس میں اہلِ بیت کا بھی حصہ ہے ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ (الانفال۔۴۱) اس خُمس کا پانچواں حصہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان والوں کا بھی ہے، اسی نسبت سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اس باندی کو اپنے حصہ میں لیا تھا، لیکن چوں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے دوسروں کے سامنے اس کی وضاحت نہیں کی تھی اس لیے کچھ حضرات کو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے متعلق بدگمانی ہوئی۔ اور حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) سے بھی کہا کہ وہ باندی انہوں نے رکھ لی تو حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہاں! تم حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس کا تذکرہ کرنا۔ خیر! وہیں سے پھر وہ لوگ حجۃ الوداع میں پہنچے تھے اور وہاں سے واپسی میں مدینہ منورہ جاتے ہوئے حضرت بریدہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے موقع دیکھ کر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حضرت علی کی شکایت کی، اس پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا کہ اے بریدہ! کیا تمہارے دل میں ان کے لیے میل وکدورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! انہوں نے ایسا کیا ہے اس لیے میل ہے۔ تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا کہ ان کے متعلق اپنے دل میں میل مت رکھو، اس لیے کہ ان کا (حضرت علی کا) حق مالِ غنیمت کے خُمس میں اس سے زیادہ ہے جو انہوں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نے لیا ہے۔ انہوں نے یہ جو باندی لی ہے وہ تو اپنے حق سے بہت کم ہے، اس سے زیادہ لیتے تب بھی ان کے لیے تو اجازت تھی۔ ان کے اس فعل پر تم اپنے دل میں کدورت کیوں رکھتے ہو؟ اس کو دور کرو۔ حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، میں نے دور کردی۔ جب بات صاف ہوگئی تو وہاں اب دیر کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ (بخاری شریف، ۴۳۵۰)

میں جس کا دوست، علی بھی اس کے دوست

اس لیے کہ ایسی باتیں تو معاشرہ کے اندر پیش آتی ہی رہتی ہیں، اور آئندہ اپنے اہلِ خاندان اور اپنے اہلِ بیت کے ساتھ لوگوں کو کیا معاملہ کرنا چاہیے، اور آنے والی اُمت کو بھی آگاہ کرنے کے لیے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی مقام "غدیرِ خُم" پر ایک خطبہ دیا، اور اسی تقریر میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ باتیں بھی ارشاد فرمائیں، اور وہ جملہ بھی فرمایا جو روایتوں میں آتا ہے ﴿مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ﴾ (ترمذی۔ ۳۷۱۳) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں جس کا دوست؛ علی بھی اس کے دوست ہیں۔ یعنی جو آدمی مجھ سے دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اس کو چاہیے کہ حضرت علی کو بھی اپنا دوست بنائے۔

شیعوں کی تردید

اس جملہ کی وجہ سے اہلِ سنت اور شیعہ کے درمیان میں ایک مسئلہ پیدا ہوگیا۔ شیعہ لوگ نعوذ باللہ یوں کہا کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد خلافت کے اولین حقدار

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ہیں، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے آکر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا حق مارا۔ اور وہ لوگ ان حضراتِ خلفائے ثلاثہ کو برا بھلا بھی کہتے ہیں۔ اہلِ سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ فضیلت اور خلافت کی ترتیب وہی ہے۔

شیعہ اسی روایت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ دیکھو! "غدیرِ خُم" میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو خطبہ دیا تھا اس میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا ﴿مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاہُ﴾ میں جس کا دوست؛ علی بھی اس کے دوست ہیں۔ حالانکہ اسی روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو مبارک باد دی کہ تمہارے متعلق حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بہت اونچی بات ارشاد فرمائی۔ لیکن اہلِ سنت و الجماعت کا موقف یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا کہ میں جس کا دوست، علی بھی اس کے دوست ہیں، اور پھر آپ نے اپنے اہلِ بیت کی فضیلت اور اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی؛ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد خلافت کے اولین حق دار حضرت علی ہیں؟ اس سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضور یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جو مجھ سے محبت کا دعویٰ رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے بھی محبت کرے، چوں کہ حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) والا واقعہ پیش آیا تھا، اسی مناسبت سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان کے متعلق دل میں کسی طرح کا میل نہیں رہنا چاہیے، چاہے کچھ بھی بات پیش آجائے، اس لیے اس روایت سے شیعوں کا یہ دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔ بلکہ اس خطبہ میں تو تمام صحابہ موجود تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آخری بیماری میں حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دیکھو! نبی کریم (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی طبیعتِ مبارکہ کچھ ٹھیک ہو رہی ہے، لیکن اس سے بے فکر مت ہو جانا، آپ کا وقتِ موعود اب قریب آچکا ہے، اس لیے چلو! چل کر پوچھ لیں کہ آپ کے بعد حکومت کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں رہے گی، اس لیے کہ ہوتا یہ ہے کہ جو حاکم ہوتا ہے اس کے بعد اس کی اولاد ہی آتی ہے، اس لیے حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے یہ کہا کہ چل کر پوچھ لیں، اگر وہ بنوہاشم ہی میں ہے تب تو چل جائے گا، اور اگر وہ دوسروں کے پاس ہے تو ہم حضور (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) سے درخواست کریں گے کہ ان کو ذرا ہدایت دیدیجئے کہ وہ ہم بنوہاشم کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں تو نہیں آؤں گا، اگر حضور (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے منع کر دیا کہ بنوہاشم میں نہیں ہے تو پھر کبھی کوئی نہیں دے گا۔ (بخاری شریف، ۴۱۸۲)

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اگر اس خطبہ کا یہی مقصد ہوتا تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کہتے کہ پوچھنے جانے کی کیا ضرورت ہے، آپ کو تو معلوم ہی ہے، آپ خود بھی اس وقت موجود تھے جب حضور (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے یہ فرمایا تھا ﴿مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ﴾ اس سے ہمارا حق بنتا ہے۔ جب یہ حضرات خود اس جملہ سے اپنا حق نہیں سمجھے تو پھر دوسرے لوگ اس سے ان کا حق کیسے ثابت کرتے ہیں؟ اور بھی باتیں ہیں۔ ضمناً یہ بات آگئی تو میں نے مناسب سمجھا کہ کچھ باتیں پیش کر دوں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اہلِ بیت کے بارے میں تاکید

میں یہ عرض کررہاتھاکہ نبی کریم (ﷺ) نے یہ خطبہ حجۃالوداع سے واپسی میں مقام ”غدیرِ خُم“میں دیا،اسی خطبہ کے کچھ اجزاء کوحضرت زیدبن اَرقم (رضی اللہ عنہ) نقل کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کی حمدوثنا بیان کی اورلوگوں کووعظ و نصیحت فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایاکہ اے لوگوسنو!میں ایک انسان ہوں اوراللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے دنیامیں ہمیشہ رہنامقدرنہیں فرمایا،ہرایک کویہاں سے جاناہے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلانے والامیرے پاس آجائے اورمیں اللہ تعالیٰ کی اس طلب پر لبیک کہوں، گویاآپ (ﷺ)نے پہلے ہی اس بات سے باخبرکردیاکہ میرا دنیاسے رخصت ہونے کازمانہ قریب آگیاہے،چنانچہ حجۃالوداع سے واپسی ہی میں حضرت جبرئیل (علیہ السلام)نے آکرآپ کوبتلادیا تھاکہ اب آپ کی وفات کاوقت قریب آچکا ہے۔

اورفرمایاکہ میں تمہارے درمیان دووزنی اورمضبوط چیزیں چھوڑکرجارہاہوں پہلی تو قرآنِ پاک ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ورہنمائی موجودہے اور اس میں نوراور روشنی بھی ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب کومضبوطی سے پکڑواوراس پر جمے رہو،مطلب یہ ہے کہ اس میں جواحکام دیئے گئے ہیں ان پرپورے طورپر عمل کرو، اس طرح نبی کریم (ﷺ) نے مسلمانوں کوقرآنِ پاک پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور اُبھارا اس کے بعدفرمایاکہ دوسری چیزجوتمہارے درمیان چھوڑکرجارہاہوں وہ میرے خاندان والے اوراہلِ بیت ہیں،میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تم کو میرے گھر والوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، ان کے حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی مت کرنا، ان کے ساتھ اکرام اور محبت کا معاملہ کرنا، میں تم کو اہل بیت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں۔

اہلِ بیت کا مصداق

اس پر حضرت حصین بن سبرہ (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کہ اے زید! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زید (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہاں! آپ کی پاکیزہ بیویاں اہلِ بیت میں سے ہیں، اور جن لوگوں پر زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا گیا ہے یعنی بنوہاشم؛ وہ سب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت میں سے ہیں پھر انہوں نے پوچھا کہ وہ کون کون ہیں؟ حضرت زید (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر اور حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی اولاد؛ یہ سب وہ لوگ ہیں جن کے لیے زکوٰۃ لینا حرام قرار دیا گیا ہے اور وہی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت ہیں۔

بہرحال! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس حدیث میں اپنے اہلِ بیت کے ساتھ حسنِ سلوک اور محبت کا معاملہ کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اگر نبی کریم (ﷺ) کی روحانی توجہات چاہئیں

حدیث ۳۴۸

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ (رضی اللہ عنہ) مَوْقُوفاً عَلَيْهِ أَنَّهُ قَالَ: أُرْقُبُوا مُحَمَّداً (ﷺ) فِي أَهْلِ بَيْتِهِ (رواه البخاری)

معنی أُرْقُبُوا: رَاعُوهُ وَاحْتَرِمُوهُ وَأَكْرِمُوهُ.

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا مقولہ ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کے اہلِ خاندان اور آپ کے اہلِ بیت کے سلسلہ میں حضورِ اکرم (ﷺ) کا خیال رکھیو۔

افادات: یہ روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔یعنی حضور (ﷺ) کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے خاندان والوں کے ساتھ محبت واکرام کا، خدمت اور بھلائی کا سلوک کرتے رہیو، ان کے حقوق کو ادا کرتے رہیو۔

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کے جو اہلِ بیت، خاندانِ بنوہاشم اور سادات ہیں ان کے ساتھ نہایت ہی اکرام واحترام کا معاملہ کرنا چاہیے اور جیسا کہ میں پہلے بتلاچکا ہوں کہ سادات کا لفظ تو نبی کریم (ﷺ) کی اولاد جو حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے واسطہ سے چلی ہے اسی کے لیے بولا جاتا ہے۔لیکن اہلِ بیت کا مفہوم زیادہ عام ہے، اس میں ان کے علاوہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی دوسری بیویوں سے جو اولاد ہیں، اسی طرح حضرت عقیل (رضی اللہ عنہ) اور حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے بھائی ہیں ان کی اولاد یا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) جو نبی کریم (ﷺ) کے چچا ہیں ان کی اولاد بھی داخل ہے، اور یہ سب اہلِ بیت کہلاتے ہیں، ان تمام کے حقوق ادا کرنے کی بڑی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تاکید آئی ہے،ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے،ان کے ساتھ آدمی جتنا بھلائی اوراحسان کا سلوک کرسکتاہو،اس میں اپنی طرف سے کمی نہ کرے،بلکہ ان کے ساتھ حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت سے جتنا بھی محبت واکرام کامعاملہ کیاجائے گا،نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روحانی توجہات اتنی ہی زیادہ اس کوحاصل ہوں گی۔آج بھی جولوگ اس قسم کامعاملہ کرتے ہیں اس کا نتیجہ بھلائی اوربرکت کی شکل میں اورنبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے خواب میں بشارت کی صورت میں محسوس کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانامفتی مرغوب احمدصاحب لاجپوری(رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک کتاب"سفینۃ الخیرات "ہے،اصل تواردومیں تصنیف فرمائی تھی،گجراتی میں بھی ترجمہ ہوکرشائع ہوچکی ہے، اس کتاب میں انہوں نے اس قسم کے کئی واقعات ذکر کئے ہیں۔ویسے علامہ سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) کی بھی اس سلسلہ میں کئی کتابیں ہیں،اوراب تواس موضوع پراور بھی بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں اس قسم کے واقعات ذکرکئے گئے ہیں۔

آج ہم تمہاری عزت افزائی کرتے ہیں

اسی کتاب میں ایک واقعہ حضرت جنیدبغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) کالکھاہے۔حضرت جنیدبغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) تصوف کے ہمارے تمام سلسلوں میں آتے ہیں، بزرگوں میں ان کابڑا اونچا مقام ہے،ان کو"سیدالطائفہ "کہاجاتاہے،یعنی صوفیوں کی جماعت کے سردارہیں، تصوف کے ہرسلسلہ میں چاہے وہ چشتیہ ہو،قادریہ ہو،سہروردیہ ہو، یا نقشبندیہ ہو؛تمام سلسلوں میں ان کانام آتا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ان کے حالات میں لکھاہے کہ پہلے شاہی پہلوان اور کشتی باز تھے، اورآپ جانتے ہیں کہ شاہی پہلوان کے لیے تنخواہ تو ہوتی ہی ہے اور ساتھ ہی ساری سہولتیں اورہرطرح کی فیسلیٹی بھی مہیاہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایک اجنبی مسافرعام جسمانی بناوٹ کا آیا،دبلاپتلا آدمی تھا،اس نے آکرچیلینج کیا کہ میں شاہی پہلوان کوچت کرسکتا ہوں۔لوگوں نے اس سے کہاکہ تم نے جنید کودیکھا بھی ہے؟وہ تو بڑے ہٹے کٹے،اور بڑے مضبوط وتنومنداوربڑے ڈیل ڈول والے آدمی ہیں تم توان کی ایک انگلی سے ہی چت ہوجاؤگے،ان کوچت کرنے کادعویٰ کہاں کرتے ہو، اس نے کہا کہ میں چیلنج کرتا ہوں۔یہ بات خوب پھیلی اوربادشاہ تک بھی پہنچی، جب اس نے شاہی پہلوان کو چیلنج کیا تو اس کوکیسے برداشت کیاجاسکتا تھا، لوگوں نے اس کو بہت ہی سمجھایا کہ یہ حماقت کہاں کرتے ہو؟لیکن اس نے کہاکہ نہیں ! مجھے تومقابلہ کرناہی ہے،چنانچہ مقابلہ طے ہوا، اور تاریخ اوروقت طے ہوگیا،اطراف بستی اور دارالسلطنت کے تمام لوگ، اورجن جن لوگوں کو پتہ چلا؛سب ہی وقت پر پہنچ گئے اور بہت بڑامجمع جمع ہوگیا، حضرت جنید جو پہلوان تھے وہ بھی مقابلہ کے لیے آئے،اور ادھر سے یہ آدمی بھی آئے، جب دونوں اکھاڑے کے میدان میں آمنے سامنے پہنچے تومقابلہ شروع ہونے سے پہلے حضرت جنید کے کان میں اس آدمی نےیوں کہاکہ میں آلِ رسول ہوں اور قسمت کامارا ہوا پریشان حال ہوں،اور میں نے یہ سب اس لیےکیاہے کہ اس مقابلہ کے بہانےسےمیری عزت بڑھے اور مجھے کچھ انعام ملے،اب سارے معاملہ کوسنبھالناتمہارے ہاتھ میں ہے۔ بس! اس گفتگوکے بعدمقابلہ شروع ہواتو حضرت جنیدچت پڑ گئے، لوگوں میں شورمچ گیاکہ ایسے شاہی پہلوان جس کو آج

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تک کوئی چت نہ کرسکا، آج کیسے چت ہوگئے؟اورایسا ہوتاہے کہ جب کوئی بات خلافِ توقع پیش آتی ہے توکہاجاتا ہے کہ پھر سے مقابلہ ہو، جیسے بچے جب کھیلتے ہیں اور پہلی بال پر جب اسٹامپ اُڑجائے تو کہتے ہیں کہ ٹرایل بال تھی،ایسی بات ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا۔اسی طرح یہاں بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آرہاتھااس لیے کہاکہ پھر سے مقابلہ ہو۔چنانچہ پھرسے مقابلہ ہوا تودوبارہ وہ چت ہوگئے،تیسری مرتبہ مقابلہ ہوا توتیسری مرتبہ بھی چت ہوگئے،اب توکوئی گنجائش ہی نہیں تھی،حالانکہ شاہی پہلوان کا اس طرح چت ہوجانا بڑی ذلت کی بات تھی۔خیر! اس آدمی کی جیت کااعلان ہوگیا اوراس کوبڑاانعام دیاگیااورشاہی جوڑا دیا گیااوربڑی عزت ہوئی۔بعدمیں بادشاہ نے حضرت جنید سے پوچھاکہ کیابات تھی، آپ پرایسی کیا افتادپڑی تھی کہ تین تین مقابلے اورراؤنڈہوئے اورتینوں ہی میں آپ ہارگئے اور چت ہوگئے؟اس پرانہوں نے جو حقیقت تھی وہ بتلائی کہ اس نے مجھے یہ کہا تھااور میری غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیاکہ اس کے سامنے میں مقابلہ جیت جاؤں۔بادشاہ کوبھی بڑا تعجب ہواکہ ایسی بے نفسی کامعاملہ کیاکہ اتنے بڑے مجمع کے سامنے چت ہوکر نبی کریم ﷺ کی آل کے احترام کے لیےاپنی ذلت کوگوارہ کرلیا۔اوریہ بہت بڑی بات تھی۔

خیر!اسی رات کوحضرت جنیدنے خواب میں نبی کریم ﷺ کودیکھاکہ آپ نے فرمایاکہ اے جنید! آجاؤ، جس طرح تم نے میری آل کااکرام کیاہے،اوران کی عزت افزائی کی ہے؛ آج ہم تمہاری عزت افزائی کرتے ہیں۔اورپھرنبی کریم ﷺ نے اپنے سینے سے ملالیا۔اس کے بعد جب صبح کواٹھے توپھران کارجحان اس پہلوانی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ہوا،

اورحضرت سری سقطی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں پہنچے، اور وہ اونچامقام حاصل کیاکہ آج تمام سلسلوں میں بڑے قرار دیئے جاتے ہیں۔تودیکھئے!ان کویہ مقام آخرکیسے حاصل ہوا۔کبھی ایسا ہوتاہے کہ ایک اچھے جذبہ سے کیا ہواکوئی معمولی ساکام آدمی کی زندگی کے دھارے کوبدل دیتاہے۔

سادات کاخیال رکھنے کاانعام

ایک اورواقعہ لکھاہے : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حج کے ارادے سے میں نے پانچ سودرہم جمع کئے تھے،ویسے فرض حج تواداکرچکاتھا،نفلی حج کے لیے جاناچاہتا تھا اور ہمارے علاقہ کےلوگ اسی دن روانہ ہونے والے تھے،وہ پانچ سودرہم لے کرمیں بازارمیں کچھ ضروری سامان خریدنے کے لیے نکلا،راستہ میں ایک عورت ملی،اس نے کہا کہ میں سادات میں سے ہوں،میری بچیاں گھرپربھوکی ہیں اورمیں ضرورت مند ہوں، آپ میری ضرورت پوری کردیجئے۔انہوں نے اسی وقت پانچ سو درہم کی وہ تھیلی اس کےحوالہ کردی۔وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں بھی ایسااطمینان و سکون عطافرمایاکہ حج کاوہ جذبہ بھی دورہوگیااورمجھے اسی پرسکون مل گیااوروہ قافلہ روانہ ہوگیا۔پھرجب میرے شہر کے وہ لوگ حج سے واپس آئے تومیں ان کے استقبال کے لیے گیا، اس زمانہ میں دستور تھا کہ لوگ حاجیوں کودعادیتے تھے: "بَارَكَ اللهُ فِيْ حَجِّكُمْ وَتَقَبَّلَ اللهُ سَعْيَكُمْ" اللہ تعالیٰ تمہارے حج میں برکت دے، تمہاری کوشش کو قبول فرمائے۔تو میں ان کویہ دعادیتاتھاتووہ بھی جواب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

میں مجھے یہی دعادیتے تھے،میں جتنے بھی حاجیوں سے ملتاسب مجھے یہی دعادیتے تھے، آخرمیں نے ایک سے کہا کہ کیابات ہے؟ آخرتم مجھے یہ دعاکیوں دیتے ہو؟تووہ کہنے لگا کہ تم تو وہاں حج کے اندر ہمارے ساتھ ساتھ تھے۔کہتے ہیں کہ یہ سارااماجرامیری سمجھ میں نہیں آیا۔رات کو نبی کریم (ﷺ) کوخواب میں دیکھا، حضور(ﷺ) نے فرمایاکہ تم نے میری اولاد کے ساتھ جو معاملہ کیا،اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے ایک فرشتہ تمہاری شکل کاپیداکردیا ہے جوقیامت تک ہرسال تمہاری طرف سے حج کرتارہے گا۔

شریف زادی سیدانی کادرد انگیزواقعہ

ایک اورواقعہ لکھاہے کہ ایک سیدزادے تھے،وہ بلخ میں رہتے تھے،ان کا انتقال ہوگیا اورمیراث میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ان کی بیوی بھی سیدانی تھی،اوران کی چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی تھیں۔اس شہرمیں مالی غربت کی وجہ سے کوئی رسوائی نہ ہو،اس خیال سے وہ اس شہرکوچھوڑکرسمرقندچلی گئیں کہ شایدوہاں اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکالے۔جب وہاں پہنچی تو نیا شہر تھا،سردی کاموسم تھااوراس کے ساتھ بچیاں بھی تھیں،بڑی مفلوک الحال تھی،سردی سے بچاؤ کے لیے لباس بھی پورا نہیں تھا،کھانے پینے کی بھی محتاج اور بھوکی تھی۔وہ عورت اپنی بچیوں کوایک مسجد میں بٹھاکرتنہانکلی۔دیکھاکہ ایک آدمی رئیسانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بیٹھاہواہےاور آس پاس لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔اس نے پوچھاکہ یہ کون ہے؟کسی نے بتایاکہ یہ اس شہرکاحاکم ہے۔اس کے سامنے پیش ہوکرکہا کہ میں شریف زادی سیدانی ہوں،مسافرہوں،میرے ساتھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بچیاں بھی ہیں جو بھوکی ہیں، سردی سے بچاؤ کے لیے کپڑوں کی بھی ضرورت ہے، آپ میری مدد کیجئے۔ اس حاکم نے جواب میں یوں کہا کہ کیا کوئی گواہ ہے کہ تم سیدانی ہو؟ یا کوئی شہادت ہے؟ اس نے کہا کہ یہ نیا شہر ہے، اور میں پردیسی ہوں، یہاں مجھے کوئی پہچانتا ہی نہیں ہے، تو میں کوئی گواہ لاکر کیسے پیش کروں گی؟ اس حاکم نے کہا کہ اس کے بغیر کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ وہ وہاں سے نکلی، راستہ میں ایک مجوسی، اگنی پوجک، آتش پرست ملا، جس کو ہم پارسی کہتے ہیں، وہ اس شہر کا کوتوال تھا، پولیس کا ہیڈ (ڈی آئی جی) سمجھ لو۔ اس عورت نے اپنی بات اس کے سامنے رکھی کہ میں حاکم کے پاس گئی تھی، اس نے تو مجھے یہ جواب دیا، اور میرا ایسا ایسا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کوتوال کے ساتھ خیر منظور تھی، اس نے اسی وقت اپنے نوکر کے ذریعہ اپنی بیوی کے پاس یہ کہلوایا کہ ابھی اسی وقت فوراً یہاں آؤ اور ان سیدانی کے ساتھ ان کی بچیوں کے پاس جاؤ، اور وہاں سے ان بچیوں کو لے کر آؤ اور اپنے مکان میں الگ کمرہ میں ان کو عزت کے ساتھ رکھو، اور ان کا پورا اکرام کرو۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق اس کی بیوی اس عورت کے ساتھ گئی، بچیوں کو لے کر آئی، ان کو کھلایا پلایا اور پھر ان کے لیے نئے کپڑے سلوائے، اور ان کے لیے رہنے کا بہترین انتظام کیا۔

اِدھر یہ ہوا کہ رات کو وہ حاکم جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ حشر قائم ہے اور نبی کریم (ﷺ) کے لِواءُ الحمد کے نیچے تمام مسلمان جمع ہو رہے ہیں، یہ حاکم بھی اس جھنڈے کے نیچے جانا چاہتا تھا لیکن نبی کریم (ﷺ) نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ اس نے یہ کہا کہ یارسول اللہ! میں تو آپ کا امتی ہوں اور مسلمان ہوں۔ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ تیرے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مسلمان ہونے کی کیا شہادت ہے ؟کوئی گواہ ہے؟شہادت لیکر آؤ، یا کسی کو بلاؤ جو یہ گواہی دے کہ تم مسلمان ہو۔یہ کہتاہے کہ میں میدانِ حشر میں مارامارا پھر رہا ہوں کہ کوئی یہ گواہی دینے والا مل جائے،لیکن کوئی گواہ نہیں ملا،توپریشان اور عاجز ہوکر واپس آیااور کہاکہ یارسول اللہ! مجھے کوئی گواہ نہیں مل رہاہے جومیرے اسلام و ایمان کے متعلق گواہی دے۔آپ ﴿ﷺ﴾ نے فرمایاکہ توشہرکاحاکم تھا،اورسب شہروالے تجھے پہچانتے تھے،اس کے باوجود تجھے ایمان کے متعلق گواہی دینے والاکوئی گواہ نہیں ملتا؛تو اس بے چاری پردیسی عورت کے پاس تواس بات کی گواہی مانگ رہاتھاکہ وہ میری اولاد میں سے ہے؟ پردیس میں اس کے لیے کون گواہی دے گا؟اور اُسی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ نبی کریم ﴿ﷺ﴾ نے ایک بہت ہی خوبصورت اور بہت ہی شاندار محل کی طرف اشارہ کیا کہ یہ محل اُس کوتوال کاہے جس نے اس عورت کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیاہے۔

بس!یہ جواب آپ ﴿ﷺ﴾ کی زبانِ مبارک سے سناکہ اس کی آنکھ کھل گئی۔اب وہ پریشان ہوگیااور سرپیٹنے لگااوراپنے رخسارپرطمانچے مارنے لگا۔پھراس نے اپنے لوگوں کو کہاکہ جلدی سے جاؤاوراس عورت کوڈھونڈو،اوریہ خودبھی اس عورت کوتلاش کرنے کے لیے نکل پڑاکہ وہ عورت کہاں ہے،بے چینی میں اِدھراُدھرچکرکاٹ رہاتھا،کسی نے بتلایاکہ وہ توفلاں کوتوال کے گھرپرہے۔وہ حاکم اس کوتوال کے گھرپرگیااور کہاکہ ان سیدانی کواس کی بچیوں کےساتھ میرے حوالہ کردو،میں تجھے ایک ہزار اشرفیاں دیتا ہوں اس کوتوال نے کہاکہ تو ایک ہزارکی بات کرتاہے ؟اگرایک لاکھ بھی دے تومیں ان کوتیرے حوالہ نہیں کروں گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جو خواب تو نے دیکھا ہے؛ وہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے۔ اور حضورِ اکرم (ﷺ) نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے میری اولاد کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا ہے اس لیے یہ محل تیرے واسطے ہے۔ اور تجھے میرے اوپر اتنی ہی تو فضیلت حاصل تھی کہ تو مسلمان ہے، لیکن یہ شریف زادی سیدانی جب سے میرے گھر میں آئی ہے میرا پورا خاندان اس کے ہاتھ پر اسلام لا چکا ہے، اس لیے اب تجھے میرے اوپر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، میں ان کو تیرے حوالہ نہیں کروں گا۔

اور درحقیقت یہ ایک طبعی اور فطری چیز ہے۔ آپ ذرا سوچیے کہ ہماری اولاد کے ساتھ اگر ہماری وجہ سے کوئی آدمی اکرام اور محبت وعزت کا معاملہ کرتا ہے، تو اس کی کتنی قدر ہمارے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تو اسی طرح نبی کریم (ﷺ) کی نگاہوں میں اس آدمی کی قدر کتنی ہوگی جو آپ (ﷺ) کی آل واولاد کے ساتھ اکرام ومحبت کا معاملہ کرتا ہے۔ اس لیے نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ محبت کا تقاضہ ہے کہ آپ کی آل واولاد جتنی بھی ہے اور جہاں بھی ہے ان کے ساتھ محبت واکرام کا اور بھلائی کا معاملہ کیا جائے، اس میں ذرہ برابر بھی کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔

سادات کے اکرام کے لیے نسبت ہی کافی ہے

اب ایک اشکال کی چیز ہے کہ بعض سادات کو دیکھا جاتا ہے کہ بد عملی میں مبتلا ہوتے ہیں، نماز کے پابند نہیں ہوتے، کسی اور برائی میں مبتلا ہوتے ہیں؛ تو کیا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کو معلوم ہے اور یقین ہے کہ یہ سادات خاندان (بنوہاشم) سے تعلق رکھتے ہیں، نبی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کریم (ﷺ) کے ساتھ ان کا خاندانی رشتہ ہے؛تو آپ کے لیے تو ان کے ساتھ محبت و اکرام اورعزت کامعاملہ کرنے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے، اب رہی یہ بات کہ اس کی بد عملی کاکیا؟تووہ خوداس کاذمہ دارہے،اس کی اس بد عملی کی وجہ سے آپ کو یہ حق نہیں پہنچتاکہ آپ اس کےساتھ اکرام ومحبت کاسلوک نہ کریں۔

اسی بات کوحضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) ایک مثال سے سمجھایاکرتے تھے کہ بھائی دیکھو! ہیرا اگرپاخانہ میں گرجائے توپاخانہ میں گرنے کے بعد بھی وہ ہیراہونے سے نکل نہیں جاتا،ہاں! اتنی بات ضرورہے کہ وہ پاخانہ میں پڑا ہوا ہے،اوراس پرپاخانہ لگاہواہے،لیکن جہاں اس ہیرے کووہاں سے نکال کردھوڈالوگے توپھراس ہیرے کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

یایوں سمجھئے کہ کسی بچہ کوپاخانہ ہوگیااوراس میں وہ ایسالت پت ہوگیاکہ اس نے ہاتھ میں لے کراپنے منھ پر بھی پھیرلیا،جیساکہ بعض بچوں کی عادت ہوتی ہے تو کیا اس کی وجہ سے اس بچہ سے نفرت کی جائے گی؟بالکل نہیں۔ہاں!اب وہ بچہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کوپانی سے غسل دے کرپاک صاف کرنے کی ہم کوشش کریں،اس کےساتھ خیرخواہی کامعاملہ کرتے ہوئے اس کواس حالت سے نکالنے کی محنت کریں، لیکن اس حالت کی وجہ سے اس سے نفرت نہیں کی جائے گی۔ جیسے بچہ ایسی حالت میں بھی ہوتاہے تو ماں اس سے نفرت نہیں کرتی،اسی طریقہ سے ہمیں بھی اس سے نفرت نہیں کرنی ہے۔ہاں!اس کی بد عملی سے اس کونکالنے کی پوری کوشش کریں گے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اگر سید بد عمل ہو

بعض لوگ پھر ان کے ساتھ محبت کے اندر غلو کرتے ہیں اوراس محبت کی وجہ سے ان کی اس بد عملی کو بھی سراہتے ہیں۔یہ بات بھی غلط ہے۔ان کی بد عملی میں ان کی اطاعت نہیں کرنی ہے۔اطاعت وفرمانبرداری توہمیں صرف اللہ اوراس کے پاک رسول (ﷺ) ہی کی کرنی ہے،اگروہ ایساکام کرنے کے لیے کہہ رہاہے کہ جواللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہے توہمیں اس کی اس بات کونہیں ماناہے،لیکن اس کااکرام و محبت، اور اس کے ساتھ احسان و بھلائی کاسلوک کرناہے جو ایک الگ چیز ہے۔

اب سادات خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بعض سادات عملی کوتاہیاں کرتے ہیں، اس سلسلہ میں بھی کتابوں میں تفصیل موجودہے۔لکھاہے کہ بھائی دیکھئے! جب نبی کریم (ﷺ) کےاوپرقرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ اور بخاری و مسلم کی روایتوں میں ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی تھا﴿وَأَخِصَّ مِنْهُمَ الْمُخْلَصِينَ﴾ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کواوران میں بھی خاص اپنے خاندان والوں کو ڈرایئے۔اس وقت آپ (ﷺ) نے جہاں اورخاندانوں کودعوت دی، وہیں بنوہاشم کوخاص دعوت دی اور ان میں بھی اپنے خاص لوگوں کوالگ سے نام لے کر دعوت دی،حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:"يَافَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ! أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ،فَإِنِّي لَاأَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللهِ شَيْئاً"اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچائیو میں اللہ کی پکڑسے تم کو کچھ بھی بچانہیں سکتا،تم کو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خود ہی عمل کرنا پڑے گا"یَاصَفِیَّۃُ عَمَّۃَ رَسُوْلِ اللہِ!" اپنی پھوپھی حضرت صفیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ تو حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے خاندان کے الگ الگ لوگوں کا نام لے کر خطاب فرمایا کہ بد عملی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو معاملہ کیا جائے گا، اس کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔

نورٌ علیٰ نور

اور اگر نیک اعمال کے ساتھ سیادت کا شرف حاصل ہے تو پھر نورٌ علیٰ نور ہے۔ حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ دو آدمیوں نے کوئی ڈگری حاصل کی، ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کے خاندان کا حکومت کے ساتھ پرانا تعلق ہے اور اس کا خاندان پہلے سے حکومت کا وفادار چلا آرہا ہے، اس خاندان کے کسی لڑکے کے پاس جو ڈگری ہے، وہی ڈگری کسی دوسرے لڑکے کے پاس بھی ہے، لیکن جب نوکری دینے کی بات آئے گی تو ترجیح اسی کو دی جائے گی جس کا خاندان حکومت کا وفادار چلا آرہا ہے۔ اور اگر اس منصب و ملازمت کے لیے جس ڈگری کی ضرورت ہے اس ڈگری کا سرٹیفکٹ ہی اس نے حاصل نہیں کیا ہے؛ تو پھر کون کیا کرسکتا ہے؟ اس لیے اگر دونوں چیزیں ہوں گی تو فضیلت، درجات کی بلندی اور کامیابی جلدی مل جائے گی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تبرکات کب کام آسکتے ہیں؟

اس موقع پر حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک مثال سے بات کو سمجھایا ہے کہ دیکھو! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں عبداللہ بن اُبَی جو منافقوں کا سردار تھا، اس کا غزوۂ تبوک سے واپسی میں انتقال ہوا۔ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) بڑے مخلص مؤمن تھے، جب اُس کا انتقال ہوا تو انہوں نے آکر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ یارسول اللہ! میرے باپ کا انتقال ہوگیا ہے، آپ اپنا کرتہ عنایت فرمایئے، تاکہ اس کرتہ میں میں اس کو کفن دوں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کے کفن کے لیے اپنا مبارک کرتہ عنایت فرمایا، اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی جنازہ کی نماز پڑھی بلکہ اس کے منھ میں اپنا لعابِ دہن بھی رکھا اور اس کو قبر میں اتارا۔ (بخاری شریف، ۱۳۵۰) یہ سب کچھ ہوا، اس کے باوجود اس کی نجات نہیں ہوئی۔

ویسے آپ نے اپنا کرتہ کیوں عنایت فرمایا اس بارے میں کتابوں میں دو باتیں لکھی ہوئی ہیں، ایک تو یہ کہ اس کے بیٹے جو درخواست لے کر آئے تھے، وہ مخلص مؤمن تھے، ان کی دل جوئی کے لیے آپ نے کرتہ عنایت فرمایا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب قریش کے سردار قید پکڑے گئے تھے، اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے؛ وہ بھی قید پکڑے گئے تھے، جب ان کو قید پکڑ کرلایا گیا تو ان کے جسم پر کرتہ نہیں تھا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ سے فرمایا کہ ان کو کرتہ پہناؤ۔ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بڑے قدآور آدمی تھے، جب ان کے لیے کرتہ ڈھونڈا گیا تو سوائے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عبداللہ بن ابی کے کرتہ کے کوئی اور کرتہ ان کے ناپ کا ملا نہیں اس کا کرتہ ان کو فٹ آتا تھا، اس لیے اس نے ان کو کرتہ دیا تھا۔روایتوں میں ہے کہ حضور(ﷺ) نے سوچا کہ اس کے اس احسان کا بدلہ بھی اس کے دنیا سے جاتے جاتے چکا دیا جائے،اس لیے آپ نے اپنا کرتہ دیا تھا۔

(مسند الصحابۃ فی الکتب الستۃ۔۲۳/ ۱۳۳)

خیر!اس کے بعد اس کے بیٹے حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ میرے ابا کی جنازہ کی نماز پڑھایئے۔حضور(ﷺ) اس کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے، اور آپ نماز شروع کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے جاکر حضور کا کرتہ پکڑ لیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول!آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں؟اس نے تو یہ یہ حرکتیں کی ہیں،اس لیے کہ اس نے تو زندگی بھر اسلام و مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچایا تھا،فلاں موقع پر اس نے یوں کیا،فلاں موقع پر یوں کیا،فلاں موقع پر یوں کیا اور آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ہیں؟اور قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے فرمایا﴿اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ﴾ اے نبی! اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی دعاءِ مغفرت کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ دیا ہے تو پھر آپ کیوں اس کے لیے دعا کرتے ہیں؟ حضور(ﷺ) نے فرمایا کہ اے عمر!میرا کرتہ چھوڑو،اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ ستر سے زیادہ مرتبہ دعاءِ مغفرت کرنے سے اس کی معافی ہوجائے گی تو میں اس کے لیے ستر سے زیادہ مرتبہ بھی دعاءِ مغفرت کروں گا۔ پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی،اوراس کو قبر میں بھی رکھا اور اپنا لعابِ دہن اس کے منھ میں رکھا۔اور ابھی قبر بند کر کے وہاں سے ہٹے نہیں تھے کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ اے نبی! آئندہ اگر ان منافقوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو کسی کی نماز جنازہ مت پڑھیو۔ (بخاری شریف، ۱۳۶۶) ایسی پابندی لگ گئی۔ لیکن آپ (ﷺ) نے اس سے پہلے پڑھی تھی۔

تو حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو حکمتیں بیان کی گئی ہیں وہ سب اپنی جگہ پر ہیں، لیکن یہاں تو نبی کریم (ﷺ) آنے والی اُمت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ جو آدمی دنیا سے اس حال میں جارہا ہے کہ اس کے کفن میں اللہ کے آخری پیغمبر اور سارے پیغمبروں کے سردار کا کرتہ ہے، اس کے منھ میں حضور (ﷺ) کا لعابِ دہن ہے، اور اس کے جنازہ کی نماز اللہ کے پاک رسول نے پڑھی ہے؛ لیکن اس کے پاس ایمان نہیں ہے تو یہ سارے تبرکات اس کے لیے بے کار ہیں۔ تبرکات اسی وقت کام آسکتے ہیں جب کہ ساتھ میں اعمال بھی ہوں، صرف تبرکات سے کام نہیں چلتا ہے، تبرکات معین ضرور ہیں لیکن ایمان جو شرطِ اول ہے، اگر وہی نہ ہو تو پھر تبرکات کچھ کام نہیں دیں گے۔ گویا حضور (ﷺ) نے یہ سب اس لیے کیا تھا کہ آنے والی امت کو یہ سبق مل جائے کہ صرف تبرکات سے کچھ نہیں ہوگا جب تک کہ ساتھ میں ایمان و عملِ صالح نہ ہو، اس لیے اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم (ﷺ) کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے، اور اس محبت کے جو تقاضے ہیں ان کو پورا کرنے کی اور اس محبت کی نسبت سے جو اعمال انجام دینے چاہئیں ان اعمال کو انجام دینے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تَوقِیرُ الْعُلَمَآءِ وَالْکِبَارِ وَأَھْلِ الْفَضْلِ ﴿مجلس ۱﴾

علماء، بڑوں اور فضل و کمال والوں کا احترام و تعظیم کرنا

﴿ مجلس ۱ ﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ ۵/جون ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أما بعد:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ۔ (الزمر۔۹)

باب کا عنوان

علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے نیا عنوان قائم کیا "تَوْقِيْرُ الْعُلَمَآءِ وَالْكِبَارِ وَأَهْلِ الْفَضْلِ" علماء، عمر رسیدہ اور فضل وکمال والوں کا احترام و تعظیم کرنا، اور دوسروں کے مقابلہ میں ان کو ترجیح دینا اور ان کی مجلس وبیٹھک کو اونچا کرنا اور ان کے مقام ومرتبہ کو ظاہر کرنا۔ یعنی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے ان کے مقام ومرتبہ کی بلندی ظاہر ہو۔ اس باب میں انہوں نے تین چیزیں شامل کی ہیں۔ پہلی چیز ہے علماء کی تعظیم وتکریم کرنا، دوسری چیز ہے جو بڑی عمر والے لوگ ہیں ان کی تعظیم وتکریم کرنا، اور تیسری چیز ہے، جن میں کوئی فضل وکمال ہو ان کی تعظیم وتکریم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کرنا۔ پہلی چیز کے تحت علمی کمال کا تذکرہ آگیا ہے، لیکن اس کے علاوہ اور بھی ایسے اوصاف ہیں جن کو حاصل کرنے کی شریعت میں تاکید کی گئی ہے۔ جیسے کسی آدمی میں سخاوت ہے، شجاعت و بہادری ہے، اعمالِ صالحہ کا اہتمام ہے، لوگوں کی خدمت اور لوگوں کو راحت پہنچانے کا مزاج وجذبہ ہے، اس طرح کے اوصاف وخوبیاں جس میں ہوں ان خوبیوں و کمال کی وجہ سے اس کے ساتھ احترام و تعظیم کا معاملہ کرنا چاہیے۔

معاشرہ میں خوبیاں اس طرح پھیلتی ہیں

گویا شریعت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ کسی کے اندر جو خوبی موجود ہے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ اس کے ساتھ اکرام و تعظیم و توقیر کا معاملہ کیجیے، اور جن میں یہ خوبی نہیں ہے ان کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دو، ان کی اس خوبی کی وجہ سے ان کے ساتھ خصوصی اور امتیازی سلوک کرو، اس لیے کہ اگر آپ ان کے ساتھ ان کی خوبیوں کی وجہ سے اکرام و تعظیم کا معاملہ کریں گے تو یہی چیز دوسروں کے لیے بھی ترغیب کا سبب بنے گی، جیسے اگر آپ اہلِ علم کی تعظیم ان کے علم کی وجہ سے کریں گے تو یہی چیز دوسروں کے لیے بھی علم حاصل کرنے کی ترغیب کا ذریعہ بنے گی۔ جو لوگ سخاوت اور شجاعت والے ہیں اچھے اوصاف وخوبیوں کے مالک ہیں ان کی ان خوبیوں کی وجہ سے ان کے ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ کیا جائے گا تو دوسرے لوگوں کو ترغیب ہوگی کہ یہ خوبیاں ایسی ہیں جن کو حاصل کیا جانا چاہیے، ورنہ اگر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہ سلسلہ امت کے اندر نہیں رہے گا تو پھر لوگ ان کمالات کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے، اور خوبیوں کو خوبیاں نہیں سمجھیں گے اور ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

معیار بدل گیا

آج کل پیمانے، معیار اور قدریں بدل گئیں ہیں، وہ بچے جن کا زمانہ کمال اور خوبیوں کے حاصل کرنے کا ہوتا ہے، اس وقت اگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ فلم میں کام کرنے والے ایکٹروں کے ساتھ لوگ ایسا اچھا معاملہ کرتے ہیں کہ ان کے پیچھے لٹّو بنے ہوئے پھرتے ہیں اور ان کا نام بہت عزت کے ساتھ لیتے ہیں؛ تو آپ ہی اندازہ لگایئے کہ اس بچے کا ذہن کیا بنے گا؟ میں اور آپ اس کو چاہے کتنا ہی برا سمجھتے ہوں لیکن ایک بچہ اپنے اس بچپن کے زمانہ میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ ان کے ساتھ عزت کا معاملہ کر رہے ہیں، لوگ ان کا نام عزت سے لیتے ہیں، ان کو سر پر بٹھاتے ہیں، ان کے پیچھے پیچھے لٹّو بنے ہوئے پھرتے ہیں، ان کے نام سے اپنے بچوں کے نام رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمال والی کوئی شخصیت ہے، اس لیے ہمیں بھی یہ کمال حاصل کرنا چاہیے۔

ایک کرکٹر اچھا بیٹسمین (Batsman) ہے، اس کا نام چھوٹے بڑے، عورتیں مرد، بوڑھے نوجوان، پڑھے لکھے اور ان پڑھ؛ سب کے منھ پر ہے، اور جب سب ہی اس کے ساتھ عزت والا معاملہ کریں گے، اپنی مجلسوں میں اسی کے نام کا تذکرہ بہت خوبیوں کے ساتھ کریں گے،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

توآپ ہی بتلایئے کہ وہ بچہ جواس مجلس میں بیٹھاہوایہ سب دیکھے گااور سنے گاتو وہ کیا سمجھے گا؟وہ تویہی سمجھے گاکہ یہ ایسی چیزہے جوحاصل کرنی چاہیے تاکہ میں بھی بڑاہونے کے بعد جب ایسابنوں گاتومیرے ساتھ بھی سب لوگ اسی طرح کا معاملہ کریں گے،لوگوں کی مجلسوں میں میرے بھی چرچے ہوں گے، میرے نام سے لوگ اپنے بچوں کانام رکھیں گے۔

اکرام کس کاکیاجائے؟

اس لیے شریعت ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ اکرام کس کاکیاجائے؟عزت و احترام کا معاملہ کس کے ساتھ کیاجاناچاہیے؟اپنی مجلسوں میں کن لوگوں کاتذکرہ ہونا چاہیے؟کس کا نام لینے میں اورکس کے ساتھ سلوک کرنے میں آگے بڑھناچاہیے؟جن اوصاف کو حاصل کرنے کی شریعت نے ترغیب دی ہے اور سراہاہے،قرآن وحدیث میں ان کے فضائل بیان کئے گئے ہیں،اور اسلام نے جن خوبیوں کی تعلیم دی ہے وہ خوبیاں جس آدمی میں جس درجہ میں پائی جاتی ہوں،اس آدمی کے ساتھ اسی درجہ میں اکرام و محبت کااور تعظیم و حسنِ سلوک کامعاملہ کرناچاہیے،جیسے ایک آدمی میں علم بھی ہے، اخلاق بھی ہیں، عمل بھی ہے،سخاوت وشجاعت بھی ہے،اور بھی بہت ساری خوبیاں ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ اسی درجہ عزت واحترام اوراکرام کااور مجلسوں میں اس کوبڑا بنانے کا معاملہ کیاجائے گا۔

ایک آدمی ایساہے جولوگوں کی خدمت کرتاہے اوربے سہارالوگوں کوسہارا دیتا ہے اوربھوکوں کوکھاناکھلاتاہے،بیماروں کی خدمت کرتاہے،مظلوموں کی مددکرتا ہے، لوگوں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کومصیبت کے وقت کام آتا ہے، تو یہ سب وہ خوبیاں ہیں جن کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ یہ کام کرنے چاہئیں۔ تواب انہیں اوصاف کی بنیاد پر پورے معاشرہ کا فریضہ اور ذمہ داری ہے کہ اس آدمی کا اکرام کرے، اور اس کے ساتھ احترام کا امتیازی سلوک کرے، جب یہ ہوتا ہوا دیکھا جائے گا تو یہی چیز معاشرہ میں بچوں کی تربیت کا ذریعہ بنے گی۔

بچوں کا مزاج کیسے بنتا ہے؟

آج کل ہمارے بچوں کا مزاج کیوں نہیں بنتا؟ ہم ان بچوں کے سامنے کتنی تقریریں کریں کہ نماز کی پابندی کرو، اچھے اخلاق سیکھو، اپنے اندر تواضع پیدا کرو، لیکن جب وہ بچے دیکھتے ہیں کہ جو نمازوں کا اہتمام کرنے والا ہے، جو علم سیکھے ہوئے ہے اور جس میں تواضع اور اخلاق ہیں، اس کے ساتھ تو بڑائی کا کوئی معاملہ کیا ہی نہیں جاتا، تو اب اس بچے کے سامنے ہم روزانہ ایک گھنٹہ تقریر کریں، تب بھی اس کے دل میں ان خوبیوں کی کوئی اہمیت نہیں بیٹھے گی، وہ بچہ تو معاشرہ وسماج کو دیکھتا ہے کہ جو اوصاف وخوبیاں مجھے بتلائی جارہی ہیں، اور جن کو سیکھنے کے لیے مجھے آمادہ کیا جارہا ہے، اور جس کے لیے مجھ پر اتنی محنت کی جارہی ہے؛ ان خوبیوں اور اوصاف کا ہمارے معاشرہ میں ویلیو اور قیمت ہی کیا ہے؟ ان خوبیوں والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے؟

آج کل ہمارے بچے جو دوسری لائنوں پر پڑ رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ ہم چاہے مجلسوں اور مدرسوں میں بیٹھ کر اور دیندار لوگ اپنے گھروں میں اپنے بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، لیکن اس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے باوجود بچے اِدھر کیوں نہیں آتے؟اس لیے نہیں آتے کہ وہ معاشرہ اور سماج میں دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی تو کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔

ایک عمدہ مثال

آپ تاجر لوگ ہیں، آپ تجارت کے لیے اسی چیز کا انتخاب کریں گے جس کی ڈیمانڈ ہو، اور جس چیز کی ڈیمانڈ زیادہ ہوگی اسی کو آپ اپنا سبجیکٹ (Subject) بنائیں گے کہ آج کل اس کا چلن ہے۔ جیسے آپ ڈائنگ مل والے ہیں تو جس ڈیزائن کا زیادہ چلن ہوگا اسی کو بنانے کی آپ زیادہ کوشش کریں گے۔معاشرہ کا بھی یہی حال ہے،ہم لوگ آج اپنے بچوں کو تعلیم دینے کے باوجود جو ناکام ہورہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے معاشرہ میں ان اوصاف کو وہ مقام نہیں دیا جس کی شریعت نے ہمیں تعلیم دی تھی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ جن لوگوں میں یہ خوبیاں ہوا کرتی تھیں،ان کو لوگوں کے درمیان ایک مقام حاصل ہوا کرتا تھا، لوگوں کے دلوں میں ان کے واسطے عزت و احترام کے جذبات ہوا کرتے تھے،جب وہ لوگوں کی مجلسوں میں پہنچ جاتے تھے تو لوگ ان کو اونچا بٹھاتے تھے،ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے،ان کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ کرتے تھے۔آج اس قسم کے لوگ ہمارے سماج اور کمیونٹی میں موجود ہوتے ہیں اور ہم ان کو جانتے ہیں اس کے باوجود ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جاتا،تو پھر دوسرے لوگ ان اوصاف کو کیوں حاصل کریں گے؟اور جو نئی نسل آرہی ہے وہ ان خوبیوں کی اہمیت کو کیا سمجھے گی؟ نئی نسل تو یہی سمجھے گی کہ ہاں!ایک کرکٹر کا اتنا مان پان

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہے تو میں بھی کرکٹر ہی بنوں گا۔ آپ کسی بھی بچے کو پوچھ لیجئے کہ تو کیا بننا چاہتا ہے؟ تو وہ اپنی آنکھوں سے جو ہوتا ہوا دیکھتا ہوگا، اسی کے متعلق کہے گا کہ میں یہ بننا چاہتا ہوں۔ اصل بات یہی ہے۔

اچھائیوں میں تنزلی کی وجہ

تو اسلام نے جو یہ تعلیم دی ہے کہ علماء اور عمر رسیدہ جنہوں نے اپنی عمریں اسلام کے اندر پوری کیں جیسا کہ آگے آرہا ہے، یا جس میں کوئی ایسا کمال اور خوبی ہے جس کو سیکھنے اور حاصل کرنے کی اسلام نے تعلیم دی ہے، اس خوبی کی وجہ سے آپ اس کا اکرام کیجئے، جب اسلام اس خوبی کو حاصل کرنے کی تلقین و تعلیم دے رہا ہے تو ساتھ میں یہ بھی تاکید کر رہا ہے کہ جس میں یہ خوبی پائی جارہی ہے اس کے ساتھ آپ ادب اور تعظیم و تکریم کا معاملہ کیجئے، اس لیے کہ اگر یہ دونوں باتیں ہوں گی تب ہی اس خوبی کو بڑھاوا ملے گا، ورنہ یہ خوبی پنپنے والی نہیں ہے، کوئی بھی اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا آج کل اچھائیوں میں جو کمی آرہی ہے وہ ہمارے طرزِ عمل کی وجہ سے ہی آرہی ہے۔ جب ایک بچہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی کے پاس اچھی موٹر کار ہے یا دولت اور بینک بیلنس ہے تو چاہے اس نے وہ دولت حرام طریقہ سے کمائی ہو، تب بھی معاشرہ میں اس کا ایک مقام ہے، اس چیز کو دیکھ کر بچے کا ذہن یہی بنے گا کہ جس طرح بھی ہو؛ یہ دولت حاصل کرو، اب اگر دو چار کو گرا کر بھی دولت ملتی ہوگی تو وہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، پھر حلال و حرام کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تمیز بھی وہ نہیں دیکھے گا۔حالانکہ ایک زمانہ وہ تھا کہ کوئی کیسا ہی دولت مند ہو، اگر اس نے غلط طریقہ سے وہ دولت کمائی ہوتی تو معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا تھا، اس کے یہاں کھانا کھانے کے لیے بھی لوگ تیار نہیں ہوتے تھے۔یہ ایک حقیقت ہے جس کو بوڑھے لوگ جانتے ہیں، لیکن آج کل وہ معاملہ نہیں رہا،ہمارے یہاں معیار بدلتے جارہے ہیں۔اسی لیے علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) الگ سے مستقل ایک باب قائم کرکے ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کررہے ہیں کہ قرآنِ پاک اور حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیے وہ بھی ہمیں بتلایا گیا ہے،اورہمیں قرآن وحدیث کی اسی تعلیم کے مطابق ایسے لوگوں کے ساتھ برتنا چاہیے، اوران کے ساتھ اعزاز وتکریم کا معاملہ کرنا چاہیے،جب تک معاشرہ میں یہ بات نہیں پائی جائے گی وہاں تک کوئی بھی آدمی ان خوبیوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا اورجب یہ سب صورتیں ہوں گی توان شاء اللہ ایسی خوبیاں معاشرہ کے اندر پیدا ہوں گی اوران کو حاصل کرنے کے لیے کوششیں کی جائیں گی۔

کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟

اس سلسلہ میں پہلی آیت پیش کی ہے:﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الزمر۔۹)اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو علم والے ہیں وہ اورجو علم والے نہیں ہیں؛ کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ظاہر ہے کہ دونوں کا مرتبہ و مقام برابر نہیں ہوسکتا،جو مرتبہ ومقام اللہ تعالیٰ کے یہاں اہلِ علم کو حاصل ہے،جولوگ اس کمال سے خالی ہیں ان کو وہ مقام حاصل

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نہیں ہوگا۔اس لیے کہ کسی خاص چیز کے حاصل کرنے پر جوانعام ملا کرتا ہے وہ چیز اگر ہوگی تب ہی انعام ملے گا،اوراگروہ چیز نہیں ہوئی تو نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی علم کے حاصل کرنے پر جو فضیلتیں قرآنِ پاک اوراحادیث میں بتلائی گئی ہیں،اگر آپ علم حاصل کریں گے تو وہ فضیلتیں حاصل ہوں گی،ورنہ نہیں ﴿إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ جو عقلمنداور سوجھ بوجھ والے ہیں وہی نصیحت حاصل کیا کرتے ہیں۔

منصبِ امامت کی تفصیل

حدیث ۳۴۸

عن أبي مسعود عقبة بن عمرو البدري الأنصاري (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم): يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً، فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا، وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو البدری الانصاری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی امامت وہ آدمی کرائے جو اللہ کی کتاب کو پڑھنا سب سے زیادہ اچھا جانتا ہو۔ اگر وہ قرآن کے علم کے اندر برابر اور یکساں ہیں تو ان میں جو آدمی سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔اگر وہ اس میں بھی برابر ہوں تو جو ہجرت میں مقدم ہو اس کو ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر وہ ہجرت میں بھی یکساں ہوں تو پھر جو ان میں عمر میں بڑا ہو۔اوراگر کوئی آدمی ایسی جگہ پہنچے جہاں کسی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دوسرے کی امارت اور اختیارات چلتے ہوں تو وہ وہاں امامت نہ کرائے۔ اور اگر کسی کے گھر میں جائے تو صاحبِ خانہ کی جگہ پر نہ بیٹھے الا یہ کہ وہ اجازت دیدے۔

افادات: امامت دینی مناصب میں بہت اونچا منصب سمجھا جاتا ہے، نبیٔ کریم (ﷺ) نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں اور آپ کے بعد خلفاءِ راشدین نے یہ سلسلہ جاری رکھا، یعنی حضور (ﷺ) کے زمانہ میں حضور کے علاوہ کوئی آدمی امامت نہیں کراتا تھا، آپ کے بعد خلفاءِ راشدین: حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) جو امت میں اسی ترتیب سے سب سے افضل ہیں، وہی حضرات اپنے زمانہ میں حکومت کا کاروبار بھی سنبھالتے تھے اور یہی حضرات نمازوں میں امامت بھی کراتے تھے۔

لفظ امامت عربی میں دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، نماز کے اندر جو آدمی امامت کراتا ہے اس کے لیے بھی، اور اسلامی حکومت کا جو بادشاہ ہوا کرتا ہے، اس کے لیے بھی لفظ امام استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے فقہاء نے امامت کی دو قسمیں لکھی ہیں، امامتِ کبریٰ اور امامتِ صغریٰ۔ امامتِ کبریٰ یعنی پورے ملک کی سربراہی۔ اس لیے جو سربراہِ اعلیٰ ہوتا ہے وہ بھی امام کہلاتا ہے۔ اور جو نماز پڑھانے والا ہوتا ہے اس کو بھی امام کہتے ہیں۔

پھر بعد کے زمانوں میں ایسے لوگ حکومت کی کرسی پر آنے لگے کہ جو علم سے کورے ہوتے تھے، اور ان میں مسجد میں نماز کی امامت کی صلاحیت نہیں ہوتی تھی، تو مجبوراً یہ دونوں منصب ڈِوائڈ (Divide) اور تقسیم ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی تو امامت نہیں کرا سکتا تھا تو ایسے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لوگوں کو آگے بڑھانا پڑا جو علم والے ہوتے تھے۔اس لیے بغیر علم کے آدمی کرسی پر تو بیٹھ سکتا ہے لیکن مصلیٰ پر تو بغیر علم کے آہی نہیں سکتا۔اس لیے یہ تقسیم ہوئی اور یہ سلسلہ آج تک چل رہاہے،ورنہ اسلام میں اصل تو یہی ہے کہ جو سربراہِ اعلیٰ ہو،وہ علم کے اعتبار سے بھی سب سے فائق ہو اور منصب کے اعتبار سے بھی بڑھا ہوا ہونا چاہیے۔

امامت کا سب سے زیادہ حقدار کون؟

خیر!تو حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں جو آدمی قوم میں سب سے زیادہ پڑھا ہوا ہو،وہ امامت کرائے۔اور اگر دو آدمی قرآن کے علم کے اندر برابر اور یکساں ہیں تو ان میں جو آدمی سنت کا زیادہ علم رکھتا ہو وہ امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ویسے ائمہ میں امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) اور امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے،یہ سب حضرات اس طرف گئے ہیں کہ جو آدمی مسائل کا زیادہ جاننے والا ہو، بشرطیکہ قرآنِ پاک بھی صحت کے ساتھ پڑھنا جانتا ہو،تو پھر وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

چوں کہ فقہاء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ نماز میں کئی ارکان ہیں۔تو علم اور مسائل کی ضرورت تو پوری نماز میں پڑتی ہے۔اور حسنِ قراءت یعنی قرآنِ پاک کے اچھا پڑھنے کی ضرورت صرف ایک رکن میں پڑتی ہے، اس لیے جس چیز کی ضرورت نماز کے تمام ارکان میں پڑتی ہو،وہ چیز جس کے پاس ہو،وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔اس کے مقابلہ میں جس کے اندر ایک ہی چیز زیادہ پائی جاتی ہو یعنی حسنِ قراءت؛اس کا نمبر بعد میں ہے۔اس لیے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فقہاء نے بھی ترتیب یہی لکھی ہے کہ جو آدمی مسائل کا زیادہ جاننے والا ہے اور ساتھ میں قراء ت کی صحت بھی ہو تو وہ سب سے زیادہ حقدار ہے۔

اس کے بعد اگر دو امام ایسے ہیں کہ مسائل نماز جاننے میں دونوں کی سطح برابر ہے تو پھر ان دونوں میں جو اچھا پڑھنے والا اور ماہر ہو؛ اس کو ترجیح دی جائے گی۔

پھر حضور (ﷺ) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جو سنت کے اعتبار سے زیادہ ہو، یعنی فقہاء نے جو ترتیب بتلائی ہے اس میں قراء ت کے بعد یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہجرت بھی ایک چیز تھی تو ہجرت کے اندر جو پرانا ہو اس کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لیے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ میں اسلام لاتے تھے ان کے لیے یہ فرض تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں، جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں وہاں تک ان کا ایمان مکمل نہیں سمجھا جاتا تھا، بعد میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو پھر یہ حکم باقی نہیں رہا۔ تو ان میں بھی جو پہلے ہجرت کر کے مدینہ آیا ہو وہ اس وصف میں پرانا ہوا۔ اور اگر ہجرت کے اعتبار سے بھی دونوں برابر ہیں تو پھر جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہو۔ کیوں کہ اس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ اسلام کے اندر گذارا ہے، اس لیے اس کو ترجیح دی جائے گی۔

مہمان از خود امامت نہ کرائے

اور اگر کوئی آدمی ایسی جگہ پہنچے کہ جہاں کسی دوسرے کی امارت اور اختیارات چلتے ہوں تو وہ وہاں اس کی امامت نہ کرائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کے یہاں مہمان

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہو کر گئے، اور اس کے گھر میں نماز پڑھنے کی نوبت آئی، تو صاحبِ خانہ اگر امامت کرانے کی اہلیت رکھتا ہے تو مہمان کو چاہیے کہ امامت نہ کرائے، بلکہ صاحبِ خانہ ہی امامت کرائے، اس لیے کہ وہ اپنے دائرۂ حکومت میں ہے، جہاں وہ رہتا ہے وہ وہاں کا سربراہ ہے، اور وہاں کے رہنے والے سب اس کے ماتحت ہیں، اب اس کی موجودگی میں اگر دوسرا آدمی امامت کرائے گا تو اس کے منصب پر زد پڑے گی۔

دیکھو! اسلام نے لوگوں کے جذبات کی کتنی رعایت کی ہے کہ دوسرے کی جگہ پر جاکر آپ اپنا حکم مت چلاؤ، وہاں تو اسی کا حکم چلے گا، اس لیے وہاں تو وہی امامت کرائے گا۔ ہاں! اگر وہ مہمان کے اکرام کے طور پر درخواست کرے، اور کہے کہ آپ نماز پڑھائیے اور اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے مہمان نماز پڑھائے تو پھر بات دوسری ہے، لیکن اصل تو یہی ہے کہ مہمان کو از خود آگے نہیں بڑھنا چاہیے، ورنہ یہ چیز اس آدمی کے دائرۂ اختیار پر زد ڈالنے، اور اس کو مجروح کرنے والی ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں دی۔

کسی کی خاص بیٹھک پر مت بیٹھو

اور اگر کسی کے گھر میں جائے تو صاحبِ خانہ کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صاحبِ خانہ اپنے گھر میں اپنی بیٹھک کے لیے کوئی مخصوص جگہ بناتا ہے جیسے آپ جانتے ہیں کہ دفتر اور آفس میں سیٹھ کے لیے کرسی متعین ہوتی ہے، اور بھی بہت ساری کرسیاں ہوتی ہیں لیکن سیٹھ کی اپنی ایک الگ کرسی ہوتی ہے، تو اگر آپ کسی کی آفس اور دفتر میں جائیں تو سیٹھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی کرسی پر ہرگز نہ بیٹھیں، ہاں اگر وہ اجازت دے یا وہ خود بٹھائے تو بیٹھئے۔ ہمارے اکابر تو اس بات کا بھی اہتمام کرتے تھے کہ اس کے بٹھانے کے باوجود بھی کوشش یہی کرتے تھے کہ وہاں نہ بیٹھیں، اس لیے کہ یہ اس کی مخصوص جگہ ہے، آپ اگر اس پر بیٹھیں گے تو اس کے دل پر اثر پڑے گا۔اسی طرح مکان میں بھی اگر اس نے اپنے بیٹھنے کے لیے کوئی مخصوص جگہ بنائی ہے تو اس پر نہ بیٹھے دوسری جگہوں پر بیٹھئے۔

یہاں تو اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے قرآنِ پاک اور سنت کا علم اور ہجرت کی وجہ سے امامت جیسے منصب کے لیے ترجیح دی۔جیسا کہ اس باب کے عنوان میں ایک بات بتلائی تھی "وتقدیمھم علیٰ غیرہ" جن میں جو جو کمالات ہیں، ان کی وجہ سے ان کو دوسروں کے مقابلہ میں فوقیت اور ٹوپ پوزیشن دی جائے گی اور آگے رکھا جائے گا، جس میں جتنے زیادہ کمالات ہیں اسی حساب سے اس کو آگے بڑھایا جائے گا، اور اسی مناسبت سے اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔

صفوں کی درستگی کا ایک بڑا دنیوی فائدہ

حدیث ۳۴۹

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُوْلُ: اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ ـ لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ـ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت ابو مسعود (رضی اللہ عنہ) کی ہی روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کے لیے ہمارے کندھوں کو چھوتے، اور فرماتے تھے صفیں درست کرو آگے پیچھے مت کھڑے رہو، ورنہ تمہارے دلوں میں کجی آجائے گی۔ تم میں جو لوگ بالغ اور سمجھ دار ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں اور پھر اسی مناسبت سے اور لوگ رہیں

افادات: نماز سے پہلے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) صفوں کو درست کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ شروع میں جب لوگ اس بات کے عادی نہیں بنے تھے تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) باقاعدہ پوری صف میں جاکر لوگوں کے کندھوں کو ملا ملا کر درست کرتے تھے، اور جب لوگ اس کے عادی بن گئے، اور آپ کے بار بار اس طرح کرنے کی وجہ سے لوگ جب سیکھ گئے اور آپ نے یہ محسوس کیا کہ اب لوگوں کے پاس جا جاکر کندھوں کو ملانے کی ضرورت نہیں ہے، تو آپ زبانی تاکید فرمادیا کرتے تھے "اِسْتَوُوْا " سیدھے کھڑے رہو، صفیں درست کرو۔ اس لیے امام کو بھی چاہیے کہ صفوں کی درستگی کا اہتمام کرے۔ ہاں! اگر لوگ خود اپنے طور پر درستگی کا اہتمام کرتے ہیں تو پھر امام کے لیے ضروری نہیں ہے، پھر بھی زبان سے کہہ دینا کہ صفیں درست کرو، یہ مستحب قرار دیا گیا ہے۔ اور اگر مقتدی صفیں درست نہ رکھتے ہوں تو امام کے لیے صفیں درست کروانا ضروری ہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ اگر صفیں درست نہیں ہوں گی اور آگے پیچھے کھڑے رہو گے تو اس کا اثر دلوں پر پڑے گا اور تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہوجائے گا، گویا صفوں کی درستگی دلوں کو درست کرتی ہے، اگر لوگ اس کا اہتمام کریں صفیں سیدھی کرکے کھڑے رہیں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تواس کا قدرتی اثر یہ پڑے گا کہ دلوں کے اندر بھی محبت، اتفاق واتحاد پیدا ہو گا اور اگر آگے پیچھے کھڑے رہیں گے تو اس کا اثر دلوں پر پڑے گا۔ اور دلوں میں اختلاف پیدا ہو گا۔

امام کے قریب کون کھڑا رہے؟

پھر حضور(ﷺ) نے فرمایا کہ تم میں جو لوگ بالغ اور سمجھ دار ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں اور پھر اسی مناسبت سے اور لوگ رہیں یعنی نبی کریم (ﷺ) کے پیچھے نماز کی پہلی صف میں وہ لوگ حضور سے قریب رہیں جو زیادہ سمجھ دار اور پڑھے لکھے ہوں، اس کا آپ (ﷺ) نے بڑا اہتمام کیا۔ اور ترتیب یہی ہونی چاہیے کہ جو زیادہ پڑھے ہوئے لوگ ہوں وہ امام کے قریب ہوں۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کبھی امام کو ضرورت پیش آجاتی ہے مثلاً امام کا وضو ٹوٹ گیا تو مسئلہ یہ ہے کہ امام اشارہ سے کسی کو اپنا نائب بنا کر وضو کے لیے چلا جائے اور وہ آدمی نماز کو جاری رکھے گا۔ اب اگر پیچھے ایسے لوگ ہیں جو مسائل سے واقف ہیں تو امام اپنی اس ذمہ داری کو پوری کر سکے گا۔ کبھی قراءت میں غلطی ہوتی ہے تو لقمہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہم لوگ تو صرف رمضان میں امام کے پیچھے سامع بنا کر حافظ کو کھڑا کرتے ہیں، باقی دنوں میں وہ کہیں بھی کھڑا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ حدیثِ پاک کی تعلیم یہ ہے کہ جو جانکار لوگ ہیں ان کو پہلے موقع دیا جائے۔ بلکہ نبی کریم(ﷺ) اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بزرگوں کی مجلس کے آداب

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) نماز کے لیے تشریف لائے تو ایک نوجوان آگے کھڑا تھا، انہوں نے اس کو وہاں سے ہٹا دیا اور خود کھڑے ہو گئے، نماز کے بعد اس سے کہا کہ برا نہ مانیو، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔اسی موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ بزرگوں اور اہلِ علم کی مجالس میں بھی جو بڑے اور سمجھ دار اہلِ علم ہوں، جو ان کی باتوں کو سمجھنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں، ان کو آگے بیٹھنے کا موقع دیا جائے، اور اسی کے ساتھ ان کو بھی آگے بیٹھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔اب یہ ہے کہ جب مجلس لگنے جارہی ہے اس وقت تو وہ پیچھے رہیں اور جب مجلس لگ چکی اس کے بعد آگے آنے لگیں تو یہ بھی برا ہے۔اسی لیے آگے ایک روایت میں آنے والا ہے "وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ" تم بازاروں کے شورو شغب سے بچو، اس کی ایک وجہ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ جو آدمی اپنے آپ کو بازاروں میں گھومنے پھرنے کے اندر مشغول رکھے گا تو اس کو آگے رہنے کا موقع نہیں ملے گا۔

تو دیکھئے! یہاں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تاکید فرمائی کہ جو بالغ، عقل مند اور سمجھ دار لوگ ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے خاص تاکید یہ فرمائی کہ نماز میں بھی وہ میرے قریب رہیں، دیگر مجالس کا بھی یہی حکم ہے۔اب ظاہر ہے کہ ان اوصاف کی وجہ سے جب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ان کو مجالس میں آگے جگہ ملے گی، تو پھر چھوٹے بھی ان اوصاف کو حاصل کرنے کا اہتمام کریں گے۔

سمجھ دار مجھ سے قریب رہیں

حدیث ۳۵۰

وعن عبدِاللهِ بنِ مسعودٍ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُوا الْأَحْلامِ وَالنُّهىٰ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ـ ثلاثاً ـ وَإِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ ـ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: تم میں جو بالغ، عقل منداور سمجھ دار ہیں وہ مجھ سے قریب رہیں، پھر جن کی سوجھ بوجھ ان سے ذرا کم ہے، وہ ان کے قریب رہیں، اسی طرح ترتیب رہے گی۔ اوراپنے آپ کو بازاروں کے شورو شغب سے بچاؤ۔

افادات: گویا اس میں بھی ترتیب اور کیٹیگری ہے، جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ آگے رہیں، پھر اس سے کم، پھر اس سے کم اور اسی اعتبار سے آگے سلسلہ رہے گا۔

زمین کا سب سے پسندیدہ ٹکڑا

اوراپنے آپ کو بازاروں کے شوروشغب سے بچاؤ یعنی آدمی کو بازاروں میں زیادہ وقت گذارنا نہیں چاہیے، ہاں! یہ ایک ضرورت کی چیز ہے۔ ایک کاروباری آدمی ہے جب تک کاروبار کا معاملہ ہے وہاں تک بازار میں رہے، جب کاروبار کا سلسلہ ختم ہو تو وہاں سے ہٹ جائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یا جو کاروباری نہیں ہے، اور کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت پیش آئی تو جہاں تک یہ ضرورت ہے وہاں تک بازار جائے، لیکن خریدنے سے فارغ ہونے کے بعد پھر اپنا وقت بازار میں لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ویسے بھی تاکید آئی ہے، نبی کریم (ﷺ) سے ایک مرتبہ ایک آدمی نے آکر سوال کیا "أَيُّ الْبِقَاعِ أَحَبُّ" اے اللہ کے رسول! زمین کے خطوں میں سب سے زیادہ محبوب اور اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ ٹکڑا کون سا ہے؟ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، حضرت جبرئیل آویں تو میں پوچھ کر بتاؤں۔ چنانچہ حضرت جبرئیل آئے تو ان سے پوچھا، انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں باری تعالیٰ سے پوچھ کر بتاؤں۔ چنانچہ وہ گئے اور آکر کہا کہ آج تو میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا کہ کبھی اتنا قریب نہیں ہوا تھا اور میں نے یہی سوال کیا تو باری تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا "أَحَبُّ الْبِقَاعِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِقَاعِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا" زمین میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ حصے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں مسجدیں ہیں، اور زمین میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ حصے بازار ہیں۔ (کشف الخفاء ۱۲۰)

اب ہمیں اپنے متعلق فیصلہ کرنا ہے کہ ہمارا جی کہاں زیادہ لگتا ہے، مسجدوں میں یا بازار کے اندر؟؟

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فارغ وقت گذارنے کی جگہ

بہرحال! بازار کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں جانا جائز ہی نہیں ہے، اس لیے کہ وہ ایک ضرورت کی چیز ہے، جس طرح بیت الخلاء ہوتے ہیں، کوئی آپ کو یہ نہیں کہے گا کہ بیت الخلاء جانا جائز نہیں ہے، ایک فطری تقاضہ کے لیے وہاں جانا ہی پڑتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ کوئی آدمی بیت الخلاء کو اپنی بیٹھک کے طور پر پسند کرتا ہو کہ چلو! فارغ وقت ہے تو وہاں جاکر بیٹھتے ہیں۔ تو جس طرح فارغ وقت کو وہاں گذارنا کوئی پسند نہیں کرتا، اسی طریقہ سے یہ سوچ بھی بدلنے کی ضرورت ہے کہ فارغ وقت ہے اس لیے چلو! بازار میں جاکر بیٹھتے ہیں، دوکان پر جاکر ٹائم پاس کرتے ہیں۔ یہ جگہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، یہ ایک ضرورت کی چیز ہے، کاروبار کی نسبت سے جانا ہے تو جایئے، کوئی چیز خریدنے کے لیے جانا ہو تو جایئے، لیکن اگر نہ کاروباری ضرورت ہے، نہ کوئی چیز خریدنے کی ضرورت ہے، نہ کوئی اور کام ہے؛ تو پھر وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کہیں جاکر بیٹھنا ہے تو مسجد سب سے زیادہ اچھی جگہ ہے۔

بہرحال! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ بازاروں کے شور و شغب سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اور خاص طور پر یہ تاکید اسی لیے فرمائی گئی کہ جو آدمی بازاروں کے اندر مشغول رہے گا اس کو کبھی پہلی صف میں آنے کی توفیق نہیں ہوگی، پہلی صف میں آنے کی عادت تو اسی وقت پڑے گی جب بازاروں سے دل کم لگا ہوا ہو۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پہلی بات پر اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب کہ بازاروں کے ساتھ تعلق و نسبت ضرورت کے درجہ میں کم سے کم رکھی جائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

غزوۂ خیبر کا پس منظر

حدیث ۳۵۱

وَعَنْ أَبِي يَحْيَى وَقِيلَ أَبِي مُحَمَّدٍ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ الْأَنْصَارِي (رضی اللہ عنہ) قَالَ: اِنْطَلَقَ عَبْدُاللهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ إِلٰى خَيْبَرَ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صُلْحٌ، فَتَفَرَّقَا، فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلٰى عَبْدِاللهِ بْنِ سَهْلٍ وَهُوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهٖ قَتِيْلاً فَدَفَنَهٗ، ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ. فَانْطَلَقَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَحُوَيِّصَةُ اِبْنَا مَسْعُوْدٍ إِلَى النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم)، فَذَهَبَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ يَتَكَلَّمُ، فَقَالَ: كَبِّرْ كَبِّرْ، وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ، فَسَكَتَ، فَتَكَلَّمَا فَقَالَ: أَتَحْلِفُوْنَ وَتَسْتَحِقُّوْنَ قَاتِلَكُمْ؟ وَذَكَرَ تَمَامَ الْحَدِيْثِ۔ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت سہل بن ابوحثمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود (یہ دونوں صحابی ہیں ان دونوں کے باپ آپس میں چچازاد بھائی تھے، گویا یہ دونوں دو چچازاد بھائیوں کے بیٹے ہیں۔) ایک مرتبہ خیبر گئے۔ یہ صلح حدیبیہ کا زمانہ تھا۔ پھر دونوں الگ ہوئے۔ حضرت محیصہ جب عبداللہ کے پاس پہنچے تو وہ اپنے خون میں لت پت ہورہے تھے (کسی نے خون کردیا تھا) ان کو دفن کیا، اور مدینہ آئے۔ عبدالرحمن، حویصہ اور محیصہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں گئے، عبدالرحمن بولنے لگے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بڑے کو بولنے دو۔ یہ چھوٹے تھے اس لیے چپ ہوگئے۔ تب ان دونوں نے بات کی، تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت کیا: کیا تم قسم کھاتے ہو اور قاتل سے حق کا مطالبہ کرتے ہو؟ اور پوری حدیث ذکر کی۔

افادات: خیبر: یہ مدینہ منورہ سے بارہ فرسخ کی دوری پر واقع ایک جگہ ہے جو یہودیوں کی آبادی تھی اور وہاں کھجوروں کے باغات بہت زیادہ تھے۔ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی اور وہاں سے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

واپس لوٹ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۂ فتح نازل کی گئی جس میں خیبر کی فتح کی بشارت سنائی گئی اور پھر صلح حدیبیہ کے دو تین مہینہ بعد ہی ۷ ھ میں ماہِ محرم میں نبی کریم (ﷺ) اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے حضراتِ صحابہ کرام کی ایک فوج لے کر وہاں گئے اور اللہ تعالیٰ نے خیبر فتح کرایا اور سارا خیبر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، بہت سے یہودی مارے گئے اور پھر انہوں نے خیبر حوالہ کر دیا۔ یہودیوں کی شرارتیں بھی بہت زیادہ تھیں اس لیے نبی کریم (ﷺ) نے فیصلہ یہ فرمایا کہ تمام یہودی خیبر چھوڑ کر چلے جائیں، لیکن ان لوگوں نے درخواست دی کہ یہ تو آپ نے فتح کر ہی لیا ہے اور یہاں کی زمینیں اور باغات آپ لوگوں کی ملکیت میں آگئے ہیں، اب اگر آپ ہمیں یہاں سے نکال دیں گے تو یہاں کے باغات اور زمینوں کی کھیتی باڑی آپ لوگوں ہی کو سنبھالنا پڑے گی، اس لیے ہماری طرف سے درخواست یہ ہے کہ ہم لوگوں کو یہیں رہنے کا موقع دیا جائے، ہم یہ باغات اور زمینوں کو سنبھالیں گے، اس میں کھیتی باڑی کریں گے اور جو پیداوار ہوگی اس میں سے آدھا حصہ ہم کو دیجیو اور آدھا آپ لینا، اس طرح ان زمینوں کی دیکھ بھال اور ذمہ داریوں سے آپ لوگ سبکدوش اور آزاد رہیں گے اور آمدنی کا حصہ بھی ملتا رہے گا۔ جب نبی کریم (ﷺ) کے سامنے یہ بات پیش کی گئی تو آپ نے بھی اس کو منظور فرمالیا، اس لیے کہ وقت کا تقاضہ بھی یہی تھا، لیکن نبی کریم (ﷺ) نے ایک فیصلہ یہ بھی فرمادیا کہ جب تک ہم چاہیں گے وہاں تک تم کو رہنے دیں گے، پھر جب ہم یہ فیصلہ کریں کہ اس جگہ کو چھوڑ دو تو چلے جانا پڑے گا۔ بعد میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے دورِ خلافت میں ان لوگوں کو وہاں سے نکالا تو وہ لوگ شام کے علاقہ میں آکر آباد ہوئے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خیر!جب یہ صلح ہوئی تو یہاں کی زمینیں اور باغات نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان میں مالکانہ حیثیت سے تقسیم فرمادیئے،اور جس کا جیسا جیسا حصہ تھا ہر ایک کے حصہ میں وہاں کی اتنی زمینیں آئیں،اور تمام مسلمانوں نے اپنی زمینیں کھیتی باڑی کرنے اور سنبھالنے کے واسطہ یہودیوں کے حوالہ کی تھیں۔جب کھجوروں کی یا دوسری کھیتی کی پیداوار ہوتی تھی تو آدھا حصہ ان کو دیتے تھے،اور آدھا مسلمان لیتے تھے،اسی کو بٹائی پر دینا کہتے ہیں اور اسی کو عربی زبان میں "مُزَارَعَۃ" کہتے ہیں اور خیبر کی نسبت سے اس کا نام "مُخَابَرَۃ" بنا ہے اس لیے اس کو "مُخَابَرَۃ" بھی کہتے ہیں۔

خیر!تو جن حضرات کے باغات اور زمینیں وہاں تھیں وہ حضرات کبھی کبھار ان باغات کو دیکھنے اور خبر گیری کے لیے جایا کرتے تھے۔زمین والے اپنی زمین کسی کو حوالہ کرتے ہیں تو وہ سال کے درمیان کبھی کبھار وہاں جاکر دیکھتے ہیں کہ زمین کا کیا حال ہے،خاص کرکے جب پیداوار کا زمانہ قریب آیا ہو تو وہاں جاکر اندازہ لگاتے ہیں کہ اس سال پیداوار کیسی ہے۔ حضراتِ صحابہ بھی اسی غرض سے خیبر جایا کرتے تھے۔

ایک واقعہ

خیر!تو یہ دونوں چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعودؓ بھی ایک مرتبہ اپنے باغات کی خبر لینے کے واسطے خیبر گئے،جب وہاں پہنچے تو ان میں سے ایک کی زمین اِدھر تھی اور دوسرے کی زمین اُدھر تھی،دونوں کا راستہ جہاں سے الگ ہوتا تھا وہاں دونوں نے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک دوسرے سے کہا کہ تم اُدھر سے جاؤ، میں اِدھر سے جاتا ہوں، آگے جا کر ملتے ہیں، دونوں اپنی زمین کی طرف گئے، بعد میں حضرت محیصہ جب وعدے کے مطابق اس جگہ پر آئے تو حضرت عبدا للہ کو وہاں نہیں پایا، وہ ان کے باغ پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عبدا للہ بن سہل (رضی اللہ عنہ) کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور خون میں لت پت پڑے تھے اور بہت خون بہہ رہا تھا اور انتقال ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی اور آدمی بھی نہیں تھا اور کس نے قتل کیا ہے وہ حضرت محیصہ کو معلوم بھی نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ تو اکیلے گئے تھے، اتنی بات تو ضرور تھی کہ وہاں آبادی یہودیوں ہی کی تھی، ان میں سے ہی کسی نے قتل کیا ہوگا، لیکن قاتل کون تھا یہ معلوم نہیں تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے قتل کرتے ہوئے تو دیکھا نہیں تھا۔ بھائی کی لاش لے کر مدینہ منورہ پہنچے، اس کے بعد حضرت محیصہ اپنے بھائی حضرت حویصہ، اور مقتول حضرت عبداللہ کے بھائی حضرت عبدالرحمن بن سہل؛ یہ تینوں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچے اور بتلایا کہ ہم وہاں گئے تھے اور ایسا ایسا واقعہ ہوا۔

ایک فقہی مسئلہ

اب یہاں ایک لمبا چوڑا فقہی مسئلہ آتا ہے کہ اگر کسی آدمی کا قتل ہو جائے اور قاتل معلوم نہ ہو۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ قتل کرنے والے کو لوگوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں تو اس کا جرم اور قصور ثابت ہو جائے گا، لیکن اگر کسی کی قتل کی ہوئی نعش کسی محلہ میں ملی لیکن اس کا قاتل معلوم نہیں ہے، تو مسئلہ یہ ہے کہ اس سارے محلہ والوں کو بلایا جائے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

گا،اور مقتول کاولی اس محلہ والوں میں سے پچاس آدمیوں کاانتخاب کرے گا، اور ان میں سے ہر ایک کویہ قسم کھلائی جائے گی کہ اللہ کی قسم!نہ تومیں نے اس کو قتل کیا اور نہ میں اس کے قتل کرنے والے کو جانتاہوں۔یہ اس لیے کیاجائے گاکہ اگران میں سے کوئی قاتل ہے تووہ قسم کھانے سے انکار کرے گا،اوراگروہ کسی کو جانتا ہوگا تو اس کو بتانا پڑے گا،یہ طریقہ اس لیے اختیارکیا گیاکہ اس طرح قاتل کاپتہ لگ جائے، لیکن اگر اس کے باوجود بھی پتہ نہیں لگا،یعنی وہ پچاس آدمی سب کے سب یہ قسم کھارہےہیں کہ نہ تو میں نے اس کو قتل کیااورنہ میں اس کے قتل کرنے والے کوجانتا ہوں،توپھراس پورے محلہ والوں پر مقتول کی دیت یعنی خون کی جوقیمت مقرر کی گئی ہے وہ عائدکردی جائے گی۔

کسی کے سامنے بات پیش کرنے کاادب

خیر!تویہ تینوں بھائی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضرہوئے،ان تینوں میں سب سے بڑے حویصہ تھے، اس کے بعدمحیصہ اور سب سے چھوٹے عبدالرحمن بن سہل تھے اوریہی مقتول کے سگے بھائی تھے اس لیے انہوں نے ہی واقعہ بتاناشروع کیا،لیکن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے فرمایا"کَبِّرْ کَبِّرْ"بڑے کوبولنے دو،بڑے کوبولنے دو۔یعنی جب تم تینوں مل کرمیرے پاس بات پیش کرنے کے لیے آئے ہوتواب تم میں سے جو بڑا ہوگا وہی بات پیش کرے گا۔اس سے معلوم ہواکہ کسی بڑے کے سامنے بات پیش کرنابھی ایک فضیلت کی چیزہے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو اس میں بھی ترجیح اسی کو دی جائے گی جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہوگا، چنانچہ حضرت حویصہ ہی نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا۔

اب مسئلہ کی اور تفصیلات ہیں، اس میں ہم نہیں جاتے۔ یہاں تو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس روایت کو صرف اسی بنیاد پر لائے ہیں کہ اس واقعہ میں حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بولنے والے اگرچہ مقتول کے سگے بھائی تھے لیکن چوں کہ وہ چھوٹے تھے اس لیے ان کو بولنے کی اجازت نہیں دی، اور فرمایا کہ جو بڑا ہے وہی بات پیش کرے۔ ہاں! اگر بڑا ہی چھوٹے کو یوں کہے کہ تو بات پیش کر، تو پھر بات دوسری ہے، لیکن بڑے کے کہے بغیر چھوٹے کو اپنی طرف سے بات شروع کرنی نہیں چاہیے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات پیش کرنے کی صلاحیت اور طریقہ بڑے کے مقابلہ میں چھوٹے میں زیادہ ہوتا ہے تو اس وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے کہ چھوٹا بات پیش کرے، اس صورت میں بڑا چھوٹے سے کہے کہ تم بات کرو، تو وہ پیش کرے، لیکن بڑے کے کہے بغیر چھوٹے کو سلسلۂ کلام اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔

تدفین میں بھی اہلِ قرآن کو فضیلت حاصل ہے

حدیث ۳۵۲

وعن جابرٍ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ يَعْنِي فِي الْقَبْرِ، ثُمَّ يَقُوْلُ: أَيُّهُمَا أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟ فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا، قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ۔ (رواہ البخاری)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اُحد کے شہداء میں سے دو دو آدمیوں کو قبر کے اندر جمع کرتے تھے، پھر پوچھتے تھے کہ ان دونوں میں سے کسے قرآن پاک زیادہ یاد ہے؟ جب دونوں میں کسی ایک کے بارے میں بتلایا جاتا تو اسی کو قبر میں آگے رکھتے۔

افادات: غزوۂ احد دوسری بڑی جنگ ہے جو اسلام میں پیش آئی، غزوۂ بدر میں تو مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی لیکن غزوۂ احد میں مسلمانوں کے ستر سے زیادہ آدمی شہید ہوئے، اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے، جب جنگ ختم ہوگئی اور شہیدوں کو دفن کرنے کی ضرورت پیش آئی، اور قبریں کھودنا شروع کیں تو حضرات صحابہ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس وقت جب کہ ہم زخمی، تھکے ہوئے اور بیمار بھی ہیں، ہمارے لیے ہر ایک کے لیے الگ الگ قبر کھودنا مشکل ہے۔ اس لیے دودو، تین تین، چار چار آدمیوں کے برابر بڑی قبریں کھودی گئیں، اور ایک ایک قبر کے اندر دودو تین تین چار چار آدمیوں کو دفن کیا گیا، ایک کو دفن کرنے کے بعد بیچ میں کچھ گھاس وغیرہ آڑ کر دیتے تھے، پھر دوسرے کو اور پھر اسی طرح تیسرے کو دفن کرتے تھے اور قبر بند کر دی جاتی تھی۔

ایک قبر میں ایک سے زیادہ آدمیوں کو دفن کرنا بھی جائز ہے، اور اس موقع پر یہی کیا گیا تھا۔ جب قبر میں رکھنے کا وقت آتا تھا تو دونوں کو ایک ساتھ ایک پر ایک کو تو رکھ نہیں سکتے اس لیے قبلہ کی طرف ایک کو رکھا جاتا اور اس کے پیچھے پھر دوسرے کو رکھا جاتا۔ اور یہی صحیح طریقہ ہے۔ تو جب قبر میں رکھنے کا وقت آتا تھا تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرات صحابہ سے پوچھتے کہ ان دونوں میں قرآن کریم کا زیادہ پڑھا ہوا کون ہے؟ کس کے پاس قرآن کا علم زیادہ ہے؟

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جب کہا جاتا کہ یہ ہے، تو پہلے اس کو قبر میں رکھواتے تھے، اور قبلہ کی طرف اس کو لٹاتے تھے، پھر دوسرے کا نمبر آتا تھا۔

یہاں تو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ دیکھو! ایک قبر میں دفن کرتے وقت بھی قبلہ والی جہت جو افضل جہت ہے اس کا حق دار اس کو آدمی کو قرار دیا گیا جو دوسرے کے مقابلہ میں قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو، اور دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ علم رکھتا ہو، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اس کا بات لحاظ کیا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تَوْقِيْرُ الْعُلَمَآءِ وَالْكِبَارِ وَأَهْلِ الْفَضْلِ ﴿مجلس ۲﴾

علماء، عمر رسیدہ اور فضل وکمال والوں کا احترام و تعظیم کرنا

﴿مجلس ۲﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ ۱۲/جون ۱۹۹۹ء

یہ باب چل رہا ہے جس میں علماء اور سن رسیدہ اور فضل وکمال والے لوگوں کی تعظیم وتوقیر کا بیان ہے، اوران کو دوسرے ایسوں کے مقابلہ میں جن میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے آگے رکھنا، ان کے لیے اچھی اوراونچی بیٹھک تجویز کرنا، ان کے مرتبہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنااوران کے ساتھ ایسامعاملہ کرنا جس سے دیکھنے والوں کو ان کے مرتبہ کا خیال آئے۔اسی سلسلہ کی روایتیں پیش فرمارہے ہیں ایک اور روایت پیش کی ہے۔

جو عمر میں بڑا ہو اس کا لحاظ کیجئے

حدیث ۳۵۳

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ (ﷺ) قَالَ: أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ، فَجَآءَنِي رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ، فَقِيلَ لِي كَبِّرْ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ (رواہ مسلم مسنداً والبخاری تعلیقاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا۔اسی خواب کے دوران یہ بھی دیکھا کہ دوآدمی میرے پاس آئے، ان میں ایک دوسرے سے عمر میں بڑا تھا، میں اپنی مسواک چھوٹے والے کو دینے لگا تو خواب ہی میں مجھ کو کہا گیا "کَبِّرْ" بڑے کو دیجئے۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں کہ میں نے وہ مسواک بڑے کو دی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: اس روایت کو لاکر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھئے! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خواب میں بھی اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ جو عمر میں بڑا ہے اس کا لحاظ کیجئے۔ میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ مثلاً دو آدمی ایسے ہیں جو اپنے کمالات وخوبیوں میں برابر ہیں، علم و فضل کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں لیکن ان میں سے ایک عمر کے اعتبار سے دوسرے سے بڑا ہے، تو اس صورت میں بڑے کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر فضل وکمال دونوں میں سے کسی میں بھی نہیں، اور کوئی امتیازی وصف اور خوبی بھی کسی میں نہیں پائی جاتی، تب بھی جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہے اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

اس روایت میں کوئی تفصیل نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں آدمی جو خواب میں نظر آئے تھے علم و فضل اور کمال کے اعتبار سے یکساں ہوں اور پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں جو عمر میں چھوٹا تھا اس کو مسواک دینا چاہا، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خواب ہی میں تلقین کی گئی کہ آپ بڑے کو دیجئے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے

حدیث ۳۵۴

عَنْ أَبِي مُوسیٰ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): إِنَّ مِنْ إِجلالِ اللهِ تَعَالیٰ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ۔ وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔ (حدیث حسن، رواہ ابوداود)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں سے یہ بھی ہے کہ جو مسلمان سفید بال والا ہو اس کا اکرام کیا جائے۔ اور جو حاملِ قرآن یعنی حافظ یا عالمِ قرآن ہے، اور وہ اس میں غلو کرنے والا نہیں ہے اور نہ وہ اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، تو اس کا بھی اکرام کیا جائے۔ اور ایسا بادشاہ جو انصاف کرنے والا ہے اس کا بھی اکرام کیا جائے۔

افادات: اس روایت میں تین طرح کے آدمیوں کا تذکرہ ہے، اس میں پہلا تو وہ ہے جس کی عمر اسلام کی حالت میں بوڑھاپے تک گذری اور اس کے بال مسلمان ہونے کی حالت میں سفید ہوئے تو وہ اس بات کا حق دار ہے کہ اس کا اکرام و ادب کیا جائے۔

دوسرا وہ جو قرآنِ پاک کا حامل ہے یعنی حافظ یا عالم ہے اور قرآن کے معاملہ میں غلو اور حد سے آگے بڑھ کر کوئی کام نہیں لے رہا ہے۔

خاص دینی مزاج: اعتدال

بعض مرتبہ بعض لوگ اپنے کسی عمل کے اندر غالی ہوتے ہیں اور وہ جس چیز کو لے کر چل رہے ہیں اسی کو دوسری تمام چیزوں سے اہم سمجھتے ہیں، حالانکہ دین کی تعلیم میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جو باتیں شریعت کی نگاہوں میں مطلوب ہیں ان کے اندر بھی آدمی اعتدال اور میانہ روی سے کام لے، غلو نہ کرے اور حد سے آگے نہ بڑھے، قرآنِ پاک

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

میں حکم دیا گیا ہے﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ دین کے معاملہ میں غلو سے کام نہ لیا جائے۔ غلو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے لیے جو حد مقرر کی گئی ہے اس کی اس مقررہ حد میں رہ کر آدمی نہ چلے۔

میں اس کی ایک مثال دے کر آپ کو یہ بات سمجھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا جو ادب بجالانا چاہیے، ان میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اگر تنہائی میں ہو تب بھی اپنا ستر نہ کھولے۔ لوگوں کے سامنے اپنے ستر کو چھپانا تو ضروری اور واجب ہے، اگر کوئی آدمی لوگوں کے سامنے اپنا ستر کھولے گا تو وہ حرام کام کا ارتکاب کرنے والا قرار دیا جائے گا اور گنہ گار ہو گا، لیکن اگر کوئی آدمی کسی بند کمرہ میں تنہا ہے وہاں اس کو انسانوں میں سے کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہے، اب وہاں تو کسی غیر کے سامنے ستر کھولنا لازم نہیں آتا، لیکن ایسے مواقع میں آدمی کو چاہیے کہ بلاضرورت ستر نہ کھولے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کوئی ضرورت ہوتی ہے جیسے کسی کو غسل کی ضرورت ہے، استنجاء اور پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہے، یا اپنی بیوی سے اپنی حاجت پوری کرنے کی ضرورت ہے، ان مواقع پر تو ستر کھولنے کی شریعت نے اجازت دی ہے، اور جب تک آدمی ستر نہیں کھولے گا وہاں تک وہ اپنی ان ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا، لیکن اس میں بھی شریعت نے یہ تعلیم دی ہے کہ ضرورت کی مقدار ہی ستر کھولا جائے۔

چنانچہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) جب قضاءِ حاجت کے لیے جاتے تھے، تو جب بیٹھنے کے لیے زمین سے بالکل قریب ہوتے تھے تب ستر کھولتے تھے۔ (ابوداود، ۱۴) اس لیے اگر کوئی آدمی باہر سے ستر کھول کر جاتا ہے، یا چند قدم دور ہے اور ستر کھول دیتا ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، ستر کھولنا تو اس لیے ہے کہ پیشاب پاخانہ کا تقاضہ پورا کرنا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہے، اس لیے اس جگہ پر پہنچ کر بھی بیٹھنے کے لیے جتنا زمین سے قریب ہوتا جائے اسی وقت بقدرِ ضرورت ستر کھولے۔ یہی اس کا ادب ہے۔

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تنہائی میں جہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو، تو اگرچہ وہاں ستر چھپانا فرض تو نہیں رہا، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادب یہ ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کرے اس لیے کہ ہر مسلمان کا یہ تصور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہم اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں، ہمارا ہر حرکت وسکون اس کے علم میں ہے، تو اس کا ادب یہ ہے کہ تنہائی میں بھی ہم بلا ضرورت اپنا ستر نہ کھولیں۔ شریعت کا یہ ایک حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے آداب میں سے ہے، اگرچہ تنہائی کی حالت میں یہ فرض اور واجب نہیں ہے۔ اور لوگوں کے سامنے تو یہ فرض اور واجب ہے۔

اب حضراتِ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے سامنے بھی یہ چیز تھی، ان میں سے بعض حضرات کے دل ودماغ پر یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے اتنا غالب آیا کہ جب وہ حضرات قضاءِ حاجت اور پیشاب پاخانہ کے لیے بیٹھتے تھے اس موقع پر بھی انہوں نے سوچا کہ اس وقت بھی ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے ہیں، اور اپنا ستر کھول رہے ہیں، تو حیاو شرم کی زیادتی کی وجہ سے ان میں سے بعض حضرات یہ کرتے تھے کہ قضاءِ حاجت کے لیے بیٹھتے وقت وہ اپنے سینے کو موڑ دیتے تھے اور دوہرا کر دیتے تھے، جیسے کوئی اوپر سے دیکھ رہا ہو تو ہم اپنے آپ کو کیسے جھکا دیتے ہیں اس طرح جھک جاتے تھے، اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے۔ اس پر ان حضرات کی تنبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

گئی ﴿أَلَاۤ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا۟ مِنْهُ﴾ جب وہ پیشاب پاخانہ کے وقت قضاءِ حاجت کے لیے جاتے ہیں اور اس وقت ستر کھولنے کی نوبت آتی ہے تو وہ لوگ اپنے سینوں کو موڑ لیتے ہیں، اور ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ سکیں۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ جس وقت وہ کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں اور اس وقت جس چیز کو وہ چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ تو وہ سب بھی جانتا ہے (روح المعانی، ۱۱/۲۱۰) اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سب جانتے ہی ہیں تو پھر ستر بھی کیا چھپانا۔

غلو سے بچانے کا اہتمام

دیکھو! شریعت نے حدود کی دونوں طرف سے رعایت کی ہے کہ ویسے تو یہ ایک طرح کی بے ادبی ہے، اس بے ادبی سے بچانے کے لیے یہ حکم دیا کہ تنہائی میں ہو تب بھی آپ اللہ تعالیٰ کے ادب کو بجالاتے ہوئے ستر کو چھپانے کا اہتمام کریں، لیکن اسی شریعت نے ہمیں یہ اجازت دی کہ قضاءِ حاجت کے وقت بقدرِ ضرورت ستر کھول سکتے ہیں، اب اگر کوئی آدمی اس وقت ستر کھول کر بیٹھا ہے تو وہ ضرورت کی وجہ سے ہے، اگر اس وقت بھی وہ یہ تصور دل میں لائے جیسا کہ میں نے ابھی بعض صحابہ کے متعلق بتلایا، اور اس طرح سینے کو موڑ کر وہ اپنے آپ کو بلاوجہ مشقت میں ڈالے، تو یہ اللہ تعالیٰ کے ادب کی بجاآوری میں ایک طرح کا غلو ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند نہیں کیا، اس لیے ان کو تنبیہ کی کہ ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ یہ سوچتے ہیں ہم کپڑے نکالتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

توپھرجب کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہو،اس وقت بھی تواللہ تعالیٰ کی نگاہوں کے سامنے ہی ہوتے ہو؛اس وقت کیا کروگے؟

خلاصہ ٔ کلام

بہرحال!یہ چیزایک ایسی جماعت کی طرف سے پیش آرہی تھی جس کو اللہ تعالیٰ آنے والی پوری امت کے واسطے نمونہ بناناچاہتے تھے،اورجوشریعت ِ مطہرہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر دنیامیں تشریف لائے اس شریعت کودوسروں تک پہنچانے کے لیے یہی حضرات واسطہ بننے والے تھے،اس لیے اگر ان حضرات کی طرف سے کوئی ایسی بات پیش آتی، تو ہوسکتاتھاکہ آنےوالی امت کومشقت لاحق ہوتی،وہ حضرات تواپنے اس جذبہ کی وجہ سے اس چیزکی رعایت کرپاتے،لیکن آنے والی امت اس کالحاظ نہ کرپاتی اور بلاوجہ مشقت میں پڑجاتی،اس لیے ان کوتنبیہ کی گئی اور اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔معلوم ہواکہ دین کا کوئی بھی کام ہو،اس کی انجام دہی میں آدمی کوان حدود کی پوری رعایت کرنی چاہیے جوشریعت نے مقررکی ہیں،اگروہ حدسے آگے بڑھے گاتو اس کو شریعت پسند نہیں کرتی۔

اعتدال کی ایک اورمثال

میں ایک اورمثال دیتاہوں کہ قیام اللیل یعنی رات کو تہجد کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑارہنا،یہ ایک پسندیدہ چیزہے،اللہ تعالیٰ کے قرب اوراس کی نزدیکی کا ذریعہ ہے،اس میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کوئی شبہ نہیں ہے، اوراس کے بڑے فضائل ہیں، قرآنِ پاک میں بھی اس کی تاکید آئی ہے، اگرچہ اس کو فرض نہیں کیا گیا ہے، لیکن حدیثِ پاک میں آتا ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل کرنا چاہے، اس کو چاہیے کہ اس نماز کا اہتمام کرے۔اب ایک آدمی پوری رات جاگتا ہے، اوراپنے بدن کو راحت پہنچانے کا نام ہی نہیں لیتا؛ تو یہ غلط طریقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) ایک صحابی ہیں، ان کے والد عمرو بن عاص نے ان کا نکاح کرایا۔ نکاح کی کچھ مدت کے بعد انہوں نے اپنی بہو سے پوچھا کہ صاحبزادے کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ماشاء اللہ بہت نیک ہیں، دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر تہجد میں مشغول رہتے ہیں۔اس طرح اس نے چند جملوں میں اپنی بات کہہ دی کہ میرے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔کچھ مدت کے بعد پھر انہوں نے پوچھا تو پھر یہی جواب ملا، اب انہوں نے جاکر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نکاح ایک شریف گھرانے کی عورت سے کرادیا، لیکن وہ تو عبادت میں ایسے مشغول ہیں کہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہی نہیں کرتے، رات بھر تہجد میں مشغول رہتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا کہ ٹھیک ہے، اور پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود ان کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکیہ پیش کیا تو آپ نے اس کو ایک طرف رکھا اور پھر ان سے سارے حال احوال پوچھے، اس کے بعد حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا کہ دیکھو! پوری رات عبادت میں رہنے کی ضرورت نہیں ہے، کچھ حصہ آرام بھی کرو "إِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ملاقات کے لیے جو مہمان آتے ہیں ان کا بھی تم پر حق ہے،اوران تمام کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے، عبادت کا یہ ذوق و شوق ٹھیک ہے،لیکن اس میں اتنا غلو کرنا کہ دوسروں کے حقوق پر زد پڑے،پسندیدہ چیز نہیں ہے۔اس کی اور بھی بہت ساری مثالیں ملیں گی۔تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ کسی بھی چیز میں غلو پسندیدہ نہیں ہے، دین کا اونچے سے اونچا کام ہو اور وہ فرض کا درجہ رکھتا ہو لیکن اس میں بھی اگر آدمی مقررہ حدود سے آگے بڑھے، تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔کسی بھی چیز میں غلوپسندیدہ نہیں ہے،دین کے مختلف شعبے ہیں،کوئی آدمی دین کے کسی بھی شعبے سے منسلک ہو تو اس کو اس شعبے کے حدود میں رہ کر ہی کام کرنا چاہیے، اس میں حد سے آگے بڑھنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

اس روایت میں حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا"وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرَالْغَالِي فِيهِ"وہ حافظِ قرآن اورعالم جو اس میں غلو کی حد تک نہ پہنچے؛تو اس کا اکرام کیا جائے۔ اور غلو کرنے والے کے متعلق حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی بات نہیں فرمائی۔

"وَالْجَافِيْ عَنْهُ"اورجو اس کے حقوق کو چھوڑنے والا ہے اس کو بھی مستثنیٰ کر دیا۔گویا حدود سے آگے بڑھنے والے کو بھی اندر سے نکال دیا اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والے کو بھی چھوڑدیا۔جو درمیانی راہ چلنے والا ہے اس کے اکرام کا حکم دیا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اوراس روایت میں تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ جو بادشاہ انصاف کرنے والا ہو اس کا بھی اکرام کیا جائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کے حقوق میں سے ہے۔

وہ ہم میں سے نہیں

حدیث ۳۵۵

عن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسولُ اللهِ (ﷺ): لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفُ شَرَفَ كَبِيْرِنَا۔ (حدیث صحیح، رواہ ابوداود والترمذی، وقال: حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت ومہربانی کا معاملہ نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کی بزرگی اوران کے شرف وکمال کا لحاظ نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

افادات: گویا اسلامی تعلیمات کا تقاضہ یہ ہے کہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومہربانی اور محبت کا معاملہ کیجئے، اور بڑوں کے ساتھ ادب، عظمت، اور احترام کا معاملہ کیا جائے۔ دونوں چیزوں کا خیال کیا جائے۔

لوگوں کے مقام ومرتبہ کے مناسب معاملہ کیا جائے

حدیث ۳۵۶

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عن أبي ميمون بن أبي شبيب رحمه الله أنَّ عائِشَةَ رضى الله عنها مرَّ بِها سائِلٌ فأعْطَتْهُ كِسْرَةً، ومَرَّ بِها رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيابٌ وهَيْئَةٌ، فأقْعَدَتْهُ فأكَلَ فقِيلَ لَها في ذلك؟ فقالت: قال رسولُ الله (صلى الله عليه وسلم): أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنازِلَهُم۔ (رواہ ابوداود)

وذكر مسلم في أول صحيحه تعليقاً فقال: ذُكِرَ عَنْ عائِشَةَ رضى الله عنها قالت: أَمَرَنا رَسُولُ اللهِ أَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنازِلَهُم۔

ترجمہ: میمون بن ابی شبیب کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس سے ایک مانگنے والا گزرا۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس کو دے دیا۔اس کے بعد ایک دوسر آدمی وہاں سے گزرا، جس کی ظاہری ہیئت ذرا اچھی تھی، اور وہ بھی ضرورت مند تھا، تو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے اس کو بٹھا کر کھلایا، اور پھر رخصت کیا۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے مقام ومرتبہ کے مناسب معاملہ کیجیے۔ دوسری روایت میں ہے، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو اس بات کا حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مقام ومرتبہ پر رکھیں۔

افادات: پہلے والا ظاہری ہیئت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مانگنے والا ہے، اس لیے اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے، یہی اس کے حق کو ادا کرنا ہے۔ اور دوسرا آدمی بھی محتاج اور ضرورت مند تو تھا لیکن مانگنے والا معلوم نہیں ہوتا تھا، اس لیے اس کو بٹھا کر کھلایا۔

بہرحال! لوگوں میں سے ہر ایک سے اس کے مقام ومرتبہ کے مناسب معاملہ کیا جائے، یہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم ہے۔ جس کیٹیگری کا آدمی ہے ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کیاجائے۔لیکن یہاں وہ کیٹیگری مراد ہے جوشریعت کی مقرر کی ہوئی ہے یعنی شریعت نے اس کوجومقام اوردرجہ عطافرمایاہے اس مقام ومرتبہ کے مناسب اس کے ساتھ معاملہ کیاجاناچاہیے۔

حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کی مجلسِ شوریٰ کے رکن

حدیث ۳۵۷

وعن ابن عباسٍ (رضی اللہ عنہما) قال: قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنٍ، فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسٍ، وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِيْنَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ (رضی اللہ عنہ)، وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ، كُهُولًا كَانُوا أَوْشُبَّانًا۔ فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ: يَاابْنَ أَخِي! لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هٰذَا الْأَمِيرِ، فَاسْتَئْذِنْ لِي عَلَيْهِ، فَاسْتَأْذَنَ لَهُ، فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ (رضی اللہ عنہ)۔ فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ هِيَ يَاابْنَ الْخَطَّابِ! فَوَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ فِينَا بِالْعَدْلِ۔ فَغَضِبَ عُمَرُ (رضی اللہ عنہ)، حَتّٰى هَمَّ أَنْ يُوْقِعَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ: يَاأَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ لِنَبِيِّهِ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ وَإِنَّ هٰذَا مِنَ الْجَاهِلِيْنَ وَاللهِ مَاجَاوَزَهَا عُمَرُ حِيْنَ تَلَاهَا عَلَيْهِ، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ عیینہ بن حصن فزاری (رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئے اوراپنے بھتیجے حربن قیس کے پاس ٹھہرے، حربن قیس ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) اپنے پاس بٹھاتے تھے (اوراس کی وجہ یہ تھی وہ قرآنِ پاک کے پڑھنے والے اوراس کے معانی سے واقف تھے گویاوہ عالم تھے اس وجہ سے ان کو حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) اپنے پاس بٹھاتے تھے) اور حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کی (adviser body) مجلسِ شوریٰ میں سب علماء ہوتے تھے، چاہے وہ جوان ہوں یاادھیڑ۔عیینہ نے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اپنے بھتیجے سے کہا کہ اے بھتیجے! امیر المؤمنین کے یہاں تمہارا خاص مقام ہے، اس لیے ان کی خصوصی مجلس میں میرے لیے بھی حاضری کی اجازت لے لو چنانچہ انہوں نے ان کے لیے اجازت لی تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان کو اجازت دی، چنانچہ وہ اس مجلس میں حاضر ہوئے۔ جب وہ مجلس میں پہنچے تو (کسی بات پر) کہنے لگے کہ اے ابن الخطاب! آپ ہم کو بہت زیادہ عطیات تو دیتے نہیں، اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ بھی نہیں کرتے (یہ سن کر) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو غصہ آگیا اور ان کا ہاتھ کوڑے پر گیا تا کہ ان کو ان کی اس غلط حرکت کی سزا دی جائے۔ ان کے بھتیجے حر بن قیس نے (دیکھا تو فوراً حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے) کہا کہ اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک اکو خطاب کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ جو قصوروار ہوں آپ ان سے درگذر کیجئے، اور بھلی بات کا حکم دیجئے، اور جو نادان اور جاہل لوگ ہوں ان سے چشم پوشی کیجئے۔ اور یہ بھی جاہلین ہی میں سے ہیں۔ (حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے سامنے انہوں نے آیت پڑھی اور یہ بات عرض کی) تو فوراً حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور ان کو سزا دینے کا جو ارادہ کیا تھا اس سے باز آگئے۔ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) قرآنِ پاک کے سامنے بہت زیادہ ٹھہرنے والے تھے۔

عالم بڑا ہے، چاہے وہ چھوٹا ہو

ہمارے یہاں ایک مزاج یہ ہے کہ کوئی آدمی کتنا ہی صاحبِ علم ہو، اگر اس کی عمر کچھ کم ہے تو اس کے علم کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا، حالانکہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے "اَلْعَالِمُ کَبِیْرٌ وَاِنْ کَانَ صَغِیْرًا وَالْجَاھِلُ صَغِیْرٌ وَاِنْ کَانَ کَبِیْرًا" عالم بڑا ہے، چاہے وہ عمر کے اعتبار سے چھوٹا ہو، اور غیر عالم چھوٹا ہے، چاہے وہ عمر کے اعتبار سے زیادہ ہو۔ عمر کا لحاظ تو اس وقت کیا جائے گا جبکہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایک ہی کمال میں دوآدمی برابر ہوں لیکن اگر کمالات میں کوئی آدمی دوسرے سے بڑھا ہوا ہے تو وہاں آگے بڑھانے کے معاملہ میں عمر نہیں دیکھی جائے گی۔ہاں!اس کی عمر کی وجہ سے اس کا اکرام ضرور کیا جائے گا، لیکن ان دونوں میں کس کو آگے بڑھایا جائے؟تو اس میں اس کمال کا لحاظ ضرور کریں گے۔ بہر حال!حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) جن لوگوں سے مشورہ لیتے تھے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے وہ سب اہلِ علم ہوتے تھے،چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھا۔

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا قرآن پر عمل کا اہتمام

حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) اور دوسرے تمام خلفائے راشدین کے یہاں جو لوگ اپنی حاجتیں لے کر جاتے تھے،ان کے لیے تو وہاں کوئی رکاوٹ تھی ہی نہیں ،لیکن ان کی مشورہ کی جو خصوصی مجلس ہوتی تھی اس میں ہر ایک کو حاضری کی اجازت نہیں ہوتی تھی، لیکن حر بن قیس تو اصحابِ مشورہ میں سے تھے،اسی مجلس سے تعلق رکھتے تھے،اس لیے ان کے چچا نے جو مہمان آئے تھے اپنے لیے اجازت کو کہا کہ میں بھی اس خصوصی مجلس میں تمہارے ساتھ آنا چاہتا ہوں، میرے لیے بھی اجازت لے لو۔چنانچہ انہوں نے ان کے لیے اجازت لی تو حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے ان کی رعایت میں ان کو اجازت دی، چنانچہ وہ اس مجلس میں حاضر ہوئے۔اب ان کے مزاج میں ذرا اکھڑ پن تھا۔یہاں حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) اپنی باتوں اور مشورہ میں مشغول تھے،اور کسی بات پر وہ کہنے لگے کہ اے ابن الخطاب! آپ ہم کو بہت زیادہ عطیات تو دیتے نہیں ،اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ بھی نہیں کرتے۔حالانکہ حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کا عدل وانصاف تو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پوری دنیامیں مشہور ہے، لیکن انہوں نے اپنے مزاج کے اکھڑپن کی وجہ سے ایسی بات کہی۔ یہ سن کر حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کو غصہ آگیااوران کا ہاتھ سیدھا کوڑے پر گیا، تاکہ ان کوان کی اس غلط حرکت کی سزا دی جائے۔ان کے بھتیجے نے دیکھا کہ کہیں ایسانہ ہوکہ چچاپرامیر المؤمنین کا کوڑا پڑجائے، ورنہ چچاکاتوبراحال ہوجائے گا۔ توحضرت حربن قیس نے فوراً حضرت عمرؓ سے کہاکہ اے امیرالمؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک(صلی اللہ علیہ وسلم) کوخطاب کرتے ہوئے حکم دیاہے کہ جو قصوروار ہوں، آپ ان سے درگذر کیجئے۔اور بھلی بات کا حکم دیجئے۔اورجو نادان اور جاہل قسم کے لوگ ہیں ان سے اعراض یعنی چشم پوشی کیجئے "وَاِنَّ ھٰذَامِنَ الْجَاھِلِیْنَ" اوریہ بھی جاہلین ہی میں سے ہیں۔حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کے سامنے انہوں نے آیت پڑھی توفوراً حضرت عمر کا غصہ ٹھنڈاہوگیا، اوران کو سزا دینے کاجوارادہ کیاتھااس سے باز آگئے اور حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) قرآنِ پاک کے سامنے بہت زیادہ ٹھہرنے والے تھے۔

قصہ کا سبق

ہمارامعاملہ توایساہے کہ ایسے موقع پراگرکوئی آدمی ہمیں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کاکوئی ارشاد یا قرآنِ پاک کی کوئی آیت یاشریعت کاکوئی حکم سنائے توبھی ہم نے جوطے کیا ہےاس سے پیچھے ہٹنے کانام نہیں لیتے اورتاویلیں کرناشروع کردیتے ہیں۔لیکن حضراتِ صحابہ کرام کامعاملہ ایسانہیں تھا۔یہاں بھی دیکھئے کہ حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے یہ نہیں کہاکہ اس نے ایساکیوں کہا۔ بس! جیسے ہی آیت سنی، فوراًاس پر عمل کرلیا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہاں تو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنا اہلِ مشورہ اور اپنی (advisery body) علماء کو بنایا تھا، گویا یہ ان حضرات کا اکرام تھا۔

بڑوں کی مجلس میں ان کا لحاظ کرنا چاہیے

حدیث ۳۵۸

وعن أبي سعيد سمرة بن جندب (رضی اللہ عنہ) قال: لَقَدْ كُنْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ا غُلَاماً فَكُنْتُ أَحْفَظُ عَنْهُ، فَمَا يَمْنَعُنِي مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا أَنَّ هٰهُنَا رِجَالاً هُمْ أَسَنُّ مِنِّي۔ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت سمرۃ بن جندب (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں چھوٹا تھا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات کو یاد کرلیا کرتا تھا، لیکن آپ کی مجلس میں بولتا نہیں تھا اس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس میں مجھ سے بڑی عمر والے لوگ موجود ہوتے تھے۔

افادات: بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کا بولنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے، بس! اسی کو ثابت کرنے کے لیے یہ روایت پیش کی ہے کہ بڑوں کا لحاظ کرنا چاہیے۔

بوڑھوں کا اکرام، اور دنیوی انعام

حدیث ۳۵۹

وَعَنْ أَنَسٍ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ا مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخاً لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ۔ (رواه الترمذي وقال حديث غريب)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ کوئی جوان جب کسی بوڑھے کا اکرام اس کی سن رسیدگی اور عمر کی وجہ سے کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے لیے ایک ایسا آدمی پیدا کر دیتے اور مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے بوڑھاپے کے زمانہ میں اس کا اکرام کرے گا۔

افادات: دیکھو! اس روایت میں دو بشارتیں ہوئیں، ایک تو یہ کہ یہ جوان بھی بوڑھاپے کا زمانہ پائے گا یعنی اس کی عمر لمبی ہوگی، اور دوسری خاص بات یہ کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کریں گے جو اس کا اکرام کریں گے۔ جوانوں کے لیے کتنی بڑی بات ہے!

ہے یہ گنبد کی صدا؛ جیسی کہے ویسی سنے

آج کل ہمارا سماج اور معاشرہ جس رخ پر جا رہا ہے اور اس وقت جو تعلیم دی جا رہی ہے، اور جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، میڈیا کے ذریعہ سے جو عادت ڈلوائی جا رہی ہے، اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ بڑوں کے اکرام کی طرف سے جوانوں کو ہٹایا جائے کہ ان کا کیا ہے؟ اور انہوں نے تمہارے ساتھ کیا احسان کیا ہے؟ ان کا تم پر کیا حق ہے؟ ایسی مختلف چیزیں پھیلائی جاتی ہیں۔ بھائی! یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا اور اسی کی ساری نعمتیں ہم استعمال کرتے ہیں، اور اسی کا حکم ہم مانتے ہیں اور جب اسی نے ہمیں یہ حکم دیا کہ جو سن رسیدہ اور بڑی عمر کا بوڑھا ہو، اس کا اکرام کیا جائے؛ بس! اسی نسبت سے ہمیں بڑوں کا اکرام کرنا چاہیے، تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کے لیے ایسے اسباب مہیا فرمائے گا۔ ورنہ دنیا کا حال تو ایسا ہی ہے کہ اگر آدمی نے کسی کی بے عزتی اور بے ادبی کا معاملہ کیا تو پھر اس کے ساتھ بھی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ ہے یہ گنبد کی صدا؛ جیسی کہے ویسی سنے۔’’ كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ‘‘ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔(بخاری شریف۔باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب۔۱۰/۵۷۰)

اگر عالم کوتاہی کرے تو؟

چوں کہ اس باب میں علماء کی توقیر کے سلسلہ میں خاص عنوان قائم کیا گیا تھا، تو آج کل عام طور پر بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں بعض اہلِ علم جن کی طرف سے عمل کے معاملہ میں کچھ کوتاہی ہوتی ہے،اس کی وجہ سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔تو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ان کی کوتاہی اپنی جگہ پر ہے،اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ عمل کے معاملہ میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مواخذہ ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے اس کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے،وہ حکم ہم پر سے ہٹ نہیں جاتا، جیسے کہ اگلے باب میں سادات کا حکم آیا تھا تو وہاں بھی میں نے بتلایا تھا۔

اسی طرح کوئی عالم اگر عمل کے معاملہ میں بے توجہی اور کوتاہی سے کام لیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک طبیب اور ڈاکٹر جو اپنے فن کا ماہر ہے لیکن بدپرہیز ہے، اور جو چیزیں صحت کے لیے مضر ہیں وہ خود ان چیزوں کو استعمال کرتا ہے،تو ظاہر ہے کہ اگر وہ ان چیزوں کو استعمال کرے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی صحت اور تندرستی متاثر ہوگی اور وہ خود بیمار ہوگا،لیکن اس کے باوجود کوئی دوسرا بیمار اس سے علاج ومشورہ کے لیے جائے گا تو وہ اس کو تو صحیح علاج بتائے گا اور مشورہ دے گا،اس نے اپنے فن کی جو معلومات تھیں ان معلومات

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کو چھوڑ کر اور بدپرہیزی کرکے اگرچہ خود اپنا نقصان کیا ہے، لیکن اگر آپ مشورہ لینے کے لیے جائیں گے تو وہ آپ کو تو صحیح مشورہ ہی دے گا۔

ایک قانون داں (Lawyer) وکیل اور ایڈوکیٹ ہے، وہ ملک کے قانون کو جانتا ہے، لیکن وہ خود قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو اس خلاف ورزی کرنے پر اگر وہ پکڑا گیا تو جو سزا اس کو ملنے والی ہے وہ اس کو ملے گی، اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ساری چیزیں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اگر آپ قانون کے معاملہ میں اس کے پاس مشورہ لینے جائیں گے تو وہ اپنے علم کی بنیاد پر اور قانون کو جاننے کی وجہ سے آپ کو صحیح راستہ ہی بتائے گا، اس سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی عالم کی طرف سے اس کے علم کے باوجود عملی طور پر کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کے حقوق کی ادائیگی کے معاملہ میں ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

اگر عذاب دینا چاہتے

یہ علم خود اپنی جگہ پر ایک کمال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمایا ہے۔ امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) جو امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد ہیں، ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کرسی پر بٹھایا اور موتیوں کا تاج میرے سر پر رکھا اور مجھ سے کہا کہ اے محمد! اگر ہم تم کو عذاب دینا چاہتے تو تمہارے سینے میں اپنا علم نہ رکھتے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ علم بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اور کیا ضروری ہے کہ وہ عالم اپنی اس بد عملی کے اوپر باقی رہے، ہوسکتا ہے کہ کل کو اسی علم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دیں اور وہ تائب ہو کر اور اپنی بد عملی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے، اور ہم اس کے حقوق کی ادائیگی کے معاملہ میں کوتاہی کرتے ہوئے، یا اس کا اکرام نہ کرکے اپنا ہی نقصان کرلیں۔

اہلِ علم کے متعلق ایک نہایت اہم مضمون

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک کتاب ہے "الاعتدال فی مراتب الرجال"۔ حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں رمضان المبارک میں پڑھ کر سنائی جاتی تھی اور ہمارے یہاں بھی اس کو سناتے ہیں، اس کتاب میں حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) نے علماء سے متعلق کچھ چیزیں لکھی ہیں، مناسب معلوم ہوا کہ وہ میں پڑھ کر سناؤں تو وہ آپ کے بھی سامنے آجائے، اسی لیے یہ کتاب میں ساتھ لایا تھا اور اسی کو سناتا ہوں۔

نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے عالم کی قدر نہ کرے۔ (ترغیب)

اس ارشاد نبوی کے بعد علماء کو علی العموم گالیاں دینے والے اور برا بھلا کہنے والے اپنے آپ کو امتِ محمدیہ میں شمار کرتے ہیں لیکن صاحبِ امت ان کو اپنی امت میں شمار کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضور(ﷺ) کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی آدمی ہلکا(اور ذلیل) نہیں سمجھ سکتا،ایک شخص وہ جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا،دوسرے اہلِ علم، اور تیسرے منصف بادشاہ۔

نبی اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے:''أُغْدُ عَالِماً أَوْمُتَعَلِّماً أَوْمُسْتَمِعاً أَوْمُحِبّاً وَلَاتَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلَكَ'' (مقاصد حسنہ) کہ تو یا عالم بن یا طالب علم،یا علم کا سننے والا، یا (علم اور علماء)سے محبت رکھنے والا،پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا،ورنہ ہلاک ہو جائے گا

حافظ ابن عبدالبر(رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی ہے اور ان سے بغض رکھنا ہے۔ایک حدیث میں حضور(ﷺ) کا ارشاد ہے کہ تو عالم بن، یا طالب علم، اور اگر دونوں نہ بن سکے،تو علماء سے محبت رکھنا،ان سے بغض نہ رکھنا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ قرآن شریف کے حاملین یعنی حافظ اور علماء قیامت کے دن جنت والوں کے چودھری (سردار)ہوں گے۔

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حاملینِ قرآن اللہ کے ولی ہیں ،جو شخص ان سے دشمنی کرتا ہے،وہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے۔اور جو ان سے دوستی کرتا ہے، وہ اللہ سے دوستی کرتا ہے۔

حضور اقدس(ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں کرتا، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ علم والے شخص کو دیکھیں اور اس کو ضائع کردیں، پرواہ نہ کریں۔ (ترغیب)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

امام نووی (رحمۃ اللہ علیہ) "شرحِ مہذب" میں لکھتے ہیں کہ بخاری شریف میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔

اور خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کیا ہے کہ اگر فقہاء (علماء) اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی ہے ہی نہیں۔

حِبرُ الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچائے، اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچائی، اور جو شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچائے، اس نے اللہ جل جلالہ کو اذیت پہنچائی۔

حافظ ابوالقاسم بن عساکر فرماتے ہیں: میرے بھائی ایک بات سن لے، حق تعالیٰ شانہ مجھے اور تجھے اپنی رضا کے اسباب کی توفیق عطا فرمائے، اور ہم کو ان لوگوں میں داخل فرمائے جو اس سے ڈرنے والے ہوں اور جیسا کہ چاہیے ویسا تقویٰ کرنے والے ہوں، (یہ بات سن لے) کہ علماء کے گوشت (یعنی ان کی غیبت) نہایت زہریلے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے (کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں) جو شخص ان کو عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے، اس کے مرنے سے پہلے حق تعالیٰ شانہ اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: اگر گالیاں دینے والے کا مقصود علم اور علماء کی تحقیر علم کی وجہ سے ہے تو فقہاء اس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، ورنہ اگر کسی اور وجہ سے ہے (یعنی اگر اس کی ذات سے تکلیف پہنچی اور اس کی وجہ سے برا بھلا کہا تو کافر تو نہیں ہے) تب بھی اس آدمی کے فاسق وفاجر ہونے میں اور اللہ کے غصہ اور دنیا اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

اس کے بعد فقہاء کے کلام سے، نیز قرآنِ پاک اور احادیث سے اس مضمون کی تائید نقل فرمائی ہے۔

ہم لوگوں سے یہ عہد لیے گئے

علامہ عبدالوہاب شعرانی (رحمۃ اللہ علیہ) جو اکابر صوفیاء میں ہیں، انہوں نے ایک کتاب "عُہودِ محمدیہ" لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فلاں فلاں باتوں پر حضور انے عہد لیے ہیں، اس میں لکھتے ہیں: ہم لوگوں سے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ایک عام عہد اس بات کا لیا گیا ہے کہ ہم علماء کا اکرام کریں، اعزاز کریں اور ان کی تعظیم کریں۔ اور ہم میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان کے (احسانات کا) بدلہ ادا کرسکیں، چاہے ہم وہ سب دے دیں جو ہماری مِلک میں ہے، اور ساتھ ہی پوری زندگی ان کی خدمت کرتے رہیں۔ اس معاہدہ میں بہت سے طلباء اور بہت سے مریدین کوتاہی کرنے لگے ہیں، حتی کہ ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اپنے استاذ کے حقوقِ واجبہ ادا کرتا ہو، یہ دین کے بارے میں ایک بڑی بیماری ہے، جس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے علم کی اہانت (بے قدری) کا پتہ چلتا ہے، اور اس ذات (یعنی نبی کریم (صلى الله عليه وسلم)) کے حکم کے ساتھ لاپرواہی کا پتہ چلتا ہے، جس نے اس کا حکم فرمایا ہے۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ ہم لوگوں سے نبی اکرم (صلى الله عليه وسلم) کی طرف سے یہ عام عہد لیا گیا ہے کہ ہم علماء کی، صلحاء کی اور اکابر کی تعظیم کیا کریں، چاہے وہ خود اپنے علم پر عمل نہ کیا کریں۔ اور ہم لوگ ان کے حقوقِ واجبہ کو پورا کرتے رہیں، اور ان کے ذاتی معاملہ کو اللہ کے سپرد کردیں۔ جو شخص ان کے حقوقِ واجبہ، اکرام و تعظیم میں کوتاہی کرتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ا کے ساتھ خیانت کرتا ہے، اس لیے کہ علماء رسول اللہ ا کے جانشین ہیں اور ان کی شریعت کے حامل اور اس کے خادم۔ پس جو شخص ان کی اہانت کرتا ہے تو یہ سلسلہ حضور اقدس (صلى الله عليه وسلم) تک پہنچتا ہے اور یہ کفر ہے۔ اور تم غور کرلو کہ بادشاہ اگر کسی کو ایلچی بنا کر کسی کے پاس بھیجے اور وہ اس کی اہانت (بے ادبی) کرے تو بادشاہ ایلچی کی بات کس غور سے سنے گا، اور اپنی اس نعمت کو جو اس اہانت (بے ادبی) کرنے والے پر تھی، ہٹالے گا، اور اس کو اپنے دربار سے ہٹادے گا، بخلاف اس شخص کے جو ایلچی کی تعظیم و توقیر کرتا ہے اور اس کا حق ادا کرتا ہے تو بادشاہ بھی اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

اس مضمون میں یہ بات کہ "چاہے وہ اپنے علم پر عمل کرنے والے نہ ہوں" ایسی ہی ہے جیسا کہ اس خط کے شروع میں حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) کے کلام میں مفصل گذرچکی اس کے اعادہ (لوٹانے) کی ضرورت نہیں ۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

چار قسم کے عذاب

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی، اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال ودولت کے ہونے پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں بجائے دینداری اور تقویٰ کے مال دار کو دیکھا جائے گا) تو حق تعالیٰ شانہ چار قسم کے عذاب ان پر مسلط فرمائیں گے (۱) قحط سالی ہو جائے گی (۲) بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے (۳) حکام خیانت کرنے لگیں گے (۴) اور دشمنوں کے پے درپے حملے ہوں گے۔ (حاکم)

امت کے بے وقوف

آج کل ان عذابوں میں سے کون سا نہیں ہے جو امت پر مسلط نہیں، لیکن وہ اپنی خوشی سے ان کے اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کیا؟ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک گھر میں ایک کتیا تھی، جس کے بچے ہونے کا وقت قریب تھا، ان لوگوں کے یہاں کوئی آدمی مہمان ہوا تو کتیا نے خیال کیا کہ آج رات کو مہمان پر شور نہ کروں گی، لیکن بچہ پیٹ ہی میں سے شور کرنے لگا، حق تعالیٰ شانہٗ نے وحی سے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال اس امت کی ہے جو تمہارے بعد آنے والی ہے کہ اس کے بے وقوف اس امت کے عالموں پر غالب ہو جائیں گے۔ (مجمع الزوائد)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کفر کا اندیشہ

فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں کثرت سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ علم سے اور علماء سے بغض ونفرت سخت اندیشہ ناک ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں نصاب الاحتساب سے نقل کیا ہے کہ جو شخص کسی عالم سے بلاکسی ظاہری سبب کے بغض رکھے،اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ظاہری سبب سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی وجہ اور دلیل اس بات کی ہو تو مضائقہ نہیں ہے،لیکن بلاکسی شرعی وجہ سے ایسا کرنا سخت اندیشہ ناک ہے۔ایسی صورت میں کہ جب اندیشہ ناک صورت پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے،کیا ضروری نہیں کہ ہر شخص اس چیز میں خصوصی احتیاط برتے؟

کسی عالم کے قول کو رد کرنے کا حق ضرور حاصل ہے،اس کی تردید کی جاسکتی ہے مگر جب ہی، جب اس کے مقابل تردید کا شرعی سامان موجود ہو،اس کے قول کے خلاف نصوص شرعیہ موجود ہوں،اور رد کرنے والا نصوص سے استدلال کی صلاحیت رکھتا ہو۔یہ میرا مقصود ہرگز نہیں کہ عالم جو بھی کہہ دے وہ صحیح ہے،اور اس کے کسی قول پر رد اور انکار نہ کیا جائے،نبی کریم (ﷺ) کے سوا کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے جس کے قول پر رد نہ کیا جاسکے،اس کے اقوال اور افعال میں غلطی کا احتمال نہ ہو،بیشک ہے اور ضرور ہے، لیکن رد کرنے کے واسطے اور غلطی پکڑنے کے واسطے شریعتِ مطہرہ میں حدود قائم ہیں، اس کے درجات ہیں،اس کے قواعد اور آداب ہیں،تاوقتیکہ اس سے واقفیت نہ ہو؛رد کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

قابلِ غور چند باتیں

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ علماء بے عیب ہیں یا ان میں کوتاہیاں نہیں ہیں، یقیناً ہیں اور بمقتضائے زمانہ ہونا بھی چاہئیں، مگر ان کی کوتاہیوں کو پکڑنے کے ساتھ ساتھ چند امور قابل غور اور قابل لحاظ ہیں۔ اہل علم ہی ان چیزوں پر زیادہ اچھی طرح روشنی ڈال سکتے تھے، مگر چوں کہ یہاں معاملہ خود ان کی ذات کا آجاتا ہے اس لیے اس مسئلہ میں ان کو زیادہ واضح گفتگو کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اور اپنے وقار کا مسئلہ آجانے کی وجہ سے وہ اس میں وضاحت اور زور سے رد کرنے میں تساہل کرتے ہیں۔

(میں بھی اس کتاب کو سنانے کے واسطے لایا اس کی بھی وجہ یہی ہے، چوں کہ آج کل کوتاہی بہت ہورہی ہے، میں اگر تفصیل سے بیان کرتا تو کہتے کہ مولوی صاحب اپنی عزت کروانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں، اس لیے حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) کی تصنیف لاکر اسی میں سے کتابوں کے حوالہ سے سنارہا ہوں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ بھائی! علماء کے حقوق کی تاکید اپنے منھ سے بیان کرنے میں ہمیں خود بھی بڑی حیاء آتی ہے، اسی لیے عام طور پر دیکھا ہوگا کہ علماء اس موضوع کو چھیڑتے نہیں ہیں، حضرت شیخ بھی لکھ رہے ہیں، پھر بھی حضرت کو اس چیز کا احساس ہوا تو خود ہی یہ چیز فرمارہے ہیں کہ)

میں اجمالی طور پر ان امور کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اول تو اس وجہ سے کہ میرا اور تمہارا خصوصی تعلق اس بدگمانی سے بالاتر ہے کہ میں اپنا اعزاز تم سے کرانا چاہتا ہوں۔ (چوں کہ یہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کتاب دراصل ایک خط ہے جو حضرت نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا ہے۔اس شاگرد نے کچھ سوالات کیئے تھے،حضرت نے ان کے جواب دیئے ہیں۔انہیں کو کہہ رہے ہیں کہ ہمارا تعلق تو ایسا ہے،اس لیے تم یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی عزت کروانا چاہتا ہوں۔)

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ میرا کچھ زیادہ شمار بھی علماء کی جماعت میں نہیں ہے ایک کتب فروش ہوں،کتابیں بیچتا ہوں اور ایام گزاری کرتا ہوں (حضرت شیخ اپنے آپ کو یہ لکھ رہے ہیں)

تیسرے یہ خط بھی میرا ایک نجی خط ہے۔

چوتھے اس وجہ سے کہ میرے ساتھ تمہارا،بلکہ میرے تمام دوستوں کا جو معاملہ ہے،وہ میری حیثیت سے زیادہ ہے،اس لیے غور سے سنو،یہاں چند باتیں قابل لحاظ ہیں اور عام طور پر ان میں خلط ملط کیا جاتا ہے،یا عمداًان سے اعراض یا تسامح کیا جاتا ہے، اور کہیں ناواقفیت بھی اس کا سبب ہے۔بہر حال!یہ امور قابل غور ہیں:-

(ا)کیا ہر وہ شخص جو اہلِ علم کے لباس میں ہو،کسی عربی مدرسہ میں طلباء کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو،تقریر دلچسپ کرتا ہو،تحریر اچھی لکھتا ہو؛وہ عالم ہے،اور علماء کی جماعت کا فرد ہے؟اس لیے ہر شخص کی بات کو لے کر اور سن کر علماء کی طرف منسوب کر دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔کیا کھرا کھوٹا،اصلی جعلی،واقعی مصنوعی،دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے؟دیکھو!دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز سونا چاندی اور جواہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حکیم اورڈاکٹر کاپیشہ ہے،توپھر کیادونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ، اوراصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتاہو؟یاواقعی سے مصنوعی بڑھےہوئے نہ ہوں، توپھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کواس وجہ سے گالیاں دی جاتی ہیں کہ ان کےلباس میں مصنوعی اورخطرۂ جان طبیب زیادہ ہیں،یاہرسونے چاندی اور جواہرات کواس وجہ سے پھینک دیاجاتاہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ملتے ہیں؟؟نہیں نہیں!بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں مشہور اورواقف طبیب میسر نہیں ہوتا،وہاں جان بوجھ کرایسے ہی طبیبوں کی طرف رجوع کیاجاتاہے۔ یہ کیوں ؟اس لیے کہ ضرورت سخت ہے۔طبیب حاذق کے پاس فوراً پہنچنامشکل ہے۔(یعنی بیماری میں اچھاڈاکٹر نہ ملے توچالوڈاکٹر سے بھی کام چلالیتے ہیں،یوں سمجھ کرکہ اگر اس وقت اس سے رجوع نہیں کریں گے تومرجائیں گے توچوں کہ اپنی تندرستی ضروری سمجھی نا،اس لیے اس کی طرف رجوع کرلیا۔اوردین کے معاملہ میں !کہ دین کو بچانا ہے، اوراس کے متعلق معلومات حاصل کرناہے،لیکن اس کی ضرورت اتنی سمجھی نہیں جاتی،اس لیے کوتاہی کرتےہیں۔)مصنوعی سونادیدہ ودانستہ(جان بوجھ کر) خریدا جاتا ہے،کیوں کہ ضرورت کو پوراکرناہے،اوراصلی سونااس وقت ملنادشوارہے، یاگراں (مہنگا)ہے کہ تحمل نہیں ہوسکتا۔لیکن علماء سب ہی گردن زنی (گردن مارنے کے قابل) ہیں، اس لیے کہ ان کے لباس میں جھوٹے بہت ہیں۔

تم نے غورکیاکہ یہ فرق کیوں ہے؟اس لیے کہ وہ(سوناچاندی اورڈاکٹر کا علاج) ضرورت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں،اوریہ بے ضرورت ہیں۔اُن کے بغیرچارۂ کار نہیں ہے اوریہ بے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کارآمد ہے،اُن میں اچھے سے اچھے طبیب کی تلاش ہے،لیکن اس وقت تک کہ اچھا طبیب ملے جو بھی موجود ہو،وہ نہایت مغتنم ہے،اوراس کی رائے پر عمل نہایت اہم اور ضروری ہے،اور یہاں حقیقی (علماء) ملتے نہیں ہیں،اور جو ملتے ہیں وہ ہمارے نزدیک کامل نہیں ہیں،اس لیے لغواور بے کار ہیں۔حالانکہ اگر غور کیا جائے اور دینی ضرورت کو ضرورت سمجھا جائے،دین کا اہتمام اوراس کی فکر قلوب میں کم از کم اتنی ہو جتنی ایک عزیز کے بیمار ہونے کی،یا بیٹی کے نکاح کرنے کی؛تو عالمِ کامل کی تلاش میں طبیبِ حاذق کی تلاش سے زیادہ سرگرداں ہوں۔ اگر دین کا فکر ہو تو حقیقی ضرورت یہی ہے۔عزیز کی بیماری کا منتہاء موت ہے،جس کے بغیر چارہ نہیں ،حاذق سے حاذق اور ماہر سے ماہر طبیب یہاں بے بس ہیں،وہ اپنا ہی کچھ نہیں بنا سکتا، تو دوسرے کا کیا کر سکتے ہیں۔

بیٹی کی شادی میں زیور نہ ہی میسر آسکا تو کیا بگڑ گیا؟اتنا ہی ہوا کہ برادری کے لوگ، عزیزواقارب طعن و تشنیع کریں گے،وہ ابھی کب چھوڑدیں گے،زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اب چار سنائیں گے،اُس وقت آٹھ سنادیں گے۔لیکن علماء کی ضرورت دین کے لیے ہے،جس کے بغیر زندگی بے کار ہے،دنیا میں آنا بے کار ہے،آدمی صرف دین ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، حق سبحانہ وتقدس کا ارشاد ہے کہ میں نے آدمی اورجِن صرف اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کئے ہیں۔جب یہی اصل غرض آدمی کی پیدائش سے ہے،تواس کے لیے جس چیز کی غرض ہوگی وہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہوگی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نبی اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسا کہ آسمان پر ستارے جن کے ذریعہ سے جنگل کے اندھیروں میں اور سمندر کے سفر میں راستہ پہچانا جاتا ہے، اگر ستارے بے نور ہوجائیں تو اقرب ہے یہ بات کہ رہبرانِ قوم راستے سے بھٹک جائیں۔ (ترغیب)

نبی اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ نبوت کے درجہ سے بہت قریب جماعت ایک علماء کی ہے، دوسرے مجاہدین کی۔ اس لیے کہ علماء اس چیز کا راستہ بتاتے ہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے ہیں اور مجاہدین اپنی تلواروں سے اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (احیاء)

نبی اکرم (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ خیر کی بات سکھانے والے کے لیے اللہ جل شانہ رحمت بھیجتے ہیں، فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اور ہر وہ چیز جو آسمان وزمین میں ہے حتی کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں سمندر میں اس کے لیے دعاءِ خیر کرتی رہتی ہیں۔ (ترمذی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی عالم مرجاتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہوجاتا ہے جس کو اس کا کوئی نائب ہی بھر سکتا ہے۔ (احیاء)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا ارشاد ہے کہ ایک ہزار عابد جو شب بیدار ہوں اور دن بھر روزہ رکھتے ہوں ان کی وفات ایک ایسے عالم کی وفات سے زیادہ سہل (آسان) ہے جو حلال وحرام سے واقف ہو۔ (احیاء)

(٢) دوسری یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا کے ہر کام میں فن والوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، مکان بنانا ہے تو مستری کے بغیر چارہ نہیں، قفل (تالا) درست کرانا ہے تو لوہار کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بغیر گذر نہیں ۔مقدمہ کرنا ہے، آپ لاکھ سمجھ دار ہوں ہوشیار ہوں لیکن وکیل کے بغیر مفر نہیں۔ آپ لاکھ قابل ہوں لیکن تعمیر مستری ہی کرے گا، مگر علم دین ایسا ارزاں (سستا) ہے کہ ہر شخص جو ذرا بھی بولنا یا لکھنا جانتا ہے، وہ واقف اسرار شریعت ہے، محقق ملت ہے، اور اس کی محققانہ تحقیق کے خلاف قرآن شریف اور احادیثِ نبویہ بھی قابل قبول نہیں، پھر علماء بیچاروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور چوں کہ اس کے مقابل اگر کوئی آواز اٹھتی ہے تو وہ علماء کی جانب سے ہوتی ہے، اس لیے جتنا بھی یہ روشن دماغ علماء کے خلاف زہر اُگلیں، اور علماء کے خلاف جھوٹ یا سچ الزام لگا کر عوام کو ان سے بدکائیں؛ وہ قرینِ قیاس ہے کہ ان کی غلط باتوں کی اور دین میں تحریف کی پردہ دری علماء ہی سے ہوتی ہے، وہ مخالف بھی بنیں گے، وہ دشمن بھی بنیں گے، اور جو کچھ کرسکتے ہیں وہ سب ہی کچھ کر گذریں گے۔ مگر کیا ہوسکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حضور (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ خوف تم پر ہے ہر اُس منافق کا، جو زبان کا ماہر ہو۔ (ترغیب) کہ یہ لوگ اپنی شستہ تحریر و تقریر سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر گمراہ کرتے ہیں اور دین کے ہر جزو کا استہزاء و مذاق کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے زمانۂ خلافت میں دین کے اجزاء کے متعلق بھی ہر فن کے خواص کو ممتاز فرمادیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جابیہ میں خطبہ (وعظ) فرمایا جس میں یہ اعلان فرمایا کہ جو شخص کلام اللہ شریف کے متعلق کوئی بات معلوم کرنا چاہے وہ اُبی بن کعب کے پاس جائے۔ اور جس شخص کو فرائض کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ زید بن ثابت کے پاس جائے۔ اور جس شخص کو فقہ کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے۔ البتہ جس شخص کو (بیت المال

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے)کچھ مال طلب کرنا ہو وہ میرے پاس آئے کہ مجھے اللہ نے والی اور مال کی تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔ (مجمع الزوائد)

اور پھر حضرات تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں تو ہر شعبہ کی مستقل جماعتیں قائم ہو گئیں تھیں ، محدثین کی جماعت علیٰحدہ، فقہاء کی علیٰحدہ، مفسرین کا مستقل گروہ، واعظین مستقل، صوفیہ مستقل؛ لیکن ہمارے زمانہ میں ہر شخص اس قدر جامع الاوصاف اور کامل مکمل بننا چاہتا ہے کہ وہ معمولی سی عربی عبارت لکھنے لگے، بلکہ صرف اردو کی عبارت دلچسپ لکھنے لگے، یا تقریر برجستہ کرنے لگے، تو پھر وہ تصوف میں مستقل اہل الرائے ہے، فقہ میں مستقل مجتہد ہے، قرآن پاک کی تفسیر میں جو نئی سے نئی بات دل چاہے گھڑے۔ نہ اس کا پابند کہ سلف کا یہ قول ہے یا نہیں، نہ اس کی پرواہ کہ نبی کریم (ﷺ) کے ارشادات اس کی نفی تو نہیں کرتے۔ وہ دین میں مذہب میں جو چاہے کہے، جو منہ میں آئے بکے، کیا مجال ہے کہ کوئی شخص اس پر نکیر کر سکے، یا اس کی گمراہی کو واضح کر سکے۔ جو یہ کہے کہ یہ بات اسلاف کے خلاف ہے، وہ لکیر کا فقیر ہے، تنگ نظر ہے، پست خیال ہے، تحقیقاتِ عجیبہ سے عاری ہے۔ لیکن جو یہ کہے کہ آج تک جتنے اکابر نے، اسلاف نے جو کچھ کہا وہ سب غلط ہے اور دین کے بارے میں نئی نئی باتیں نکالے، وہ دین کا محقق ہے۔ نبی کریم (ﷺ) کا تو ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو، تب بھی اس نے خطا کی۔ (مجمع الزوائد) مگر یہ لوگ قرآن پاک کی ہر آیت میں سلف کے اقوال کو چھوڑ کر نئی بات پیدا کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اور صریح ظلم یہ ہے کہ علماء کو ہر شخص مشورہ دیتا ہے کہ وہ تفریق نہ کریں، تفسیق نہ کریں، تکفیر نہ کریں، لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ روشن دماغ دین کی حدود سے نہ نکلیں یہ نبوت کا انکار کردیں، یہ قرآن وحدیث کا انکار کردیں، یہ نماز روزہ کو لغو بتادیں، یہ حضور کی شان میں گستاخیاں کریں، صحابہ کرام کو گالیاں دیں، ائمہ مجتہدین کو گمراہ بتادیں، فقہ اور حدیث کو ناقابل عمل بتادیں، دین کے ہر ہر جزو سے انکار کردیں، دین کی ہر بات کا استہزاء اور مذاق اُڑائیں، لیکن یہ پھر بھی مسلمان رہتے ہیں، پکے دین دار رہتے ہیں۔ اور جو اُن کے خلاف آواز اُٹھائے وہ دین کا دشمن ہے، مسلمانوں کا بدخواہ ہے، وہ کافر بنانے والا ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو علماء کافر نہیں بناتے ہیں، اس لیے کہ جو شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کردے، وہ اپنی رضا اور رغبت اور اپنی روشن خیالی یا اپنے جہل سے کافر تو خود ہی بن چکا ہے، خواہ اس کو کوئی کافر بتائے یا نہ بتائے۔ اور اگر وہ اب تک کافر نہیں بنا تو کسی کے کافر بتانے سے کافر نہیں بنتا۔ اور اگر بن چکا ہے تو کسی کے کافر نہ بتانے سے مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو کافر بتانے والے کا تو احسان ہے کہ وہ اس پر تنبیہ کررہا ہے، متنبہ کررہا ہے کہ جو چیز تم نے اختیار کی ہے وہ اسلام سے نکال دینے والی چیز ہے، اور کفر میں داخل کردینے والی چیز ہے۔ اگر دین کی فکر ہے تو اس تنبیہ پر متنبہ ہونا چاہیے۔ کہنے والے کے قول پر اعتماد نہیں تو خود تحقیق کرلینا چاہیے کہ کہنے والے کا قول صحیح ہے یا غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ غلط ہوگا اور مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض اوقات غلط بھی ہوتا ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں کہ ہمیشہ ہی غلط ہوتا ہے۔ اس لیے یہ نظریہ کہ مغربی تعلیم کے زیر اثر، یا دین سے ناواقفیت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے سبب کہنے والا جو چاہے کہہ گذرے، اس کو ہرگز کافر نہ کہا جائے، دنیا کے ساتھ خیر خواہی نہیں۔ یہ ناواقفوں کو اور ان لوگوں کو جو ناواقفیت سے اس آفت میں مبتلا ہو جانے والے ہیں، کافر بنانا ہے۔ اس لیے حقیقت میں کافر بنانے والے وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ کفر کی باتوں پر تنبیہ نہ کی جائے، ان کو واضح اور ظاہر نہ کیا جائے۔ لوگوں کا یہ خیال کہ کفر آج کل ایسا سستا ہو گیا ہے کہ ہر شخص کافر ہے، اور اس خیال سے کفریات سے متأثر نہ ہونا یہ خود دین سے، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاک ارشادات سے، فقہائے امت کے اقوال سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

(الاعتدال فی مراتب الرجال۔ ص۔ ۱۶۴ تا ۱۷۵)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زِيَارَةُ أَهْلِ الْخَيْرِ وَمُجَالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمَحَبَّتُهُمْ ﴿مجلس ۱﴾

نیک لوگوں کی زیارت اور صحبت میں جانا اور ان سے محبت رکھنا

﴿مجلس ۱﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ ۱۹/جون ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَامَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ

وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ:

وَإِذْ قَالَ مُوسٰی لِفَتَاہُ لَا أَبْرَحُ حَتّٰی أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ أَوْ أَمْضِیَ حُقُبًا۔

عنوان کی وضاحت

باب قائم کیا ہے کہ جو لوگ صالح، اہلِ خیر اور نیک ہوں، ان کی ملاقات کے لیے جانا چاہیے، اور ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا چاہیے۔ اس لیے کہ ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان پر جو خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، وہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی اپنے اندر شامل کرلیا کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا یہ بھی ان برکتوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ ”وَصُحْبَتُهُمْ“ اور ان کی مصاحبت اور ان کا ساتھ اختیار کرنا۔ ”وَمَحَبَّتُهُمْ“ اور ان کے ساتھ محبت اور تعلق رکھنا ”وَطَلَبُ زِيَارَتِهِمْ وَالدُّعَاءُ مِنْهُمْ“ اور جس طرح خود ان کی زیارت کے لیے جائے، اسی طرح ان سے یہ درخواست کرنا کہ آپ

ہمارے یہاں تشریف لائیں۔ اور ان سے دعا کی درخواست کرنا۔ "وَزِيَارَةُ الْمَوَاضِعِ الْفَاضِلَةِ" اور ایسے مقامات کی زیارت کے لیے جانا جن کی کوئی خصوصی فضیلت قرآنِ پاک یا احادیثِ مبارکہ میں آئی ہے۔ علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس باب کا عنوان یہی قائم کیا ہے۔ گویا ان تمام چیزوں کی اہمیت کو اس باب میں بیان کرنا اور ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو سورۂ کہف کی ان آیتوں کو ذکر کیا ہے جن میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت خضر (علیہ السلام) کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

قرآن میں سب سے زیادہ ذکر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا ہے

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم حضرت یوشع بن نون سے یوں کہا کہ میں اپنا یہ سفر برابر جاری رکھوں گا یہاں تک کہ دو دریا جہاں ملتے ہیں وہاں پہنچ جاؤں یا اس مقصد کے لیے سالہا سال ایک طویل زمانہ تک اپنا یہ سفر جاری رکھوں۔

یہ واقعہ جو قرآن پاک کی ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے وہ احادیث کے اندر موجود ہے، اس کا بہت کچھ حصہ تو ان آیات کے اندر ہے اور اس کا ابتدائی حصہ احادیث میں ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک مرتبہ اپنی قوم میں لوگوں کی اصلاح اور نصیحت کے لیے ایک بیان کیا اور ایسی تقریر فرمائی کہ جس سے سننے والے بہت متاثر ہوئے،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جب وہ اپنے اس بیان سے فارغ ہوئے تو مجمع میں سے ایک آدمی نے ان سے سوال کیا کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی اور موجود ہے؟

واقعہ بھی یہی تھا کہ شریعت کا جتنا علم اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو عطا فرمایا تھا اتنا کسی اور کو نہیں دیا تھا۔چوں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بڑے جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں۔پیغمبروں میں بھی بعض پیغمبر اور رسول وہ ہیں جن کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے، جیسے حضرت نوح (علیہ السلام)، حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)؛ یہ پانچ پیغمبروں کے نام جلیل القدر انبیاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جلیل القدر پیغمبروں میں سے تھے،اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی کا سلسلہ جاری تھا،بلکہ اگر غور کریں تو قرآنِ پاک میں جس کثرت سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ مختلف مقامات پر مختلف انداز سے آیا ہے،کسی اور نبی کا تذکرہ اتنی کثرت سے قرآن میں موجود نہیں۔

...اس ذات کی محبوبیت کا کیا عالم ہوگا؟

علامہ عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا اور میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ قرآنِ پاک میں مختلف مواقع پر اور وہ بھی ایک خاص انداز سے جس سے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تعلق اور ان کی عجیب محبت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص برگزیدگی اور پسندیدگی کا پتہ چلتا ہے ان کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پیدائش، بچپن، دودھ پینے کا زمانہ، بڑا ہونا، جوانی کے ایام کو کس شہر میں گذارنا، پھر وہاں سے ہجرت کرکے دوسری جگہ چلے جانا اور وہاں نکاح ہونا، پھر نبوت سے نوازا جانا، پھر اپنی قوم کے ساتھ کا پورا معاملہ؛ مطلب یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی کی تفصیلات موجود ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور نبی کی زندگی کی اتنی زیادہ تفصیل قرآنِ پاک میں موجود نہیں ہے۔ علامہ عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ اس کی وجہ سے مجھے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام تو تمام نبیوں میں سب سے بڑھ کر ہے، آپ تو سید الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہیں، پھر بھی حضرت موسیٰ کا تذکرہ جس انداز سے کیا گیا ہے ویسا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی تذکرہ قرآنِ پاک میں موجود نہیں، حالانکہ قرآنِ پاک تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا ہے۔ یہ چیز بار بار میرے دل میں کھٹکتی تھی۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب اس آیت پر غور کیا ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ جس میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خطاب کرکے باری تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے نبی! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو تم میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی اور اتباع پر ہر اس آدمی کو - جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرے - محبوبیت کا مقام عطا فرمایا ہے۔ تو جس ذات کی پیروی کرنے پر پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبوبیت کا مقام دیا جاتا ہو؛ تو خود اس ذات کی محبوبیت اور قرب کا کیا عالم ہوگا!

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت موسیٰ کا جواب، اللہ کا عتاب

خیر! تو اس آدمی نے سوال کیا تھا کہ اس وقت روئے زمین پر آپ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی اور موجود ہے؟ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جلیل القدر پیغمبر تھے، آپ کے پاس وحی آیا کرتی تھی، اس لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی معلومات کے مطابق اس آدمی کو یہ جواب دیا کہ نہیں ۔ گویا شریعت کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والا میں ہی ہوں اور آپ کا جواب بالکل درست تھا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا معاملہ اپنے مقرب اور خصوصی بندوں کے ساتھ بڑا عجیب وغریب ہوا کرتا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے جب یہ سوال کیا گیا تو چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جواب میں یوں کہتے کہ دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کے بندے تو بہت سارے ہیں، کون کس درجے پر ہے اور کس کو کتنا علم دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ گویا اس سوال کے جواب کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے علم کے حوالے کرتے، لیکن اس کے بجائے انہوں نے جب یہ جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا۔ اور بطورِ عتاب کے ان سے یہ کہا گیا کہ ہمارے ایک بندے ہیں جو وہ باتیں جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔ تم جو یہ کہتے ہو کہ روئے زمین پر سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں تو ان کے پاس ایک ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔

ویسے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو احکامِ شریعت اور اسرارِ شریعت کا جو علم دیا گیا تھا اتنا کسی اور کے پاس نہیں تھا لیکن ایک اور طرح کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر (علیہ السلام) کو دیا تھا، اسی کے متعلق

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو باخبر کیا گیا کہ ہمارے ایک بندے ایسے ہیں جن کے پاس ایسا علم اور جانکاری ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ سنا تو انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ باری تعالیٰ! آپ کے وہ بندے کہاں رہتے ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ ان کی ملاقات کروں اوران کی صحبت اختیار کروں اوران سے وہ علم حاصل کروں جو میرے پاس نہیں ہے۔

علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) ان آیات کو اسی مناسبت سے لائے ہیں کہ دیکھو! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) خود اتنے اونچے مقام پر تھے کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں، آپ کے پاس وحی آتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام اور اسرارِ شریعت کا جو علم آپ کو دیا گیا ہے وہ کسی اور کو اتنا نہیں دیا گیا، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو باخبر کیا جارہا ہے کہ ہمارا ایک ایسا بندہ بھی ہے ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ اس کے پاس ہمارا دیا ہوا ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے۔تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اس بلند وبالا مقام کے باوجود اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اوران کی صحبت میں رہ کر اس علم کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اجازت دی۔ پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پوچھا کہ آپ کے اس بندے سے کہاں ملاقات ہوگی؟ تو ایک جگہ کی نشاندہی کی گئی کہ مجمع البحرین یعنی جہاں دو دریا ملتے ہیں وہاں وہ آپ کو ملیں گے۔

اب یہ دو دریا کو ن سے ہیں؟ اس سلسلہ میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ بحر فارس اور بحر روم جہاں ملتے ہیں۔ آج کل تو نہر سوئیز کی وجہ سے وہ ملے ہوئے ہی ہیں لیکن اُس زمانہ میں بالکل تو نہیں ملتے تھے، بلکہ ایک دوسرے سے زیادہ قریب جس مقام

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پر تھے،اس کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ دریائے دجلہ جہاں بحر فارس میں آکر گرتا ہے وہاں ملاقات ہوئی۔لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری(رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ خلیج عقبہ بندر گاہِ ایلہ جہاں پر واقع ہے،وہ علاقہ مراد لیا گیا ہے۔

خیر!ایک جگہ بتلادی گئی،پھر مجمع البحرین جو بتلایا گیا تھا وہ بھی ایک بڑا رقبہ و علاقہ تھا، اس میں خاص طور پر کون سی جگہ پر ان سے ملاقات ہوگی،اس کے لیے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پھر علامت دریافت کی کہ کوئی ایسی نشانی مجھے بتلادی جائے جس کی وجہ سے میں یہ معلوم کرلوں کہ مجمع البحرین میں فلاں جگہ پر ان سے ملاقات ہوگی۔جیسے کسی کو کہا جائے کہ سورت میں ملاقات ہوگی تو وہ پوچھے گا کہ سورت میں کون سی جگہ ہوگی؟

عزم پختہ ہو

خیر!اللہ تعالیٰ کی طرف سے علامت کے طور پر یہ حکم دیا گیا کہ آپ ایک مچھلی تل کر اپنے ساتھ رکھ لیجیے،جس جگہ وہ مچھلی زندہ ہو کر پانی کے اندر چلی جائے،وہیں ہمارے اس بندے سے آپ کی ملاقات ہوگی۔چنانچہ بات طے ہوگئی تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنے مقام سے حضرت خضر کی ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔جس وقت روانہ ہو رہے تھے اسی موقعہ کا اس آیت کے اندر تذکرہ کیا گیا ہے۔اور روانہ ہوتے وقت انہوں نے اپنے جس پیغمبرانہ عزم وارادہ کا اظہار کیا وہ دیکھئے۔اور پیغمبروں کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اور جس کام کا بیڑا اُٹھاتے ہیں تو اس کام میں ان کا عزم ایسا ہی پختہ ہوتا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس وقت ان کے ساتھ خدمت کے لیے حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) تھے جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے بعد جانشین بنے،اس وقت ان کو پیغمبری نہیں ملی تھی، اور حضرت موسیٰ کی خدمت میں تھے۔ان کو بھی اپنے ساتھ لیااوران سے حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے اس سفرپربرابر چلتارہوں گا،اپنے اس سفر کے ارادے سے باز نہیں آؤں گا یہاں تک دودریا جہاں ملتے ہیں وہاں پہنچ جاؤں ﴿أَوْ أَمْضِيَ حُقُباً﴾ یا سالہا سال چلتا رہوں۔"حُقُب" یہ "حُقْبَة" کی جمع ہے، تیس سال کو کہاجاتاہے۔اور "حُقْبَة" جمع ہے، اور عربی میں جمع کا صیغہ کم سے کم تین پر بولاجاتاہے،اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ایک سو بیس سال ہوجاتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ چاہے ایک طویل زمانہ تک بھی کیوں سفر کرنا نہ پڑے،تب بھی میں وہاں جاکر رہوں گا۔اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جب کسی کارِ خیر کاارادہ کرے اور بیڑا اُٹھائے تواُس کو اسی طرح پختہ عزم وارادہ سے کام لیناچاہیے کہ اس کام کومیں انجام دے کر ہی رہوں گا۔

اپنی ذات پر اعتماد نہ ہو

خیر!آگے علامہ نووی نے آیتیں چھوڑدی ہیں جن میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ روانہ ہوئےاورچلتے چلتے مجمع البحرین والے علاقہ تک پہنچے،اسی علاقہ میں ایک چٹان تھی،اس کےپاس ایک مرتبہ دوپہر کے وقت دونوں (حضرت موسیٰ اورحضرت یوشع) آرام کے لیےلیٹے۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حضرت یوشع سے کہاتھاکہ دیکھو!اس مچھلی کاخیال رکھنا، توحضرت یوشع نے جواب میں عرض کیاتھاکہ کوئی بڑاکام آپ نے نہیں سونپا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دیکھو! کسی بھی کام کو چاہے وہ معمولی سا ہی کیوں نہ ہو، اس کام کی انجام دہی میں جب آدمی اپنی ذات پر اعتماد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور اس کے ارادے کی طرف نظر نہیں ہوتی، تو اس صورت میں چھوٹے سے چھوٹا کام بھی آدمی انجام نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ دنیا کو دکھلاتے ہیں۔ ہاں اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر ان کی زبان سے یہ نکلا کہ کوئی بڑا کام آپ نے نہیں سونپا ہے، آپ بے فکر رہیے، یہ کام ہو جائے گا۔ دونوں لیٹے تو ان کو نیند نہیں آئی، لیکن حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سو گئے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اسی چٹان کے پاس آبِ حیات کا چشمہ تھا، اس کے کچھ چھینٹے اس مچھلی کو لگے اور اس میں جان آ گئی اور وہ مچھلی زنبیل میں سے اچھل کر دریا میں کود گئی۔ اور جب دریا میں گری اور آگے بڑھی تو باقاعدہ سرنگ بناتی چلی گئی۔ (بخاری شریف، ۴۴۵۰) یعنی کاغذ وغیرہ کے بیچ میں سے جب کوئی سخت چیز گذرے تو سوراخ بن جاتا ہے، لیکن پانی میں سوراخ نہیں بنتا، بلکہ پانی کا حال تو یہ ہوتا ہے جب کوئی چیز پانی میں ڈالیں، تو جب وہ آگے بڑھے گی تو پانی کا پچھلا حصہ آپس میں ملتا چلا جائے گا، لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ یہ دکھلایا کہ جب وہ مچھلی پانی کے اندر داخل ہو رہی تھی تو ساتھ ہی ساتھ پانی میں سوراخ اور سرنگ سی بنتی چلی گئی۔ حضرت یوشع اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تو آرام فرما رہے تھے، اس لیے انہوں نے سوچا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں، اس لیے بیدار کرنا مناسب نہیں۔ جب بیدار ہوں گے تو ان کو بتا دوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بیدار ہوئے تو یہ بتانا ہی بھول گئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اس کام کو معمولی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سمجھتا تھا، حالانکہ جب تک میری توفیق شامل حال نہ ہو وہاں تک آدمی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی انجام نہیں دے سکتا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی گوشمالی

بہرحال! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اٹھے اور کہا کہ چلو اور آگے بڑھ گئے۔ جب چٹان کے پاس سوئے تھے وہ دوپہر کا وقت تھا، وہاں سے شام تک چلتے رہے، رات کو بھی چلے پھر دوسرے دن جب صبح ہوئی، اور کچھ وقت گذرا تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ بھائی! ہمارا کھانا لاؤ، اب تو ہم تھکے اور بھوک کا بھی کچھ احساس ہوا۔ دیکھو! وہاں سے یہاں تک چلتے ہوئے آئے تو تھکن نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب تک تو بھوک اور تھکن کا احساس نہیں تھا، لیکن جب مقصد سے آگے نکلے اور اتنا آگے بڑھ چکے تب احساس ہوا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلادیا کہ تم سب سے زیادہ جاننے کا دعویٰ کررہے تھے، اور ساتھ میں مچھلی اس لیے لائے تھے کہ جہاں وہ زندہ ہوکر پانی میں گرے گی تو جگہ معلوم ہوجائے گی، لیکن وہ کب زندہ ہوئی اس کا پتہ ہی نہیں چلا، اور جس جگہ کی تلاش میں نکلے تھے اس سے آگے نکل گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ سب بطورِ سبق بتلایا گیا تھا۔

خیر! جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ کھانا لاؤ، تو حضرت یوشع نے جواب دیا کہ ارے! بات بتلانا تو بھول ہی گیا، شیطان نے بھلادیا اور شیطان کی عادت ہی یہ ہے کہ وہ کام کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بات بھلادیا کرتا ہے۔ پوچھا: کیا ہوا؟ تو کہا کہ ہم جہاں لیٹے تھے وہیں وہ مچھلی زندہ ہوکر زنبیل سے نکل کر پانی میں داخل ہوگئی تھی اور عجیب وغریب طریقہ سے اس نے اپنا راستہ پانی میں بنالیا تھا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ بھائی! وہیں تو ہمیں جانا تھا۔ چلو! واپس لوٹتے ہیں۔ اب جس راستہ پر وہ چلے تھے وہ باقاعدہ بناہوا راستہ، پگڈنڈی اور سڑک نہیں تھی، اس لیے اپنے پاؤں کے نشانات ہی کو دیکھتے دیکھتے واپس لوٹے۔ گویا آدھا دن اور پوری رات جو چلے تھے اتنا پھر دوبارہ اُلٹا چلنا پڑا، اور مزید مشقت اُٹھانی پڑی۔

حضرت خضر (علیہ السلام) سے ملاقات

اور جب اسی جگہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی چادر تانے ہوئے لیٹا ہے۔ چادر کا ایک سِرا سر کے نیچے دبا ہوا ہے اور دوسرا سِرا پاؤں کے نیچے دبا ہوا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح سونا جائز ہے۔ بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے کہ وہ اس طرح سوئے ہوئے تھے۔

بہرحال! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو سلام کیا، جب حضرت خضر (علیہ السلام) نے سنا تو سوچا کہ یہاں سلام کیسا؟ اس لیے کہ وہ علاقہ اہلِ ایمان کا نہیں تھا۔ تو حضرت خضر نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ میں بنی اسرائیل والا موسیٰ ہوں۔ پوچھا: یہاں کیوں آئے ہو؟ کہا: آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ دیکھو! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ان کی صحبت میں رہنے کے لیے ہی گئے تھے، اس لیے پوچھا کہ کیا میں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آپ کے ساتھ رہ سکتاہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور علم کی جو باتیں آپ کو سکھائی گئی ہیں، وہ آپ مجھے سکھلائیں میں آپ کی رفاقت اورآپ کی صحبت اختیارکرناچاہتا ہوں۔

بس! یہاں تو انہوں نے اس آیت کواتنی ہی پیش کر کے ختم کردی ہے۔ آگے قصہ طویل ہے۔ہوسکتاہے کہ اتناسن کرآپ حضرات کو بھی شوق پیداہواہو،اس لیے اس قصہ کو مکمل کردیتاہوں۔

تکوین

حضرت خضر(علیہ السلام) نے کہاکہ آپ میرے ساتھ رہ نہیں سکیں گے اور صبر نہیں کرسکیں گے۔بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے کہ حضرت خضر(علیہ السلام) نے کہاکہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم آپ کوعطافرمایاہے۔یعنی شریعت کااوراحکام خداوندی کاعلم آپ کودیا ہے کہ بندوں کوکیاکرناچاہیے،کیانہیں کرناچاہیے۔اللہ تعالیٰ دنیامیں بندوں کی ہدایت کے واسطے اورزندگی گذارنے کاطریقہ بتلانے کے لیے جواحکام نازل فرماتے ہیں اسی کو شریعت کہتے ہیں۔ اس کاعلم جتناآپ کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں "وَاِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنَ اللّٰہِ لَا تَعْلَمُہٗ"اورایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، اوروہ اسرارِکائنات کاعلم ہے جو تمہیں معلوم نہیں ۔

دیکھو!دوچیزیں ہیں ایک توہے تکوین اورایک ہے تشریع۔تکوین کامطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پوری کائنات:زمین وآسمان،چاندوسورج وغیرہ جوکچھ پیداکیا اوراس میں مختلف مخلوقات کوپیداکیا،اسی میں انسان کوبھی بسایااوراس کی ضرورتیں بھی اللہ تعالیٰ نے پیداکیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کائنات کا یہ پورانظام اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔اور کائنات کے اس نظام کو چلانے کے واسطے اللہ تعالی نے کچھ اصول بھی مقرر کئے ہیں جن کے مطابق یہ نظام چل رہا ہے،اوراس کو چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا اسٹاف اور عملہ بھی ہے اوروہ فرشتے ہیں۔ تواس پوری کائنات کے نظام کو اللہ تعالیٰ چلاتے ہیں اوراس سلسلہ میں فرشتوں کواحکام بھی دیتے رہتے ہیں جیسا کہ روایتوں میں آتاہے کہ لیلۃ القدر یا بعض مخصوص راتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو فیصلے بتلائے جاتے ہیں۔اس کی بہت ساری تفصیلات ہیں۔

شیاطین اور تکوینیات

پہلے زمانہ میں جب کہ جن وشیاطین کے لیے راستہ بند نہیں کیا گیا تھاتووہ آسمانوں پر جاکر جو چیزیں سنتے تھے وہ یہی ہدایات ہوتی تھیں۔جیسے بادشاہِ وقت کی طرف سے اپنے ماتحتوں کوہدایات دی جاتی ہیں،ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کوکائنات کے نظام کے سلسلہ میں ہدایات دی جاتی تھیں،اسی کو سننے کے لیے شیاطین آسمانوں پر جایا کرتے تھے اورسنتے تھے،توبعض باتیں ان کے کانوں میں پڑجاتی تھیں۔جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت ہوئی تویہ سلسلہ بالکل بند کردیاگیااور ان کو ستارے مارنے کاسلسلہ شروع ہوا۔پہلے جب یہ جاتے تھے توان کوستارے مار کر اور میزائل داغ کر وہاں سے بھگایاجاتاتھا،لیکن ایک آدھ بات ان کے کان میں پڑجاتی تھی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ فلاں جگہ فلاں تاریخ کو سیلاب لانا ہے، یا زلزلہ لانا ہے۔ اب یہ بات ان کے کان میں پڑ گئی تو اس سے پہلے کہ وہ میزائل نما ستارہ اس کو لگے، وہ اپنے نیچے والے شیطان کو بتا دیتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ نیچے والے کو بتانے سے پہلے ہی وہ ستارہ اس کو آکر لگتا تھا، گویا ان کی ساری کوشش بے کار جاتی تھی۔ اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ وہ جلدی سے نیچے والے کو بتا دیتا تھا اس کے بعد وہ ستارہ اس کو لگتا تھا۔ یہ تو بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے۔ (بخاری شریف، ۵۴۲۹)

خیر! کبھی وہ نیچے والے کو بتا دیتا تھا، پھر وہ اس کے نیچے والے کو، اور وہ اپنے نیچے والے کو بتاتا، اس طرح آتے آتے اخیر والا اپنے دوست کاہن اور جوتشی کو وہ بات بتاتا تھا۔ اب یہ ایک ایسی بات ہے جو کائنات کے نظام کے متعلق اوپر ہی سے آئی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس زمانہ کی مصلحتوں کی وجہ سے اتنی پابندی بھی نہیں تھی اس لیے وہ اوپر سے یہ بات گویا چرا لایا کرتے تھے۔ اور وہ واقعہ تو ہونا ہی تھا، اس لیے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا۔ جب وہ بات کاہن کے پاس پہنچتی تو وہ کاہن لوگوں کو کہتا کہ فلاں دن دنیا میں یہ واقعہ پیش آنے والا ہے۔ اب وہ بات تو سچ ہوتی تھی اور ایسا ہی واقعہ ہوتا تھا۔ تو پھر وہ کاہن ایک سچی بات کے سہارے سے اپنی سو جھوٹی باتیں لوگوں میں چلاتا تھا۔ اس لیے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ فلاں دن فلاں تاریخ کے متعلق اس نے یہ پیشین گوئی دی تھی اور وہ بات ٹھیک اسی طرح وجود میں آئی تھی، تو سوچتے ہیں کہ اس کی بات میں کچھ وجود

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

معلوم ہوتا ہے۔اور پھراس کی دوسری باتیں بھی لوگ سچ مان لیتے ہیں۔ نبی کریم (ﷺ) کا یہی ارشاد حدیث میں نقل کیا گیاہے۔

بہرحال!میں یہ عرض کررہاتھا کہ کائنات کانظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مقرر کیاہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق اس کائنات کو چلاتے ہیں؛اسی کو اصطلاح میں تکوین کہتے ہیں۔اوراس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کوجوہدایتیں دی جاتی ہیں ؛اسی کوتکوینیات کہاجاتاہے۔یہ دنیااللہ تعالیٰ کا ایک کارخانہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق فرشتوں کے ذریعہ سے چل رہاہے دنیاکی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ حکم کے بغیرنہیں چلتی

تشریع

اوردوسری چیز تشریع ہے۔اس کامطلب یہ ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو انسانوں کی ضرورت پوری کرنے کے واسطے پیداکیاہے، اورانسانوں کو اپنی عبادت واطاعت اور فرمانبرداری کے واسطے پیداکیاہے،اس لیے اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان چیزوں سے واقف کرانا چاہتے ہیں کہ کون سے کام کروگے تو اس سے میں خوش ہوؤں گااور کون سے کام کروگے تو میں ناراض ہوجاؤں گا۔ان ساری تفصیلات کوتشریع کہا جاتاہے۔اور اس بارے میں بندوں کو اختیاردیاکہ وہ چاہیں تو کریں اورچاہیں تونہ کریں۔ ایسانہیں ہے کہ کرنے کاکوئی کام اگرکوئی نہیں کرے گاتو اس کی وجہ سے وہ آدمی گونگا،اندھایابہراہوجائے گا،یااس کوبخارآجائے گا۔ ایسانہیں ہوتا۔اوراسی میں تو بندوں کاامتحان ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خیر! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شریعت کے احکام کو بتلانے کے لیے باقاعدہ اپنے بندوں کو بھیجا، جن کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ اور ان تک وہ احکام پہنچانے کے لیے وحی کا سلسلہ جاری کیا۔ وحی شریعت کے احکام کو بتانے کے لیے نازل ہوتی تھی۔

تو یہ دو چیزیں - تکوین اور تشریع - الگ الگ ہوئیں۔ اب تکوین تو اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے جو چل رہا ہے، اس سے انسانوں کو کوئی واسطہ نہیں ہے، انسانوں کی ضرورتیں مختلف طریقہ سے پوری ہو رہی ہیں۔ اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس اس طریقے سے زندگی گزارو۔ انہی طریقوں کا نام تشریعی احکام ہیں۔

حضرت خضر (علیہ السلام) کو تکوینیات کا علم دیا گیا تھا

اب تکوینی نظام کے سلسلہ میں کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نظام میں زیادہ تر فرشتوں کو لگا رکھا ہے، لیکن انسانوں میں سے بھی اپنے بعض مخصوص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوینی نظام سے متعلق ہدایتیں دی جاتی ہیں۔ حضرت خضر (علیہ السلام) انہیں بندوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے تکوینیات یعنی کائنات کے بھیدوں سے واقف کیا تھا اور ان کے متعلق ان پر وحی آتی تھی۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر جو وحی نازل ہوتی ہے وہ تشریعی احکام کے متعلق نازل ہوا کرتی ہے، لیکن حضرت خضر (علیہ السلام) کے اوپر جو وحی آتی تھی اس میں کائنات کے متعلق احکام نازل کئے جاتے تھے۔ یہ خاص علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کامیابی تکوینیات کے علم پر موقوف نہیں

لیکن ایک بات یاد رہے۔حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ جو علم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو دیا گیا تھا وہ تو ایسا تھا کہ اس پر جب کوئی آدمی عمل پیرا ہو تو اس کی دنیا بھی بن جاوے اور آخرت بھی بن جاوے۔گویا کامیابی اور ناکامی کا مدار اسی پر ہے۔جبکہ حضرت خضر (علیہ السلام) کو کائنات کے رازوں اور بھیدوں کا جو علم دیا گیا تھا،وہ ایسا نہیں تھا جس پر کامیابی اور ناکامی کا مدار رہو۔جیسے آج ہم یہاں بیٹھے ہیں،ایک آدمی کو ہم نے دیکھا جو بہت شریف سا ہے،لیکن اچانک پولیس آئی،اس کی پٹائی کی اور اس کو پکڑ کر لے گئی۔ہم اس آدمی کے حالات سے واقف ہیں کہ بڑا شریف ہے، اور کبھی کوئی جرم اس نے نہیں کیا،کبھی کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی،اس لیے یہ معاملہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے،ہمارا دل اس کو قبول ہی نہیں کرتا۔اور قدرت کی طرف سے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیوں کروایا جارہا ہے، اس کا راز ہم نہیں سمجھ سکتے۔ہمارے علم میں ہی نہیں آسکتا،یہ کائنات کے رازوں میں سے ایک چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔لیکن مان لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ذریعہ سے ہم کو بتادیا جائے کہ اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے ہوا ہے۔تو جب نہیں جانتے تھے تو کیا نقصان ہوا؟اور اب جان لیا تو ہمارا دنیا یا آخرت کا کیا فائدہ ہوا؟ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہے۔یہ تو کائنات کا ایک نظام ہے جو چل رہا ہے۔اگر اس نظام کے اندرونی بھیدوں سے ہمیں واقفیت نہیں ہے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔اور اگر واقف ہو جائیں گے تو ہمارا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دنیااورآخرت کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ہماراجوکچھ بھی فائدہ اور نقصان ہے اس کا تعلق توشریعت کے احکام سے ہے۔شریعت کے احکام کوجانیں اوراس پر عمل کریں توفائدہ ہے۔اگر نہیں جانیں گے اور چھوڑ دیں گے تواس میں نقصان ہے۔

کہنے کاحاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کوشریعت کا علم دیاگیاتھاجس پر انسانوں کی کامیابی اورناکامی کامدار تھا۔اورحضرت خضر(علیہ السلام) کوکائنات کے اسرارکاعلم دیا گیاتھاجس پر کسی کامیابی اورناکامی کی بنیادنہیں تھی۔ہاں !اگرجان لیں توبعض چیزوں میں ہمیں جو اشکال رہتا ہے،وہ دورہوجائے۔جیسے اسی واقعہ میں آرہاہے۔

آپ سے ضبط نہ ہوسکے گا

توحضرت خضر(علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا”وَاِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنَ اللهِ لَاتَعْلَمُهٗ“ اللہ تعالیٰ نے آپ کوایک علم دیاہے جومیں پورانہیں جانتا۔اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک علم دیاجوآپ پورا نہیں جانتے۔حضراتِ انبیاء کوبھی کائنات کے رازوں سے واقف کیاجاتاہے لیکن اتنی تفصیل سے نہیں جیساکہ اسی حدیث سے معلوم ہو تا ہے۔توحضرت خضر(علیہ السلام) نے کہا:﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾آپ میرے ساتھ صبر و تحمل نہیں کرسکو گے۔ اس لیے کہ جوچیز پیش آرہی ہے اس کےاندرکے بھید سے تم واقف نہیں ہوگے، تو آپ سے ضبط نہیں ہوسکے گا۔اس کاظاہری حال ایسا ہوگا جس سے آپ بے چین ہوجائیں گے،اورآپ غیراختیاری طورپراعتراض کر بیٹھیں گے۔اب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ خیال توتھاہی نہیں کہ آگے کیسے خطرناک معاملات

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پیش آنے والے ہیں، اس لیے انہوں نے کہہ دیا﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَآءَ اللهُ صَابِراً وَّلاَ أَعْصِي لَكَ أَمْراً﴾ آپ مجھے صابر پائیں گے اور کسی بات میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ وعدہ کرلیا۔

سفر شروع ہوا

اب ان تینوں کا قافلہ دریا کے کنارے کنارے آگے چلا، اتنے میں دیکھا کہ ایک کشتی ہے تو ان حضرات نے ان کشتی والوں سے گفتگو کی کہ ہمیں سوار کرلو۔ بخاری شریف میں ہے کہ کشتی والوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا کہ یہ اللہ کے نیک بندے ہیں اس لیے انہوں نے ان سب کو مفت میں سوار کرلیا۔ یہاں پر میں مولویوں سے کہا کرتا ہوں کہ مفت کی سواری تو ہمارے لیے پرانے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ خیر! انہوں نے کہا کہ آپ سے کرایہ نہیں لیں گے اور مفت سوار کرالیا۔

کشتی میں سوار ہونے کے بعد دیکھا کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے بیٹھی ہے اور اس نے اپنی چونچ ڈبوئی، تو حضرت خضر (علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اس چڑیا نے اپنی چونچ ڈبو کر دریا میں سے جتنا پانی لیا ہے، اس کی جو حیثیت پورے دریا کے مقابلہ میں ہے، اتنی حیثیت بھی میرے تمہارے اور سارے عالم کے تمام انسانوں کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی چونچ میں جو پانی آیا ہے وہ بھی محدود اور دریا کا پانی بھی محدود ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے۔

تختہ توڑدیا

اس کے بعد تھوڑاآگے چلے تھے کہ اچانک حضرت خضر(علیہ السلام) نے اس کشتی کا ایک تختہ توڑدیا۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھاکہ تختہ توڑدیاتوان کواپناوہ وعدہ،شرط اور جو ایگریمنٹ (Agreement)ہواتھاوہ یاد نہیں رہا۔داخلہ کی جوشرط ہوئی تھی؛ یاد نہیں رہی۔

یہاں میں ہمارے طلبہ سے کہاکرتاہوں کہ مدرسہ میں داخلہ کی جوشرطیں لگائی جاتی ہیں کہ یوں کرنا پڑے گااور توں کرناپڑے گا،یہ قرآن سے ثابت ہے۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) علم حاصل کرنے ہی توگئے تھے اورحضرت خضر(علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کوساتھ رکھنے کی جو منظوری دی تھی اس میں یہ شرط لگائی تھی کہ اس طرح رہنا پڑے گاکہ کوئی اعتراض نہ ہو۔

خیر!ان کووہ شرط یادہی نہیں رہی اورایک دم بے خیالی میں بول پڑے کہ یہ کیا کیا؟یہ توآپ سب لوگوں کوڈبادینے کاکام کررہے ہیں۔اورپھر یہ کہ ان لوگوں نے ہمیں مفت سوار کرکے ہمارے ساتھ احسان کیا،اس کابدلہ دینے کے بجائے آپ توالٹی بات کررہے ہیں۔ حضرت خضر(علیہ السلام) نے کہاکہ میں نے نہیں کہاتھاکہ آپ میرے ساتھ صبرو تحمل نہیں کرسکیں گے؟حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کویادآگیاکہ اوہو!میں نے شرط منظور کی تھی، فوراًکہا:﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ میں بھول گیاتھا(اورواقعتاحضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھول ہی گئے تھے کہ یہ شرط ہوئی ہے اور غیراختیاری طورپریہ چیززبان سے نکلی تھی)اس پرمیری پکڑمت کرو،پہلی بھول پرکوئی بھی پکڑنہیں کرتااورمیرے معاملہ میں تنگی نہ ڈالو۔یعنی اگرآپ میری

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس بھول کی وجہ سے اپنی صحبت سے الگ کردیں گے تو یہ میرے لیے تنگی والی بات ہوجائے گی۔ خیر! حضرت خضر(علیہ السلام) نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

یہ کیا کیا؟

آگے بڑھے اور کشتی سے اترے۔ایک بستی کی طرف جارہے تھے،بستی کے باہر کچھ بچے کھیل رہے تھے۔حضرت خضر(علیہ السلام) نے ان میں سے ایک حسین اور خوبصورت چھوٹے بچہ کو(جو دیکھنے میں بھی بڑا ذہین معلوم ہوتا تھا)پکڑ کر اس کی گردن کاٹ کر مارڈالا۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ دیکھا تو بول پڑے﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا﴾ یہ کیا کیا؟یہ تو بہت خطرناک کام کیا۔ حضرت خضر(علیہ السلام) نے پھر وہی بات کہی کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے۔اس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا﴿إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي﴾ اگر اس کے بعد کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔

دیکھو!اس وقت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے یہ نہیں کہا کہ میں بھول گیا،اس لیے کہ دوسری مرتبہ جو اعتراض کیا تھا اس وقت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنا وعدہ یاد تھا لیکن یہ کام ہی ان کی نگاہوں میں ایسا خطرناک تھا کہ وعدہ یاد ہوتے ہوئے بھی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جیسی شخصیت خاموشی اختیار نہ کرسکی۔فوراً بول پڑے۔اور اسی لیے معذرت کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ میں بھول گیا،بلکہ مزید ایک مہلت مانگی کہ اگر اب سوال کروں تو مجھے الگ کردینا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جدائی کاوقت آگیا

خیر! آگے بڑھے، اور ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں سے کہا کہ ہم مسافر ہیں اور بھوکے بھی ہیں، ہماری میزبانی کرو۔ ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اسی بستی میں سے گذررہے تھے کہ ایک بڑی لمبی چوڑی دیوار کو دیکھا جو جھکی ہوئی تھی اور گرنے کے قریب تھی، کوئی بھی آدمی اس کے پاس سے گذرتا تو ڈر کے مارے دوردور سے گذرتا تھا کہ کہیں گر نہ جائے۔ حضرت خضر نے چن کر اس کو سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اس بستی والوں نے تو ہماری میزبانی بھی نہیں کی، ان کی ذمہ داری تھی کہ ہماری میزبانی کرتے کہ ہم بھوکے اور مسافر تھے، لیکن انہوں نے وہ تو کیا نہیں، اور آپ نے ان کے ساتھ احسان کیا؟ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت کا مطالبہ کرتے، اور جو اجرت ملتی اس سے ہماراکام بھی بن جاتا کہ کھانے کو مل جاتا، یا کم سے کم اجرت میں کھانا ہی لے لیتے؟ تو حضرت خضر نے کہا ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ﴾ بس! یہ تیسری مرتبہ اعتراض کیا، اب ہماری اور تمہاری جدائی کا وقت ہے۔ اور اب میں آپ کو بتلادیتا ہوں کہ ان تین باتوں کی وجہ کیا ہے؟ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کاش! حضرت موسیٰ اور تھوڑا صبر کرتے تو ہمیں کائنات کے اور زیادہ راز معلوم ہوتے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عین احسان شناسی

خیر! پہلی بات کے متعلق بتلایا کہ دیکھو! وہ کشتی غریب بھائیوں کی تھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ کل دس بھائیوں کی تھی جن میں سے پانچ اپاہج تھے، کمانے اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے، اور دوسرے پانچ بھائی اس کشتی میں کام کرتے تھے، مسافروں کو اِدھر سے اُدھر لے جاتے تھے اور سامان ڈھوتے تھے، اور جو کچھ کماتے تھے اسی میں سے ان کا گذران چلتا تھا۔ حضرت خضر نے کہا یہ ان بے چاروں کی کشتی تھی اور اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا۔ اور آگے جہاں یہ جارہے تھے اس علاقہ کا حاکم بڑا ظالم تھا، جو کشتی بھی اچھی حالت میں ہوتی اس کو وہ چھین لیا کرتا تھا، اور ان غریبوں کی کشتی بھی بہت اچھی اور ٹوپ (Top) کنڈیشن میں تھی، اور اس کی عادت کے مطابق اگر وہ اس کشتی کو دیکھتا تو ضرور چھین لیتا۔ میں نے یہ تختہ اس لیے اُکھاڑ دیا تھا کہ وہ اگر دیکھے گا تو کہے گا کہ یہ کشتی اچھی نہیں ہے۔ اس طرح ان کی کشتی بچ جائے گی، اس طرح ان بے چاروں کا ذریعۂ معاش باقی رکھنے کی میں نے کوشش کی تھی دیکھنے میں تو آپ کو یہ معلوم ہوا کہ ہم نے ان کے ساتھ احسان فراموشی کا معاملہ کیا، لیکن حقیقت میں یہ احسان شناسی والی بات تھی۔ اندر کا بھید معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اشکال ہوا۔ ہم اور آپ بھی جب یہ حقیقت سنتے ہیں تو ہمارا بھی سارا اشکال دور ہو جاتا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دوسرا راز

خیر! پھر دوسرے واقعہ کے متعلق کہا کہ اس بچہ کے والدین مؤمنین میں سے صالح اور اللہ کے نیک بندے تھے، اور یہ بچہ آگے جا کر ان کی نافرمانی کرتا، کفر اختیار کرتا اور اپنے ماں باپ کو تکلیف پہنچاتا۔ اور ہو سکتا تھا کہ اس بچہ کی محبت میں والدین بھی کفر کی طرف مائل ہو جاتے، تو اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہوا کہ اس بچہ کے بدلہ ان کو اور کوئی اولاد دے، اس لیے وحی کے ذریعہ مجھے حکم دیا گیا کہ اس کو ختم کر دو۔ الہام کے ذریعہ نہیں بلکہ باقاعدہ وحی کے ذریعہ اس کو ختم کرنے کا حکم ملا اس لیے اس کو قتل کر دیا گیا روایتوں میں ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک صالح لڑکی دی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے۔

نیکی کی برکت، پشتہا پشت تک

اور تیسرے نمبر کے متعلق بتلایا کہ دیوار دراصل دو یتیم بچوں کی تھی، اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا اور یہ دونوں ابھی چھوٹے تھے، اگر یہ دیوار گر جاتی تو خزانہ کھل جاتا، اور لوگ اس کو لوٹ لے جاتے۔ اور یہ دونوں بچے ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ اس خزانہ کو سنبھال سکیں۔ اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

اس جگہ پر مفسرین نے لکھا ہے کہ ماں باپ کی نیکی اولاد تو کیا، بلکہ اولاد کی اولاد اور اس اولاد کی اولاد، اس طرح پشتہا پشت تک کو کام آتی ہے۔ بلکہ اہلِ خاندان اور اہل محلہ اور اہلِ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

قریہ کوکام آتی ہے۔اللہ والوں کی موت پر سب کو صدمہ کیوں ہوتا ہے؟لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ان کے وجود سے ہمیں بھی فائدہ پہنچ رہاہے۔

حضرت شبلی(رحمۃ اللہ علیہ) جو بڑے بزرگوں میں سے ہیں انہوں نے کہاکہ دیکھو!میرے مرنے کے بعد تم کو میری قدر ہوگی اور تمہیں پتہ چلے گا۔کتابوں میں لکھاہے کہ بغداد میں رہتے تھے،جب انتقال ہوا،اس کے دوسرے ہی روز دشمن قبیلے والوں نے بغداد پر حملہ کرکے قبضہ کرلیا۔بغداد والے کہتے تھے کہ ہم کو تو دوہرا غم ہوا،ایک شبلی کی وفات کا اور دوسرا دشمن کے حملہ کا۔خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو نیکی اختیار کرنی چاہیے۔

اولاد کے لیے کیا فکر کریں؟

آج کل لوگ یہ سوچتے ہیں کہ میرے بعد میری اولاد کا کیا ہوگا؟اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے بہت ساری تدبیریں سوچی جاتی ہیں کہ میں کس طرح مال جمع کروں اور کتنا بینک بیلنس بڑھاؤں، کتنی جائیدادیں ان کے لیے مہیا کروں، مکانات تیار کروں، زمینیں خریدلوں اور ان کے لیے دکان وفیکٹری بنالوں۔یہ ساری چیزیں سوچی جاتی ہیں۔حالانکہ پتہ ہی نہیں کہ یہ سب بنانے والے کی زندگی تک بھی باقی رہتی ہیں یانہیں ۔اور اگر باقی رہیں تو آئندہ اس سے ان کو فائدہ بھی پہنچتاہے یانہیں ۔کسی کی بڑی سے بڑی فیکٹری ہو،لیکن کاروبار ہی نہ چلے،تو آپ سب بخوبی جانتے ہیں کہ فیکٹری ہونے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔بلکہ وہی فیکٹری دردِ سر بن جاتی ہے۔گویا ہاتھی پال رکھاہے جو زیادہ مصیبت بن جاتاہے۔تو آدمی یہ ساری چیزیں سوچتاہے لیکن

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہ نہیں سوچتا کہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور نیکی کی راہ اختیار کروں اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہونے کی کوشش کروں۔ آدمی اگر نیک بنے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کی اولاد اور اس کی پشتہا پشت کی حفاظت کرے گا۔

بعض لوگوں نے یہاں ایک ضعیف روایت بیان کی ہے ﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ ان کا باپ یعنی ان کی ساتویں پشت پر جو آتا تھا وہ نیک و صالح تھا، اس کی نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کے خزانے کی حفاظت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ کہف)

اسی لیے آدمی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرے اور یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ نہ ان کو ضائع کرے گا اور نہ ان کے پسماندگان اور متعلقین کو ضائع کرے گا۔ بس یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع نہ کیجئے۔

یہ ہمارا موضوع نہیں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر نے کہا کہ ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ ان کا خزانہ ضائع ہوجائے، جب وہ بڑے ہوجائیں گے تو خود اس خزانے کو نکال لیں گے۔ اس طرح حضرت خضر نے تینوں کام کی علتیں بتلادیں کہ یہ کائنات کے راز ہیں۔

تکوینیات کا حال یہی ہوتا ہے کہ ایک چیز دیکھنے میں ہمیں بظاہر بہت اُلٹی معلوم ہوتی ہے اور ہمارے دل میں اعتراض ہوتا ہے۔ لیکن دیکھو! کوئی آدمی اگر ہمارے کسی معمولی سے فعل

پر ذرا سا اعتراض کر دے تو ہمارا دماغ خراب ہو جاتا ہے، مزاج بگڑ جاتا ہے؛ تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی دنیا میں وجود میں آرہا ہے اس پر آدمی کو کبھی دھیان دینا ہی نہیں چاہیے۔ یہ ہمارا کام ہے ہی نہیں ۔ ہمیں تو صرف یہی کہنا چاہیے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، وہ علیم و قدیر ہے اور حکیم و خبیر ہے، سب کچھ اس کی حکمت کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ اس لیے آدمی کو کبھی اس طرف دھیان دینا ہی نہیں چاہیے۔ ورنہ یہ معاملہ کبھی آدمی کے ایمان کے ختم ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایک خان صاحب کا واقعہ

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب (نوراللہ مرقدہٗ) نے آپ بیتی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک خان صاحب اپنے وطن سے بھاگ کر چلے آئے اور راجپوتانہ کے علاقہ میں کسی زمین دار کے یہاں ملازم ہو گئے۔ وہ خانصاحب تھے، ان کی وجہ سے زمین دار کو بھی اچھی خاصی مدد ہو گئی، وہی اس کی ساری جائیداد کی حفاظت کرتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ اس علاقہ میں قتل کا ایک واقعہ پیش آیا اور خانصاحب کے سر الزام آیا تو ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ کیس چلا اور خانصاحب کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ یہ انگریز کے زمانہ کا قصہ ہے۔ اس زمانہ میں لندن میں پرائیویٹ کونسل ہوتی تھی، وہاں تک کیس لڑا جاتا تھا۔ جب ان کو پھانسی کی سزا ہوئی تو ان کے مالک اور آقا نے کہا کہ آپ بے فکر رہو، میں آپ کا کیس اوپر تک لڑوں گا۔ ان خانصاحب نے کہا کہ حضور! آپ کا احسان ہے لیکن میری درخواست ہے کہ آپ کو کیس لڑنے کی ضرورت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نہیں ہے۔ آقا نے کہا کہ تم بے قصور ہو اور تمہیں سزا ہوئی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ کی بات بالکل صحیح ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قتل کے معاملہ میں مجھے جو گرفتار کیا گیا ہے، وہ میں نے نہیں کیا ہے۔ لیکن میں اپنے علاقہ میں ایک بے قصور کو قتل کر کے وہاں سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کی سزا کا یہ انتظام کیا گیا ہے۔ مجھے اسی دنیا میں اس کی سزا بھگت لینے دو، تاکہ آخرت کے وبال سے بچ جاؤں۔ اس لیے میری آپ سے درخواست یہی ہے کہ میرا کیس آگے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تبصرے نہ کریں

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ کائنات میں بے شمار واقعات ایسے پیش آتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے حالات تو دیکھتے نہیں، اپنے اعمال کی درستگی کا اہتمام نہیں کرتے، اور قدرت کے جو واقعات پیش آتے ہیں اس پر تبصرے کرتے رہتے ہیں، اور ان تبصروں میں نعوذ باللہ کبھی ایسے جملے زبان سے نکال دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتراض لازم آتا ہے۔ اس لیے ایسی چیزوں سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

وہ مالک ہے جو چاہے کرے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا یہ واقعہ قرآنِ پاک میں ذکر کر کے آنے والی دنیا کو خاص طور پر یہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سبق دینا چاہتے ہیں کہ دیکھو!کائنات میں جو واقعات پیش آتے ہیں کہ ان کی ظاہری شکل و صورت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کو جب اندر کا حال معلوم نہیں تھا تو اعتراض پیدا ہوا۔لیکن انہوں نے اعتراض اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا تھا، بلکہ حضرت خضر پر کیا تھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔اگرچہ حضرت خضر (علیہ السلام) نے جو کچھ کیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا۔ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں بظاہر اعتراض کی چیز نظر آتی ہے، لیکن جب اس کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے، جیسے آج جب ہم نے بھی سنا اور اندر کا حال معلوم ہوا تو سارا معاملہ برابر معلوم ہوا۔اسی لیے دنیا میں جب بھی کوئی چھوٹا یا بڑا معاملہ پیش آوے اور اس میں ظاہری اعتبار سے چاہے کیسا ہی معلوم ہوتا ہو، لیکن ایک مؤمن کی ایمانی شان کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کبھی کوئی اعتراض کا تصور بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ چیز آدمی کے لیے بڑی خطرناک ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے پوچھا نہیں جائے گا۔ہاں! لوگوں سے پوچھا جائے گا۔اور وہ تو مالک ہے جو چاہے کرے۔

بلکہ علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ چلو مان لو کہ کوئی قصور نہیں ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے پٹوا دیا تو آخر اللہ تعالیٰ تو اس کے خالق اور مالک ہیں، اس کے ساتھ جو چاہیں معاملہ کریں۔ جیسے ہماری ایک گھڑی ہے جس کو ہم نے پھینک دی، اب کوئی آکر ہم سے پوچھے کہ اتنی قیمتی گھڑی تھی، اس کو آپ نے پھینک دی، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو ہمارا اور آپ کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ میں اس کا مالک ہوں، تجھے کہنے کا کیا حق ہے؟ حالانکہ ہماری مالکی کی کیا

حیثیت ہے، حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور اس کے خالق تو ہم ہیں ہی نہیں ۔علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) یہ واقعہ کو اسی مناسبت سے لائے ہیں۔آج وقت بھی بہت ہو چکا ہے، یہیں بات کو ختم کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زِيَارَةُ أَهْلِ الْخَيْرِ وَمُجَالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمُحَبَّتُهُمْ ﴿مجلس ۲﴾

نیک لوگوں کی زیارت اور صحبت میں جانا اوران سے محبت رکھنا

﴿مجلس ۲﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۱/ربیع الاول ۱۴۲۰ سنہ ھ ۲۶/جون ۱۹۹۹ سنہ ء

گذشتہ مجلس میں ایک عنوان قائم کیا تھا جس میں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا تھا کہ جو نیک لوگ ہیں ان کی ملاقات، ان کی ہم نشینی، ان کے پاس بیٹھنا، ان کی صحبت اختیار کرنا اور ان سے محبت کا تعلق رکھنا، اور ان سے درخواست کرنا کہ وہ آپ کے یہاں آئیں یا ان سے دعا کی درخواست کرنا۔ اس سلسلہ میں سورۂ کہف کی ایک آیت ذکر کی تھی اس کا بیان گذشتہ مجلس میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔ آج یہاں سورۂ کہف ہی کی ایک دوسری آیت کو عنوان کی مناسبت سے پیش کر رہے ہیں۔

تب سوچیں گے

﴿وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ﴾ مکہ مکرمہ کے رئیس اور سردار قسم کے لوگوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ ہم آپ کی باتیں سننے کے لیے آپ کی مجلس میں آنا تو چاہتے ہیں، لیکن کیسے آویں کہ آپ کی مجلس میں معمولی قسم کے لوگ جن کو ہمارے معاشرہ اور سماج میں کوئی مقام حاصل نہیں وہ آکر بیٹھتے ہیں، ایسے لوگوں کی موجودگی میں آپ کے پاس آکر بیٹھنا ہمیں اپنے مقام سے کم تر معلوم ہوتا ہے، اس میں ہم اپنی توہین محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی باتوں کو سنیں اور آپ جس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دعوت کو پیش کر رہے ہیں اس کی طرف توجہ کریں تو اس کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی مجلس میں آتے ہیں ان کو آپ اپنی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیں۔ یا پھر آپ ہمارے لیے الگ مجلس قائم کریں کہ اس مجلس میں ہم ہی ہم ہوں، یہ معمولی قسم کے لوگ اس میں نہ ہوں، تو اس صورت میں ہم آپ کی باتیں سنیں گے اور آپ کی دعوت کی طرف توجہ کریں گے، اور اس کو قبول کرنے کے معاملہ میں غور کریں گے اور سوچیں گے۔

ایسا نہیں ہو گا

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات کا خیال رہتا تھا کہ میں اپنی دعوت زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچاؤں۔ اور ایسے بڑے لوگ جن کے متعلق یہ توقع اور امید ہو کہ اگر وہ ایمان لے آئیں، اور ہماری دعوت پر لبیک کہیں تو ان کی وجہ سے ہماری دعوت کو زیادہ فروغ ہو گا اور دوسرے لوگ بھی ان کے مقام و مرتبہ کو دیکھتے ہوئے ہماری دعوت کی طرف مائل ہوں گے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لگن تھی کہ میری بات تمام لوگوں تک پہنچ جائے اور لوگ اس کی طرف توجہ کریں۔ خود باری تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ شان بیان فرمائی ہے ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾ شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں اس بات پر افسوس میں کہ وہ آپ کی بات پر ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ سے ہو سکتا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی اس بات کی طرف مائل ہو جاتے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی کہ اے نبی! آپ اپنے آپ کو روکے رکھیے، اپنے آپ کو مقید کر لیجیے ان

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لوگوں کے ساتھ جو صبح اور شام اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں، اس کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو لگائے رکھیے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر ان لوگوں کی طرف سے جو فرمائش کی گئی تھی اس کا جواب دے دیا کہ تم لوگ نبی کریم (ﷺ) کی باتیں سننا چاہتے ہو تو تم جس طرح چاہتے ہو اس طرح نہیں، بلکہ مجلس میں جو لوگ آتے ہیں، جن کا مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاجوئی ہوا کرتا ہے، ایسے لوگوں کو اس مجلس سے نکالا اور ہٹایا نہیں جائے گا، ان کی موجودگی میں انہیں کے دوش بدوش بیٹھ کر حضور (ﷺ) کی باتیں سننا منظور ہے تب تو ٹھیک ہے، باقی تم لوگ جو یہ چاہتے ہو کہ تمہارے لیے الگ مجلس قائم کی جائے؛ تو ایسا نہیں ہوگا۔

حضور (ﷺ) کو صحبتِ صالحین کا حکم

خیر! یہ تو اس آیت کا شان نزول ہوا۔ یہاں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے باب کا جو عنوان قائم کیا ہے اس میں ایک خاص بات بیان کی تھی کہ جو لوگ نیک اور صالح ہوں ان کی ملاقات کے لیے جانا، ان کے پاس بیٹھنا، ان کی صحبت اختیار کرنا، ان کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا۔ تو اس آیت کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے! نبی کریم (ﷺ) کی ذاتِ بابرکات تو کسی کی صحبت کی محتاج نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم (ﷺ) کو خاص طور پر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تاکید فرمائی کہ اے نبی! آپ اپنے آپ کو مقید کر دیجئے، پابند بنایئے اور اپنے آپ کو بٹھایئے ان لوگوں کے پاس جو اللہ تعالیٰ کو صبح وشام خالص اسی کو راضی کرنے کے لیے پکارتے ہیں۔

گویا علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اس آیت سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جب حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تاکید کی گئی کہ آپ کو بھی اس بات کا اہتمام ہونا چاہیے، تو اس سے اس بات کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ جو صلحاء اور نیک لوگ ہیں ان کی ملاقات اور ان کی ہم نشینی، ان کے پاس بیٹھنا، ان کی صحبت اختیار کرنا، ان کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا؛ یہ کتنا ضروری اور اہم ہے۔

آگے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں احادیث پیش کرتے ہیں:-

اُم اَیمن نے شیخین کو رُلادیا

حدیث ٣٦٠

وَعنْ أَنَسٍ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قَالَ أَبُوْبَكْرٍ (رضی اللہ عنہ) لِعُمَرَ (رضی اللہ عنہ) بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): اِنْطَلِقْ بِنَا اِلٰى أُمِّ أَيْمَنَ رضى الله عنها نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رسولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَزُوْرُهَا. فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهَا، بَكَتْ، فَقَالَا لَهَا: مَا يُبْكِيْكِ؟ أَمَا تَعْلَمِيْنَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللهِ خَيْرٌ لِرَسولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ فَقَالَتْ: اِنِّي لَا أَبْكِي اِنِّي لَا أَعْلَمُ أَنَّ مَا عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)، وَلٰكِنْ أَبْكِيْ أَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَآءِ، فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا (رواه مسلم).

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد ایک دن حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ چلیے! ہم لوگ حضرت ام ایمنؓ کی زیارت کے لیے جائیں جیسے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں۔انہوں نے کہا: کیوں روتی ہو؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ تعالی کے پاس جو ملا ہے وہ یہاں سے بہتر ہے؟ انہوں نے کہا: میں اس لیے نہیں روتی۔مجھے یہ بات معلوم ہے۔لیکن میں اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی اترنے کا سلسلہ بند ہوگیا۔سو ان کو بھی رونے پر ابھارا اور وہ دونوں بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔

افادات: حضرت ام ایمن (رضی اللہ عنہا) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے والدِ محترم حضرت عبداللہ کی باندی تھیں، اورانہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے میراث میں جو چیزیں چھوڑی تھیں ان میں سے یہ بھی تھیں ۔گویایہ اس طرح آپ کی ملک میں آئی تھیں پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو آزاد کیا تھا، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کوانہوں نے بچپن میں کھلایا تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دودھ تو حضرت حلیمہ سعدیہ (رضی اللہ عنہا) نے پلایا تھا لیکن حضرت ام ایمن (رضی اللہ عنہا) نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کھلایا تھا۔کھلائی ہوتی ہیں۔یہ بچپن میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سنبھالتی اورخیال رکھتی تھیں، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا بڑا احترام کرتے تھے، اوران کے ساتھ وہی معاملہ کرتے تھے جو ایک ماں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حضرت اُم اَیمن کا ناز

چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بھی کبھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے اسی طرح اڑ جاتی تھیں جیسے ایک ماں اپنے بیٹے کے ساتھ کرتی ہے۔انصار کی عادت یہ تھی کہ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس خمس کا مال زیادہ نہیں آتا تھا اور فتوحات کی کثرت نہیں ہوئی تھی، اور

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضوراکرم (ﷺ) کی خدمت میں مہمانوں کی آمدورفت اورلوگوں کا آناجانارہتا تھا، اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیےمال کی ضرورت ہوتی تھی توجوحضرات انصارباغات والےتھے،وہ اپنے باغات میں سے کچھ درخت نبی کریم (ﷺ) کے لیے مخصوص کر دیا کرتے تھے،اورآکرعرض کردیتے کہ یارسول اللہ!یہ پانچ درخت آپ کے لیے ہیں یعنی اس میں جو کھجوریں اتریں گی،وہ آپ اپنے استعمال میں لائیں۔نبی کریم (ﷺ) اس کو قبول فرما لیاکرتے تھے،لیکن غزوۂ بنونضیراورغزوۂ بنوقریظہ کے بعدان کے جو باغات مالِ غنیمت کے طورپرملے،ان میں سے نبی کریم (ﷺ) کوبھی بہت کچھ ملا،تواس کے بعد حضور اکرم (ﷺ) نے وہ درخت جوحضراتِ انصار کی طرف سے عاریۃً استعمال کرنے کے لیےآپ کو دئے گئے تھے،وہ سب واپس کردئے۔اسی طرح حضراتِ انصار مہاجرین کو بھی درخت دیا کرتے تھے،تومہاجرین نے بھی ان کوواپس کردئے۔

بنونضیرکاجومالِ غنیمت حاصل ہواتھااس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (ﷺ) کو خصوصی اختیارات دیئے تھے اورآپ (ﷺ)نے بنونضیرکی طرف سے ملنے والی جائیدادیں اور باغات زیادہ ترمہاجرین کے درمیان تقسیم کردیئے تھے،انصارمیں سے دوچارجو زیادہ حاجت مند تھے ان کو بھی دیاگیاتھا،لیکن زیادہ تر مہاجرین کودیاگیاتھا۔اس موقع پر مہاجرین نے بھی-انصارکی طرف سے جوتعاون ہوتاتھا-شکریہ کے ساتھ ان سے معذرت کردی کہ اب ہمیں ضرورت نہیں ہے۔اورنبی کریم (ﷺ) نے بھی اس وقت اعلان فرمایا تھاکہ جن کے جودرخت ہیں وہ آکر ہم سے واپس لے لیں۔حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کے گھر والوں نے بھی کچھ درخت نبی کریم

(ﷺ) کے استعمال کے لیے حضور کی خدمت میں عاریۃً پیش کئے تھے۔جب حضور کی طرف سے یہ اعلان ہوا تو اس کی واپسی کے لیے گھر والوں نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت انس(رضی اللہ عنہ)کے گھر والوں نے جو درخت نبی کریم (ﷺ) کو استعمال کے لیے دیئے تھے،حضور نے وہ درخت حضرت ام ایمن(رضی اللہ عنہا)کو استعمال کے لیے عنایت فرمائے تھے۔حضرت انس (رضی اللہ عنہ)فرماتے ہیں کہ جب میں پہنچا تو نبی کریم (ﷺ) نے حضرت ام ایمن کو بلایا اور کہا کہ ان کے درخت واپس کر دو۔انہوں نے کہا کہ میں واپس نہیں کرتی۔حضرت انس(رضی اللہ عنہ)فرماتے ہیں کہ حضرت ام ایمن میرے گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچنے لگیں اور فرمانے لگیں کہ میں نہیں دینے والی ہوں،میں نہیں دینے والی ہوں۔نبی کریم (ﷺ) ان کو جواباً کہنے لگے کہ آپ دے دیجئے،ہم آپ کو اس کے بدلہ میں ڈبل دیں گے،تین گنا دیں گے،چار گنا دیں گے۔اس طرح حضور(ﷺ) ان کو بہلا پھسلا کر راضی فرماتے رہے،یہاں تک کہ حضور اکرم (ﷺ) نے ان سے کہا کہ آپ کے پاس جو درخت ہیں اس سے دس گنا ہم آپ کو دیں گے،لیکن یہ آپ ان کو واپس کر دیجئے۔جب نبی کریم (ﷺ) نے دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا تب انہوں نے وہ درخت واپس کیئے۔ (بخاری شریف۔۴۱۲۰)

بہر حال!عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ نبی کریم (ﷺ) کے ساتھ ان کا معاملہ ناز کا تھا جیسے ماں اپنے بیٹے کے ساتھ ایسے مواقع پر کیا کرتی ہے،اور حضور اکرم (ﷺ) ان کا بڑا احترام وادب فرمایا کرتے تھے،اور ان کا بڑا خیال ولحاظ فرماتے تھے۔بعد میں حضور اکرم (ﷺ)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نے حضرت ام ایمن کا نکاح حضرت زیدبن حارثہ ؓ سے کرادیاتھااورانہی سے حضرت اسامہ پیداہوئے تھے۔

بڑوں کا معمول ملحوظ رہے

اورجیسا کہ اس روایت میں آیاکہ خودنبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی زیارت کے لیے تشریف لے جایاکرتے تھے۔علامہ نووی(رحمۃ اللہ علیہ)اس روایت سے یہی بات ثابت کرناچاہتے ہیں کہ حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اس مقامِ رفیع کے باوجود ان کے یہاں تشریف لے جارہے ہیں اور حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع ہی میں آپ کی وفات کے بعدحضراتِ شیخین ان کےپاس جارہے ہیں۔اورحضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ)حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) سے فرمارہے ہیں کہ چلیں ہم ان کے پاس جائیں جیسے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے یہاں تشریف لے جایاکرتے تھے، ہمیں بھی ان کی خدمت میں حاضری دینی چاہیے۔اس سے یہ بھی معلوم ہواکہ اپنے بڑوں کامعمول چھوٹوں کوبھی ملحوظ رکھناچاہیے۔جیسے آپ کے خاندان کے بڑے کسی بزرگ کے پاس اس کی صلاح ونیکی کی وجہ سے حاضری دیاکرتے تھے،کسی صاحبِ فضل وکمال کے پاس ان کے فضل وکمال کی وجہ سے حاضری دیتے تھے توچھوٹوں کوبھی اس کااہتمام رہے۔یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پتے کی بات

خیر! جب یہ دونوں حضرات ان کی خدمت میں پہنچے تو ان کی آمد پر نبی کریم (ﷺ) کی یاد تازہ ہونا لازمی تھی، تو وہ رونے لگیں، جب ان کو روتے دیکھا تو ان حضرات نے تسلی کے طور پر ان سے کہا کہ کیوں روتی ہیں؟ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ ملا ہے وہ دنیا کے مقابلہ میں بہت اچھا ہے۔ یعنی دنیا میں نبی کریم (ﷺ) جس حال میں تھے وہاں آپ کو یہاں سے زیادہ راحت ہے، اور اگر کسی کو اپنے محبوب کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ یہاں کے مقابلہ میں وہاں زیادہ راحت میں ہے تو وہ یہ معلوم کر کے خوش ہوتا ہے کہ ہمیں تو انہی کی راحت مطلوب ہے، تو اب ہمیں وہاں کے حال کا تصور کر کے بجائے رونے کے خوش ہونا چاہیے۔ ان حضرات نے تسلی کے طور پر یہ کہا کہ اب روتی کیوں ہو؟ اس پر انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں اس لیے نہیں روتی کہ میں یہ بات نہیں جانتی کہ نبی کریم (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس دنیا کے مقابلہ میں بہت بڑھ کر ملا ہے، یہ بات تو میں بھی بخوبی جانتی ہوں۔ لیکن میں تو اس لیے روتی ہوں کہ وحی کا سلسلہ جو نبی کریم (ﷺ) کے وجودِ مسعود کی وجہ سے دنیا میں تھا، آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کی وجہ سے منقطع ہو گیا۔ جب تک نبی کریم (ﷺ) دنیا میں تھے وہاں تک حضرت جبرئیل وحی لے کر آتے رہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں سے وحی کا آنا اور اللہ کے کلام کا اللہ کے نبی پر نازل ہونا؛ دنیا والوں کے لیے اور جس زمانہ میں یہ وحی نازل ہو رہی ہے خصوصاً اس زمانہ والوں کے لیے واقعتاً بڑا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

برکات وخیرات کاذریعہ اور سبب تھا۔ توظاہر ہے کہ جب نبی کریم (ﷺ) دنیا سے تشریف لے گئے، تواب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اوروحی کی آمد کی وجہ سے جو برکتیں اور رحمتیں دنیاوالوں پرنازل ہوتی تھیں؛ وہ نہیں رہیں۔ میں تواس بات پر رورہی ہوں۔ جب انہوں نے یہ بات فرمائی تو اس بات کوسن کر توپھران حضرات کادل بھی بھر آیااوروہ بھی رونے لگے کہ ان کی بات تو پتے کی ہے۔ اورجوبات اُن کورُلارہی تھی، اب تویہ حضرات بھی اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے، اوروہ بھی بے اختیاررونے لگے۔

اللہ کی نسبت پر ملاقات کاانعام

حدیث ۳۶۱

وعن أبي هريرة (رضی اللہ عنہ) عنِ النبی ا: أَنَّ رَجُلاً زَارَأَخاًلَهُ فِیْ قَرْيَةٍ أُخْرٰى، فَأَرْصَدَاللهُ تَعَالٰى عَلٰى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا۔ فَلَمَّاأَتٰى عَلَيْهِ قَالَ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ: أُرِيْدُ أَخًا لِيْ فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ۔ قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: لَا، غَيْرَ أَنِّيْ أَحْبَبْتُهُ فِي اللهِ تَعَالٰى۔ قَالَ: فَإِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (ﷺ) سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے گاؤں میں خالص اللہ کی نسبت پر اپنے بھائی کی ملاقات کے لیے جانے لگا۔ جس راستہ سے وہ گذررہاتھااس راستہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچاتوفرشتے نے اس سے سوال کیا: بھائی! کہاں کاارادہ ہے؟ اس نے کہاکہ اس بستی میں میراایک دینی بھائی ہے، میں اس کی ملاقات کے لیے جارہاہوں۔ فرشتہ نے پوچھاکہ تمہارااس کے ساتھ کوئی بھلائی کامعاملہ رہاہے کہ اس کے باقی رکھنے اوراس کوفروغ دینے کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لیے تم جارہے ہو؟اس نے کہا: نہیں !بلکہ صرف اللہ کے واسطہ میں اس سے محبت رکھتاہوں۔فرشتہ نے کہاکہ میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص یہ بشارت اورخوش خبری سنانے کے واسطے بھیجا گیاہوں کہ جس طرح تونے اللہ کی خاطر اس سے محبت کی،اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت رکھتاہے۔

افادات:(۱)اگرچہ اس فرشتہ کوبھی معلوم تھا،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تو بتلاکربھیجاتھالیکن اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کوجوبشارت سنانے کے واسطے بھیجاتھا اس بشارت کی بنیاد قائم کرنے کے لیے یہ سوال ضروری تھا۔

(۲)یہاں سوال کیاہے"أَيْنَ تُرِيْدُ؟"کہاں جارہے ہو؟ اوروہ جواب دے رہا ہے کہ کس لیے جارہاہوں۔ویسے اس فرشتہ کامقصد"أَيْنَ تُرِيْدُ؟"سے یہی تھاکہ اگر وہ یہ جواب دیتاکہ اس بستی میں جارہاہوں تووہ فرشتہ آگے یہی پوچھتا کہ اس بستی میں کیوں جارہا ہے۔اس لیے یہ بھی سوال کااصل مقصد سمجھ گیا،اوراس کے نتیجہ میں دوسرا جو سوال وجود میں آنے والاہے،اس کاجواب پہلے ہی دیدیا۔

(۳)ظاہرہے کہ جوصلحاء اورنیک لوگ ہوتے ہیں ان کے ساتھ کوئی مؤمن جب بھی کوئی معاملہ کرتاہے،ان کی ملاقات کے لیے جائے گا،ان کی مجلس میں بیٹھنے کے لیے جائے گا،یاان کی صحبت اختیار کرنے کے لیے جائے گا،یاان سے محبت کاتعلق رکھے گا،جوہمارے باب کاعنوان ہے؛تووہ سب اللہ ہی کی نسبت پرہوتاہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس لیے اس روایت کو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہاں پر ذکر کیا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی نسبت پر جب کوئی تعلق قائم کیا جاتا ہے تو اللہ کے یہاں وہ کتنا اونچا درجہ رکھتا ہے۔

(۴) فرشتہ نے کہا کہ میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص یہ بشارت سنانے کے واسطے بھیجا گیا ہوں کہ جس طرح تو نے اللہ کی خاطر اس سے محبت کی اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت رکھتا ہے۔

اسی لیے یہ بھی تعلیم ہے کہ اگر کوئی مسلمان بھائی ہم سے یوں کہے کہ میں تجھ سے اللہ کے واسطے محبت رکھتا ہوں تو ہم جواب میں بطورِ دعا یہ کہیں کہ جس ذات کے لیے تو مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ ذات بھی تجھ سے محبت رکھے (مسند احمد، ۱۲۵۹۰) یہ آداب میں سے ہے۔

(۵) یہاں پر فرشتہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایلچی بن کر اس سے یہ کہا کہ جس اللہ کی خاطر تو نے اس سے محبت کی ہے، اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کے ساتھ کو معاملہ کیا جاتا ہے، وہ محض اللہ کی محبت کی وجہ سے ہوا کرتا ہے، مثلاً ان کی زیارت کے لیے جانا، ان کی صحبت اختیار کرنا، ان کے پاس بیٹھنا، ان کے ساتھ محبت رکھنا؛ تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے بدلہ میں اپنی طرف سے یہ انعام عطا فرماتے ہیں کہ اس بندہ سے محبت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کسی کو حاصل ہو جائے تو پھر اس کا بیڑا پار ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آج ہماری مجلس میں حضرت مولانا احمدلاٹ صاحب(دامت برکاتہم) تشریف فرماہیں، میرا جی تو یہی چاہتا تھا کہ حضرت مولانا ہی کچھ ارشاد فرمائیں، لیکن وہی بزرگوں والا اصول حضرت نے یہاں بھی اپنایا کہ یہ تو آپ کا معمول ہے،اس لیے آپ کو تو یہ پورا کرنا ہی چاہیے۔اس لیے میری بات ابتداءً تو نہیں مانی، لیکن اب میں دوبارہ حضرت سے درخواست کرتا ہوں کہ دوچار باتیں ارشاد فرمادیں اور دعا بھی فرمادیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زِيَارَةُ أَهْلِ الْخَيْرِ وَمُجَالَسَتُهُمْ وَصُحْبَتُهُمْ وَمَحَبَّتُهُمْ ﴿مجلس ۳﴾

نیک لوگوں کی زیارت اور صحبت میں جانا اوران سے محبت رکھنا

﴿مجلس ۳﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ — ۳/جولائی ۱۹۹۹ء

بیان چل رہا تھا کہ نیک لوگوں کی زیارت اور ان کی ہم نشینی، اور ان کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے ساتھ محبت رکھنا اور ان سے اپنے یہاں آنے کی اور ان سے دعا کی درخواست کرنا، اور بابرکت جگہوں کی زیارت کے لیے جانا۔ اسی سلسلہ میں اور روایتیں پیش کرتے ہیں۔

جنت میں ٹھکانہ بنانے کا آسان نسخہ

حدیث ۳۶۲

وعنه قَالَ قَالَ رَسولُ اللهِ (ﷺ): مَنْ عَادَمَرِيضاً أَوْزَارَأَخاً لَهُ فِي اللهِ، نَادَاهُ مُنَادٍ: بِأَنْ طِبْتَ، وَطَابَ مَمْشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلاً۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی کسی بیمار کی عیادت اور خبر گیری کے لیے جاتا ہے، یا اپنے اس بھائی کی ملاقات کے لیے جاتا ہے جس کے ساتھ بھائی چارگی کا تعلق اللہ کی نسبت پر قائم کیا ہے، تو ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ تو بڑا پاکیزہ اور عمدہ ہے، اور تیرا یہ چلنا بھی بڑا اچھا ہے، اور تو نے جنت میں اپنا ٹھکانہ بنالیا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) یہاں اس روایت کو اسی مناسبت سے لائے ہیں کہ جس کے ساتھ کسی نے اللہ کی نسبت پر اخوت اور بھائی چارگی کا تعلق قائم کیا ہے، تو جب وہ آدمی اس کی ملاقات کے لیے جاتا ہے، تو اس کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔

جنت میں اپنا ٹھکانہ بنالینا کتنا آسان ہے، کسی دینی بھائی یا جس سے اللہ کی نسبت سے محبت ہو، اس کی ملاقات کے لیے جانے میں کوئی زیادہ وقت خرچ نہیں ہوتا، پانچ دس منٹ میں بھی یہ کام نمٹ سکتا ہے۔ یا کسی بیمار کی تیمارداری کے لیے آدمی جاوے، تو ویسے بھی اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ وہاں زیادہ نہ رُکے، بلکہ کھڑے کھڑے اس کی خبر پوچھ کر واپس آجاوے۔ تو اس پر اتنی بڑی فضیلت سنائی گئی کہ اس نے جنت میں اپنے لیے ٹھکانہ بنالیا۔

ان اعمال کو معمولی مت سمجھو

ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں جن میں ریا کا بھی کوئی شبہ نہیں ہے، بڑے اعمال میں تو دکھلاوے کا بھی شبہ ہو سکتا ہے، جیسے کوئی آدمی تہجد پڑھے، تو ہو سکتا ہے کہ اس میں نفس کو دخل ہو کہ لوگ مجھے دیکھیں اور میری تعریف کریں، لیکن کوئی آدمی کسی بیمار کی خبر گیری کے لیے جب جاتا ہے، یا کسی نیک آدمی کی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو وہاں کبھی دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ میں کوئی بڑا عمل کر رہا ہوں، اور لوگ مجھے دیکھیں اور اس پر میری شہرت اور نیک نامی ہو، بلکہ یہ عمل خالص اللہ کے لیے ہوتے ہیں۔ تو یہ عمل چھوٹا سا ہے، اور اس میں ریا کا بھی کوئی شائبہ نہیں ہے، اور اتنی بڑی فضیلت ہے۔ تو ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال جن

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پر اتنی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، آدمی اگر انہیں کا اہتمام کرلے، اور اس قسم کے اعمال کوانجام دینے کی عادت بنالے، توکب کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے، اور نجات کاذریعہ بن جائے؛ یہ کون کہہ سکتاہے۔ اس لیے ایسے چھوٹے چھوٹے اعمال کو بھی معمولی نہیں سمجھناچاہیے، جبکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی بڑی بشارت دی جارہی ہے۔

نیک وبد ہم نشین کی مثال

حدیث ۳۶۳

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِي (رضی اللہ عنہ) أَنَّ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَجَلِيْسِ السُّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ۔ فَحَامِلُ الْمِسْكِ، إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً۔ وَنَافِخُ الْكِيْرِ، إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا مُنْتِنَةً۔ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشادفرمایاکہ نیک ہم نشین اورساتھی کی مثال اوربرے ہم نشین اورساتھی کی مثال مشک رکھنے والے اور بھٹی جھونکنے والے جیسی ہے۔ پس مشک رکھنے والا؛ یاتوتم کوخوشبولگادے گا، یاتم اس سے عطر خرید وگے، یا اس کے پاس سے اچھی خوشبوتوسونگھ ہی لوگے۔ اور بھٹی جھونکنے والا؛ یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا، یا اس کے پاس سے بدبوتوسونگھ ہی لوگے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مثالیں اور انبیاءؑ کی تعلیمات

افادات: بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جلدی سے سمجھ میں نہیں آتی، ان کو سمجھنا آسان ہوجائے اس کے لیے آدمی ظاہری اور حسی طور پر جو نمونے اور منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اسی میں سے کسی چیز کو پیش کرکے بات سمجھائی جاتی ہے۔ حضراتِ انبیاء کرامؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر یہ ملکہ اور وصف اور یہ خصوصی شان عطا کی جاتی ہے کہ وہ معنوی چیزوں کو یعنی جو بات عقل سے تعلق رکھتی ہے اس کو سمجھانے کے لیے حسی اور ظاہری مثالیں پیش کرتے ہیں تاکہ اس کا سمجھنا آسان ہوجائے۔ اسی لیے حدیث کی کتابوں میں محدثین باقاعدہ الگ سے ایک عنوان ''کتاب الامثال'' قائم کرتے ہیں، اور اس کے تحت صرف ایسی روایتیں لاتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے مثالیں دے کر کیا کیا چیزیں سمجھائی ہیں۔ یہ بھی حضراتِ انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کا ایک خاص حصہ ہیں۔ اور قرآنِ پاک میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو مثال دے کر سمجھایا ہے۔ یہاں پر بھی اچھے آدمی کی صحبت اور برے آدمی کی صحبت کو سمجھانے کے لیے نبی کریم ﷺ نے ایک مثال دی ہے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مشک رکھنے اور بیچنے والا اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا جس کو لوہار کہتے ہیں۔ تو ان دو شخصوں کو مثال اور نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نیک ہم نشین کی مثال

چنانچہ فرمایاکہ اچھی صحبت والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشک بیچنے والاہوتا ہے کہ اگرآپ مشک بیچنے والے عطرفروش کے پاس جاکربیٹھ جائیں تواگرآپ کااس کے ساتھ تعلق زیادہ ہے،پرانی جان پہچان اوردوستی ہے تووہ آپ کوتھوڑاساعطردیدے گا۔ اگرپوری شیشی نہیں دے گا توکم سے کم عطرکاپھایہ ہی دیدے گا۔تواس کی طرف سے یہ فائدہ آپ کوپہنچے گا۔یااگروہ نہیں دے گاتوآپ کاجی چاہے گاکہ آپ وہ خرید لیں۔ جیسے آدمی کوئی اچھی چیز دیکھتااوراس کوپسند بھی آجاتی ہے اورجیب میں پیسے بھی ہیں اور خریدنے کی استطاعت بھی ہے تووہ اس کوخریدلیتاہے۔اوراگرنہ اس نے دیااور نہ آپ نے خریدا،تب بھی خوشبوتوکہیں گئی ہی نہیں ۔اس کے پاس جاکربیٹھنے سے آپ کو جو خوشبومحسوس ہوگی،اس کی وجہ سے آپ کادماغ تروتازہ ہوجائے گا،طبیعت میں فرحت کی سی کیفیت پیداہوجائے گی۔اس لیے خوشبوآدمی کی عقل کوبڑھاتی ہے۔امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کامقولہ ہے کہ جوآدمی اچھی خوشبو استعمال کرتاہے،اس کی عقل بڑھتی ہے۔

بہرحال!حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ آپ کم سے کم خوشبوہی محسوس کریں گے یعنی اس کی صحبت کسی حال میں بھی فائدے سے توخالی نہیں ہے۔نیک آدمی کی صحبت میں آپ بیٹھیں گے تونتیجہ یہ ہوگاکہ یاتووہ آپ کوکوئی بھلی بات کہہ دے گا،اوراگرکچھ نہ کہے تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پرجورحمتیں نازل ہوتی ہیں اس میں آپ کا بھی حصہ لگ جائے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

برے ہم نشین کی مثال

"کیر" کیا ہے؟ آپ نے لوہار کی بھٹی دیکھی ہوگی، اس میں پیچھے کی طرف چمڑے کا ایک ٹکڑا لگا ہوا ہوتا ہے، جب اس کو دباتے ہیں تو اس کی وجہ سے ہوا پیدا ہوتی ہے، اور آگے بھٹی میں کوئلے ہوتے ہیں، وہ ہوا ان پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے اس کی آگ تیز ہوتی رہتی ہے، اور جس وقت وہ ہوا آگے بڑھتی ہے تو چنگاریاں اُڑتی ہیں اور دھواں بھی اُٹھتا ہے۔ اگر کہیں کسی لوہار کی بھٹی کا منظر آپ نے دیکھا ہو، تو وہ اسی طرح کا ہوتا ہے۔

تو بری صحبت کی مثال بھٹی جھونکنے والے لوہار جیسی ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ جس وقت بھٹی کو جلانے کے لیے وہ چمڑے کا ٹکڑا دبا رہا ہوگا تو جو چنگاریاں اُڑیں گی اس میں سے ایک آدھ چنگاری اگر آپ کے کپڑوں میں لگ گئی تو کپڑے جلادے گی، یا اگر ایسا نہیں ہوا تو کم سے کم اس کا دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں، وہ تو آپ کی ناک میں پہنچ کر ہی رہے گا۔ ایسے ہی برے آدمی کی صحبت میں جب بیٹھیں گے تو اس کی ہم نشینی سے آپ کو نقصان ضرور پہنچے گا۔ اس لیے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ آدمی کو اچھی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

صحبت کا کردار... ابو مسلم خولانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قصہ

اس زمانہ میں عام طور پر آدمی کے بنانے اور بگاڑنے میں صحبت ہی کو بڑا دخل ہے، اسی لیے اپنے لیے بھی اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی، اپنے بال بچوں کے لیے بھی، چھوٹوں بڑوں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہر ایک کے لیے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ وہ اچھی صحبت اختیار کریں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی اپنے آپ کو یا اپنے بال بچوں اور گھر والوں کو بری صحبت سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتا، تو چاہے آپ اس کو کتنی ہی تعلیم دے ڈالیں، کبھی بھی اس کی حالت درست ہونے والی نہیں ہے، وہ اپنی اسی برائی پر باقی رہے گا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی پر اثر ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو مسلم خولانی (رحمۃ اللہ علیہ) تابعین میں بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، مستجاب الدعوات تھے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ اپنے گھر میں جب تشریف لایا کرتے تھے تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے باہر ہی سے اللہ اکبر کہتے تھے۔ ان کی بیوی بھی جواب میں اللہ اکبر کہتی تھی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ رات کے وقت آئے اور اللہ اکبر کہا لیکن اندر سے جواب نہیں آیا تو فوراً کہا کہ میری بیوی کا دماغ کسی نے خراب کیا ہے۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ جب یہ اندر پہنچے تو ان کے پہنچتے ہی بیوی نے شکایت شروع کر دی کہ آپ میرے لیے زیور تو بنواتے نہیں، اچھے کپڑے تو بنواتے نہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ اس عورت کے آنے کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔ انہوں نے ہاتھ اُٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ! میری بیوی کا دماغ جس نے خراب کیا ہے اس کی بینائی چھین لے۔ وہ عورت جو وہاں بیٹھی ہوئی تھی وہ کہنے لگی کہ تمہارا چراغ بجھ گیا۔ اس سے کہا گیا کہ چراغ تو جل رہا ہے لیکن تیری آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی ہے۔ اب وہ رونے لگی اور ان سے دعا کی درخواست کرنے لگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ وعدہ کر کہ آئندہ کبھی میرے گھر میں قدم نہیں رکھے گی، تب ہی دعا کروں گا۔ اس نے وعدہ کیا، تو انہوں نے دعا کی کہ اے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اللہ! اس کی بینائی واپس کردے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ دعا بھی قبول فرمالی۔ اوراس کو گھر سے رخصت کیا۔

عجیب شیخِ کامل کی صحبت کا اثر

حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مواعظ میں ہے کہ ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب تھے، ان کو جو تنخواہ ملتی تھی، وہ اس تنخواہ کا بڑا حصہ اپنے رشتہ داروں اور غریب غرباء پر خرچ کرتے تھے، گھر میں بڑی سادگی تھی۔ بیوی کے پاس کوئی زیور بھی نہیں تھا، بالکل سادہ کپڑوں میں رہتی تھی اور گھر کا کام کاج بھی خود ہی کرتی تھی۔ سالہا سال سے اسی طرح ٹھیک ٹھاک معاملہ چل رہا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے دور کے کسی رشتہ دار کے یہاں شادی تھی، وہاں سے دعوت آئی تو وہ وہاں پہنچی۔ ان کے گھر کا حال جب اس نے دیکھا کہ وہاں تو ایسا ساز و سامان ہے اور نوکر چاکر ہیں، خادمائیں بھی ہیں اور ان کی بیوی کو دیکھا کہ زیورات بھی خوب پہنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ سرکاری گریڈ اور ملازمت کے اعتبار سے وہ کم درجہ میں کام کرتے تھے۔ اور اِن کا گریڈ اُن سے بہت اونچا تھا۔ بس! وہاں سے آتے ہی وہ شوہر کے سر چڑھ گئی کہ آپ نے تو آج تک مجھے کچھ دیا ہی نہیں، اور وہاں دیکھو کہ گریڈ اور ملازمت کے اعتبار سے وہ آپ سے بہت کم درجے کے ہیں، اس کے باوجود زیورات بھی ہیں اور کپڑے بھی اچھے اچھے ہیں، نوکرانیاں اور خادمائیں بھی ہیں، گھر میں ساز و سامان بھی اچھے سے اچھا ہے۔ پھر تو وہ ایسی ان پر مسلط ہوئی کہ بے چارے زندگی بھر روتے رہے کہ میں اب تک جو نیکیاں کرتا رہا وہ سب ختم ہوگئیں۔ اب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو سارے پیسے اس کے پیچھے ہی خرچ ہو جاتے ہیں۔ حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ عجیب شیخِ کامل کی صحبت تھی کہ ایک ہی نظر میں ساری زندگی کا دھارا بدل دیا۔

توحقیقت یہ ہے کہ بری صحبت بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ آج کل ہم لوگوں کو اپنے اور اپنے گھر والوں، بال بچوں کے متعلق اس کا خاص اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ان چیزوں کی طرف توجہ کیجئے۔ بہت سے لوگ سوچتے ہیں اور کوششیں کرتے ہیں پھر بھی اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو صحبتیں میسر آتی ہیں اور جو ماحول ملتا ہے، وہ سدھرنے نہیں دیتا۔ بلکہ سدھرے ہوئے کو بگاڑ دیتا ہے۔

کیا دیکھ کر لڑکی پسند کی جائے؟

حدیث: ٣٦٤

وعن أبي هريرة (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِيْنِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔

ترجمہ مع تشریح: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ عورت کے ساتھ چار باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، یا چاروں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

(١) لِمَالِهَا: بہت سے لوگ عورت کو پسند کرنے میں اس کے مال کو سامنے رکھتے ہیں کہ یہ مال دار ہے، اگر ہم اس کے ساتھ نکاح کریں گے تو اس کے مال سے ہمیں فائدہ پہنچے گا، اس کی مالداری والی خوبی کو دیکھ کر اس کو ترجیح دیتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

(۲) لِجَمَالِهَا: اور کبھی اس کی خوبصورتی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

(۳) لِحَسَبِهَا: خاندانی شرافت کی وجہ سے۔اونچے گھرانے کی لڑکی ہے،ہم اگر اس کے ساتھ شادی کریں گے تو ہماری کیٹیگری اور ہمارا مقام بھی بڑھ جائے گا،یہ سمجھ کر اس کے ساتھ نکاح کرتے ہیں،چاہے پھر زندگی بھر اس کی غلامی کرنی پڑے

(۴) لِدِيْنِهَا: اور کبھی اس کی دینداری،نیکی اور صلاح کی وجہ سے اس سے نکاح کیا جاتا ہے۔تو یہ چار خوبی ہوئیں۔

افادات: عام طور پر ان چار میں سے کسی ایک خوبی کو دیکھ کر آدمی اپنے نکاح کے لیے عورت کو پسند کرتا ہے۔نبی کریم ﷺ ان چاروں کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تم تو دیندار عورت کو اپنے نکاح کے لیے اختیار کرکے کامیابی حاصل کرو۔گویا ان چار اوصاف میں سے کون سا وصف مد نظر رکھنا چاہیے،یہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو بتادیا اس لیے کہ ہمیں ایک دو دن اس کے ساتھ نہیں گزارنے ہیں،بلکہ نکاح تو پوری زندگی کا معاملہ ہے۔اب مال کے متعلق کوئی گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ وہ کب تک باقی رہے گا مال کے متعلق عربی میں کہاوت ہے "اَلْمَالُ غَادٍوَّرَاحٍ" صبح کو آتا ہے،شام کو جاتا ہے شام کو آتا ہے اور صبح کو جاتا ہے۔بہت سے مال وثروت والے دیکھے ہوں گے کہ جو صبح کو مالدار ہیں اور کوئی قدرتی آفت ایسی آگئی کہ شام کو سارا مال ختم ہوگیا۔اس لیے یہ چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو ترجیح دی جائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اسی طریقہ سے اگر خاندان کی وجہ سے بھی کوئی آدمی نکاح کرتا ہے تو جو زندگی دونوں میاں بیوی ہونے کی حیثیت گزاریں گے اس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔ اگر یہ بات ہے کہ خاندانی عورت ہے تو شریف ہوگی، تو پھر تو وہی دین داری والا مسئلہ آگیا، درحقیقت صرف اونچے خاندان والا ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اور رہی خوبصورتی؛ تو اس کا حال تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ اگر بیماری آگئی، یا آٹھ روز تک بخار نے ڈیرا ڈال دیا اور تھوڑے دست بھی آگئے تو ساری خوبصورتی ختم ہوجائیگی۔ اور بوڑھاپا تو آنے ہی والا ہے جو جوانی کی ساری خوبصورتی کو ختم کردے گا

اصل چیز دین داری ہے کہ جس میں حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہو، باقی اگر کوئی عورت دین دار بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اِن اوصاف میں سے کوئی وصف بھی ہے تو نورٌ علیٰ نور۔ لیکن جب مقابلہ ہو کہ ایک طرف کوئی عورت ایسی مل رہی ہے جو صرف خوبصورت ہے، لیکن دین دار نہیں ہے، اور دوسری ایسی ہے کہ جو دین دار ہے لیکن اتنی زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔ تو پھر ہم کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم یہ بتلاتی ہے کہ اگر ترجیح دینے کا وقت آئے تو آپ دین دار کو خوبصورت کے مقابلہ میں ترجیح دیجئے۔ باقی اگر کوئی عورت خوبصور ت بھی ہے اور دین دار بھی ہے، اور دوسری صرف دین دار ہے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس میں دو وصف ہیں اس کو اگر آپ ترجیح دیں، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہاں تو یہ روایت اس لیے لائے ہیں کہ جس کے ساتھ آپ کو پوری زندگی گزارنی ہے، جس کی رفاقت اور صحبت آپ زندگی بھر کے لیے اختیار کرنے جارہے ہیں، وہاں پر آپ کو چاہیے کہ نیکی کو دیکھیں، نیک لوگوں کی صحبت میں یہ چیز بھی آجاتی۔

آپ کیوں زیادہ نہیں آتے؟

حدیث ۳۶۵

وعن ابن عباسٍ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ النَّبِيُّ (صلی اللہ علیہ وسلم) لجبريل: ما يمنعك أن يزورنا أكثر مما تزورنا؟ فنزلت: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ (رواه البخاری)

ترجمہ مع تشریح: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت جبرئیل (علیہ السلام) سے فرمایا کہ آپ میرے پاس جتنا آتے ہیں، اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ (دراصل ایک مرتبہ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کے آنے میں دیرہوئی۔ مختلف روایتیں ہیں، آٹھ روز، پندرہ دن تک نہیں آئے، اور چالیس روز کی بھی روایت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طویل زمانہ تک حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نہیں آئے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی آمد کا انتظار فرماتے تھے۔ جب آئے تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں تو آپ کی زیارت و دیدار اور ملاقات کا مشتاق و منتظر تھا، آپ نے دیر کیوں کردی؟) تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) نے جواب میں عرض کیا کہ میں بھی آپ کی زیارت و ملاقات کا مشتاق تو تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت اور حکم کے بغیر نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے یہی کہا ہے کہ آپ ان کو جواب میں یہ کہو ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ کہ ہم آپ کے پاس نہیں آسکتے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ وہی ہمارے آگے اور پیچھے اور جو سامنے ہے اس سب کا مالک ہے۔ مطلب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہ ہے کہ اگرچہ آپ کی زیارت کاشوق تو مجھے بھی ہے جیسا آپ کو ہے، لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں آسکتا۔ ابھی تک حکم نہیں ملا تھا تو نہیں آیا، اب آج حکم ملا تو حاضر ہوا ہوں۔

بہر حال! یہاں تو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دیکھو! نبی کریم (ﷺ) حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کی زیارت کے مشتاق تھے۔ گویا آپ (ﷺ) کو ایک مدت تک طلب رہی کہ کب جبرئیل آویں اور ملاقات ہو۔ اور حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کا صلحاء میں سے ہونا ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ تو جب حضور اکرم (ﷺ) بھی اس چیز کو چاہتے ہیں کہ صالح لوگوں کی صحبت میسر آئے، حالانکہ آپ (ﷺ) تو کامل بھی تھے اور مکمِّل بھی تھے، اس کے باوجود آپ حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کی صحبت کے خواہش منداور متمنی ہیں۔ تو اب تو ہر ایک آدمی کو صلحاء اور نیک لوگوں کی صحبت کا متمنی اور مشتاق ہونا چاہیے، اور ان کی زیارت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دوستی صرف ایمان والوں سے کرو

حدیث ۳۶۶

عن أبي سعيد الخدري (رضی اللہ عنہ) عن النبي (ﷺ) قال: لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔ (رواه ابوداود والترمذي بإسناد لا بأس به)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ (مصاحبت، رفاقت اور) دوستی اختیار مت کرو مگر اس کی جو مؤمن (یعنی کامل الایمان) ہو۔ اور تمہارا کھانا (یعنی محبت والا) نہ کھاویں مگر نیک لوگ۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: حاجت والا کھاناتوہر ایک کوکھلایا جاسکتاہے،لیکن دوستی کی بنیاد پر آپ جو دعوت کریں وہ نیکوں کی ہی کرنی چاہیے۔اب ظاہر ہے کہ جب آدمی نیکوں سے ہی دوستی کااہتمام کرے گاتودوستی کے نام پردعوت بھی انہیں کی کرے گا۔اور اگر بروں سے دوستی کرے گا تودوستی کے نام پراُنہی کی دعوت کرنے کی نوبت آئے گی۔باقی حاجت اورضرورت کی وجہ سے جو کھاناکھلایاجاتاہے،اس میں مؤمن کی بھی قید نہیں ہے، بلکہ کافر بھی اگر ضرورت مند ہےتواس کو بھی کھلایاجائے گا۔اسی طریقہ سے مؤمن میں بھی اگرضرورت مند فاسق ہے، اور ضرورت مندہونے کی بنیادپرکھاناکھلارہے ہیں تووہاں یہ نہیں دیکھیں گے کہ وہ کیساآدمی ہے، نماز پڑھتاہے یانہیں ۔وغیرہ۔

اس جگہ علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ تمہاراطعامِ محبت،دوستی کی بنیادپر کھلایا جانے والا کھانانیکوں کے علاوہ اورکوئی نہ کھائے۔

انسان اپنے دوست کے طریقہ پر ہوتا ہے

حدیث ۳۶۷

عَنْ أَبِي هريرةَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایاکہ آدمی اپنے دوست کے طریقہ،اس کے دین اور روش پرہوتاہے۔(یعنی آدمی کی چال ڈھال بھی وہی ہوتی ہے جواس کے دوست کی ہوتی ہے۔)اس لیے آدمی دیکھ لے کہ کس کے ساتھ دوستی کرتاہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: بھائی! کسی کو آپ پہچاننا چاہیں کہ اس کا مزاج کیسا ہے؟ تو یہ دیکھ لیجئے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، اس کی طبیعت کا میلان ورجحان کن لوگوں کی طرف ہے، وہ کدھر جھکتا ہے؛ اسی سے اس کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ ہو جائے گا۔ قرآنِ پاک میں بھی ہے ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ جو گنہگار لوگ ہیں ان کی طرف نہ جھکو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو بھی جہنم کی آگ پکڑ لے۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو وہ تم کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیں گے۔ بہر حال! آدمی اپنے دوست ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے ہر آدمی کو چاہیے کہ نیک لوگوں ہی کی دوستی اختیار کرے، برے لوگوں کے ساتھ دوستی نہ کرے۔

حشر بھی محبت والوں کے ساتھ ہو گا

حدیث ٣٦٨

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ وفی رواية: قِيلَ لِلنَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم): اَلرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ؟ قَالَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ آدمی ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کو نیک لوگوں کے ساتھ محبت و تعلق ہے لیکن ابھی تک وہ نیکی کے اس معیار پر نہیں پہنچا کہ ان کو پالے۔ تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ آدمی ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: ”وَلَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ“ عربی زبان میں لفظ ”لَمَّا“ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ کوئی چیز ابھی تک واقع نہ ہوئی ہو، لیکن اس کے واقع ہونے کی امید ہو۔ جیسے کوئی پوچھے: ”أَجَاءَ زَيْدٌ؟“ زید آیا؟ تو اگر یہ کہیں ”لَمَّا يَأْتِ“ ابھی تک تو نہیں آیا۔ یعنی آنے کی امید ہے۔

اسی طرح ایک آدمی نیک، صلحاء اور اللہ والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے، لیکن ابھی تک اس کا عمل اس درجہ کا نہیں ہوا کہ ان تک پہنچ جائے، تو حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ اس کی اس محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ان کے ساتھ رکھیں گے۔ اس لیے آدمی کو محبت کا تعلق بھی نیکوں کے ساتھ ہی رکھنا چاہیے۔ بروں کے ساتھ نہیں ۔

محبت ہے لیکن عمل اس درجہ کا نہیں

حدیث ۳۶۹

عَنْ أَنَسٍ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ لِرَسُولِ اللهِ (ﷺ): مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ): مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: حُبُّ اللهِ وَرَسُولِهِ. قَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔ (متفق علیه)

وفی روایة: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيرِ صَوْمٍ، وَلَا صَلَاةٍ، وَلَا صَدَقَةٍ، لٰكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ۔

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ دیہات کا ایک رہنے والا حضور اکرم (ﷺ) کے پاس آیا، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ حضور (ﷺ) نے پوچھا کہ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اس کے لیے کوئی زیادہ روزے یا نمازیں اور صدقہ وخیرات

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو نہیں کر رکھے ہیں، لیکن ہاں! میں اللہ اوراس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ تو حضور اکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ تو انہیں لوگوں کے ساتھ رہے گا۔

افادات: یعنی تو جنت میں ان کے ساتھ جائے گا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مقام جو جنت میں حضور اکرم (ﷺ) کو ملے گا وہی اس کو بھی ملے گا۔ اس مقام کو تو کون پا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے اس جگہ جانے کا فیصلہ ہو جائے گا۔

سب کا کام بن گیا

اب ایک بات یہ ہے کہ محبت کی علامت بھی پائی جانی چاہیے۔ اسی لیے امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ روایت اپنی کتاب الجامع الصحیح بخاری شریف میں جہاں بیان فرمائی ہے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے ﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ تم میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی زبانی دعویٰ کافی نہیں ہے۔ ایک تو زبانی دعویٰ ہوتا ہے اور ایک اس کی حقیقت ہوتی ہے۔ کوئی آدمی جب کوئی دعویٰ کرتا ہے تو پھر اس کی علامتیں بھی دیکھی جاتی ہیں۔ تو اس کی علامت یہی ہے کہ نبی کریم (ﷺ) کی پیروی اختیار کرے۔ تو اس دیہاتی سے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ تو جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ رہے گا۔

اس لیے بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے جب حضور اکرم (ﷺ) کا یہ جواب سنا کہ "تو جس سے محبت کرتا ہے اس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے ساتھ رہے گا" تو یہ سن کر صحابہ کو اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی (بخاری شریف۔ ۳٦۸۸) اس لیے کہ تمام صحابہ کو حضور اکرم (ﷺ) سے بے پناہ محبت تھی۔ گویا یہ جواب سن کر سب خوش ہو گئے کہ اب تو ہم سب کا کام بن گیا۔

کوشش کرتا رہے

حدیث ۳۷۰

وعنِ ابنِ مسعودٍ (رضی اللہ عنہ) قال: جَاءَ رَجُلٌ إِلیٰ رَسولِ اللهِ (ﷺ)، فقال: يَارسولَ الله! كَيفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فقال رسولُ اللهِ (ﷺ): اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: ایک آدمی نے آکر نبی کریم (ﷺ) سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس آدمی کے سلسلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو کچھ لوگوں سے محبت رکھتا ہے لیکن وہ ابھی تک اپنے عمل کی وجہ سے اس مقام تک پہنچ نہیں سکا (نیکی اور بزرگی کے جس درجہ کے وہ لوگ ہیں، یہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچا) تو حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ آدمی انہیں کے ساتھ رہے گا جن سے محبت رکھتا ہے

افادات: جب اللہ والوں اور نیک و صلحاء کے ساتھ تعلق اور محبت ہوتی ہے تو کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ ہمارا عمل تو اس درجہ کا نہیں ہے، پتہ نہیں کچھ فائدہ ہوگا یا نہیں۔ تو آدمی کو چاہیے کہ کوشش کرتا رہے، اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم (ﷺ) کا یہ ارشاد اس کی تسلی کے لیے کافی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اوصاف فطری ہوتے ہیں

حدیث ۳۷۱

وَعَنْ أَبِيْ هُريرةَ(رضی اللہ عنہ) عَنِ النَّبِيِّ ا قَالَ:اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ:خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا، وَالْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَاتَعَارَفَ مِنْهَاائْتَلَفَ، وَمَاتَنَاكَرَمِنْهَا اخْتَلَفَ۔(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایاکہ لوگ ایسی کانوں کی طرح ہیں جیسے سونے اورچاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔جولوگ زمانہ جاہلیت میں (یعنی اسلام کے آنے سے پہلے) شریف،اچھے اوراونچے سمجھے جاتے تھے (گویاخاندانی شرافت ان کے لیے مسلّم تھی تو) اسلام میں بھی وہ ایسے ہی سمجھے جائیں گے۔(البتہ ایک) شرط یہ ہے کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں (توگویایہ چیزان کی اورزیادہ پختہ ہوجائے گی۔)اوراللہ تعالیٰ نے روحیں مختلف جماعتوں میں پیدا کی ہیں،پہلے روز جن روحوں میں آپس میں تعلق اوردوستی ہوئی،دنیامیں بھی ان میں تعلق ہوگا، اور جن روحوں میں وہاں تعلق پیدانہیں ہوا،یہاں بھی ان میں تعلق پیدانہیں ہوگا۔

افادات: کان کوگجراتی میں(ખાણ)اورانگریزی میں (Maeiled) کہاجاتاہے۔یعنی جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں ایسے ہی لوگوں کاحال ہے۔سونے چاندی کی کان کا مطلب یہ ہے کہ قدرتی طورپرزمین کے جس خطہ میں سونانکلتا ہے،گویا اللہ تعالیٰ نے زمین کےاس حصہ میں یہ صلاحیت اسی دن سے رکھ دی ہے جس دن زمین کو پیدا کیا تھا۔توجس طرح مختلف چیزوں کی کانیں ہوتی ہیں اسی طریقہ سے لوگوں کا حال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں مختلف

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

صلاحیتیں رکھی ہیں۔تو انسانوں کے اندر جتنے بھی اوصاف اور خوبیاں ہوتی ہیں وہ بھی گویا ایک فطری چیز ہے۔

جسموں کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے روحیں پیدا فرمائیں، جسم تو دنیا میں آنے کے وقت وجود میں آئے گا۔دنیا تو معلوم نہیں کب سے چل رہی ہے اور کب تک چلے گی، اور ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آنے کا ایک وقت مقرر کیا ہے اس وقت وہ آئے گا اور جانے کا جو وقت مقرر کیا ہے اس وقت ہ جائے گا، لیکن جس وقت کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اس وقت سے روحیں پیدا کی ہیں۔

باہم مناسبت وعدم مناسبت پہلے دن سے ہے

تو اس پہلے روز جن روحوں میں آپس میں تعلق اور دوستی ہوئی، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت اور اُنس پیدا ہوا، دنیا میں بھی ان کے ساتھ تعلق پیدا ہوگا۔اور جن روحوں میں وہاں عالَمِ ارواح میں تعلق پیدا نہیں ہوا، یہاں دنیا میں بھی ان میں تعلق پیدا نہیں ہوگا۔ بعض مرتبہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک آدمی آتا ہے، پہلی مرتبہ ملاقات ہوتی ہے اور ایسا تعلق ہوجاتا ہے جیسے برسہا برس سے ہو۔دراصل وہ اسی تعلق کا اثر ہوتا ہے جو عالمِ ارواح میں روحوں میں قائم ہوا تھا۔اور بعضا ایسے ہوتے ہیں کہ زندگی بھر ایک ساتھ رہتے ہیں، مثلاً سالہا سال سے ایک ہی آفس میں کام کر رہے ہیں لیکن آپس میں بات کرنے کی بھی نوبت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نہیں آتی، دونوں میں سے کسی کو دوسرے کی پڑی ہی نہیں ہوتی۔وہ بھی دراصل اسی کا اثر ہے کہ طبیعتوں میں مناسبت نہیں ہے۔

حضرت اویس قرنی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مناقب

حدیث ۳۷۲

وعن أُسَيْرِبن عَمْرٍو -وَيُقَالُ ابن جَابِرٍ وَهُوَ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَفَتْحِ السِّيْنِ الْمُهْمَلَةِ- قَالَ: كَانَ عُمَرُ بنُ الْخَطَّابِ إِذَا أَتَى عَلَيْهِ أَمْدَادُ أَهْلِ الْيَمَنِ سَأَلَهُمْ: أَفِيكُمْ أُوَيْسُ بنُ عَامِرٍ؟ حَتّٰى أَتَى عَلَى أُوَيْسٍ، فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ أُوَيْسُ بنُ عَامِرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَكَانَ بِكَ بَرَصٌ فَبَرَأْتَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: لَكَ وَالِدَةٌ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُوْلُ: "يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ" فَاسْتَغْفِرْ لِي، فَاسْتَغْفَرَ لَهُ۔ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَيْنَ تُرِيْدُ؟ قَالَ: الْكُوْفَةَ. قَالَ: أَلَا أَكْتُبُ لَكَ إِلَى عَامِلِهَا؟ قَالَ: أَكُوْنُ فِي غَبْرَاءِ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ۔ فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ حَجَّ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِهِمْ فَوَافَى عُمَرَ، فَسَأَلَهُ عَنْ أُوَيْسٍ، فَقَالَ: تَرَكْتُهُ رَثَّ الْبَيْتِ قَلِيْلَ الْمَتَاعِ. قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُوْلُ: "يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادٍ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ، مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ"، فَأَتَى أُوَيْسًا، فَقَالَ: اِسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: أَنْتَ أَحْدَثُ عَهْدًا بِسَفَرٍ صَالِحٍ فَاسْتَغْفِرْ لِي، قَالَ: لَقِيْتَ عُمَرَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَاسْتَغْفَرَ لَهُ. فَفَطِنَ لَهُ النَّاسُ فَانْطَلَقَ عَلَى وَجْهِهِ۔ (رواہ مسلم)

وفی رواية لمسلم أيضا: عَنْ أُسَيْرِ بنِ جَابِرٍ أَنَّ أَهْلَ الْكُوْفَةِ وَفَدُوْا عَلَى عُمَرَ وَفِيْهِمْ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ يَسْخَرُ بِأُوَيْسٍ، فَقَالَ عُمَرُ: هَلْ هَاهُنَا أَحَدٌ مِنَ الْقَرَنِيِّيْنَ؟ فَجَاءَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ، فَقَالَ عُمَرُ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَدْ قَالَ:

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

"إِنَّ رَجُلاً يَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ، لَا يَدَعُ بِالْيَمَنِ غَيْرَ أُمٍّ لَهُ، قَدْ كَانَ بِهِ بَيَاضٌ فَدَعَا اللّٰهَ تَعَالَى فَأَذْهَبَهُ إِلَّا مَوْضِعَ الدِّينَارِ أَوِ الدِّرْهَمِ، فَمَنْ لَقِيَهُ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ"۔

وفی روایة له عَنْ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُولُ: "إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أُوَيْسٌ، وَلَهُ وَالِدَةٌ، وَكَانَ بِهِ بَيَاضٌ فَمُرُوهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ"۔

ترجمہ مع تشریح: حضرت اُسیر بن عمرو (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جب یمن کے لوگ کمک کے لیے آتے تھے (اس زمانہ میں اسلامی لشکر جو مختلف علاقوں میں بھیجے جاتے تھے، ان لشکروں کو مدد پہنچانے کے لیے اسلامی سلطنت کے مختلف علاقوں سے لوگ امیر المؤمنین کی خدمت میں مدینہ منورہ آتے تھے، اور عرض کرتے تھے کہ آپ جہاں چاہیں ہمیں اسلامی لشکر کی مدد کے واسطے بھیجئے۔ تو جس جس مورچہ اور محاذِ جنگ پر ضرورت ہوتی تھی وہاں ان کو بھیجا جاتا تھا۔ تو اس قسم کے لوگ اسلامی لشکر کو مدد پہنچانے کے لیے جب یمن سے آتے تھے) تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ان سے پوچھتے تھے کہ کیا تمہارے درمیان حضرت اویس بن عامر ہیں؟ یہاں تک کہ جب یمن والوں کا وہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا جس میں حضرت اویس تھے تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے انہی سے پوچھا کہ کیا تم اویس ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر پوچھا کہ تمہارا تعلق یمن کے قبیلہ ٔ مراد سے ہے؟ اور قبیلہ ٔ مراد کی شاخ قرن سے ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر پوچھا: کیا تمہارے جسم میں سفید داغ تھے اور تم نے اس کے اچھا ہونے کی دعا کی تھی جس کی وجہ سے جسم کے سارے داغ اچھے ہوگئے، صرف ایک درہم کے برابر داغ تمہارے جسم پر باقی رہ گیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر پوچھا: تمہاری والدہ بھی ہیں؟ کہا: جی ہاں! ہیں۔ پھر کہا کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے پاس یمن سے آنے والے قافلوں میں اویس بن عامر آئیں گے، جن کا تعلق قبیلہ ٔ مراد کی شاخ قرن سے ہے اور ان کو برص تھا اور وہ سوائے ایک روپیہ جتنی جگہ کے اچھا ہوگیا، اور ان کی ماں بھی ہے جن کی یہ بڑی خدمت کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

(بلکہ آپ اندازہ لگایئے کہ حضوراکرم (ﷺ) کے زمانہ میں موجود تھے،اسلام لاچکے تھے اوردل میں نبی کریم (ﷺ) کی ملاقات کی تمنا تھی،لیکن والدہ کو خدمت کی ضرورت تھی اس وجہ سے حضوراکرم (ﷺ) کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر نہیں ہوسکے،اور صحابیت کاشرف حاصل نہ کرپائے۔آج اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ نبی کریم (ﷺ) فلاں جگہ تشریف فرماہیں تو کون ہے جووہاں جانے کی کوشش نہیں کرے گا؟ان کے دل میں بھی تمنا تھی لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے وہ اپناوطن اورگھر نہیں چھوڑسکتے تھے،اس لیے نہیں جاپائے،توحضوراکرم (ﷺ) نے ان کے متعلق حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کوپوری تفصیل بتلادی۔)

(اوراللہ تعالیٰ کے یہاں ان کامقام یہ ہے کہ) اگراللہ کا نام لے کر کسی بات پر قسم کھالیں تواللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کردے گا(پھر حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) سے یہ کہاکہ)اگرتم ان سے دعاءِ مغفرت کرواسکو توکروالینا(یعنی تمہاری ملاقات ہواورموقع ملے توان سے اپنے لیے دعاءِ مغفرت ضرورکرانا(جب وہ آئے اورحضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نےپوری تفصیل دریافت فرمالی اور تحقیق ہوگئی کہ یہی حضرت اویس قرنی ہیں،توحضرت عمر(رضی اللہ عنہ)نے حضوراکرم (ﷺ) کایہ ارشاد نقل کیا اورکہاکہ)میں آپ سے درخواست کرتاہوں کہ آپ میرے لیے دعاءِ مغفرت کیجئے۔

(دیکھو!نبی کریم (ﷺ) نے حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کو یہ تاکید کی،حالانکہ حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کا مقام اس امت میں حضرت ابوبکر(رضی اللہ عنہ)کے بعدآتاہے۔اہل سنت والجماعت کاعقیدہ یہی ہے،اس کے باوجود حضوراکرم (ﷺ) حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کوتاکیدفرماتے ہیں کہ جب وہ آئیں توان سے اپنے لیے دعاءِ مغفرت ضرورکرانا۔اس سے یہ بھی معلوم ہواکہ جو اونچے درجہ والاہواس کو بھی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دوسرے سے- جو چاہے اپنے سے کم درجہ والا ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو اس سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ کوئی بھی یہ نہ سمجھے کہ میں اونچے مقام والا ہوں، مجھے دوسرے سے دعا کی درخواست کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

(بہر حال! حضرت عمر نے ان سے دعا کی درخواست کی) تو حضرت اویس قرنی (سمجھتے تھے کہ یہ چھوڑیں گے نہیں، اس لیے) نے ان کے لیے دعاءِ مغفرت کی۔

چٹھی نہیں لکھوائی

(اس کے بعد) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان سے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوفہ جانے کا ارادہ ہے۔ (یمن سے آئے تھے اور کوفہ جو عراق میں واقع ہے وہاں جانے کا ارادہ تھا، وہ بتلایا) تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تمہارے لیے کوفہ کے گورنر کے نام چٹھی لکھ دوں؟ (دیکھو! حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) خود سامنے سے ان سے پوچھ رہے ہیں، حالانکہ وہ ایسے آدمی نہیں تھے کہ اصولی طور پر ایسی بات پوچھیں لیکن چوں کہ اویس قرنی کا خاص مقام تھا تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے ان سے پوچھا کہ چٹھی لکھ دوں تاکہ وہ تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھے) تو انہوں نے فرمایا کہ میں عام لوگوں میں رہوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے، اس لیے کوئی چٹھی نہ لکھیے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (اگر آپ چٹھی لکھ دیں گے تو گورنر صاحب میرے لیے خاص اہتمام کریں گے، تو گویا میں بھی (VIP) ہو جاؤں گا، اور میں (VIP) بننا نہیں چاہتا، میں تو وہاں جا کر عام

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لوگوں میں زندگی گزاروں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ چٹھی نہیں لکھوائی۔ اب یہ تو کوفہ چلے گئے اور وہاں رہنے لگے۔ کوفہ والوں کو معلوم نہیں تھا کہ ان کا مقام کیا ہے۔)

خیر! دوسرے سال حج کے موقع پر کوفہ کے رہنے والوں میں سے ایک بڑا آدمی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا، اور اس سے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس سے حضرت اویس کے متعلق پوچھا کہ اویس کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے ان کو دیکھا کہ معمولی مکان میں بہت قلیل سامان کے ساتھ رہتے ہیں۔ تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس آدمی سے کہا کہ (اویس کس مقام کے آدمی ہیں؛ یہ تمہیں معلوم ہے؟) میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے پاس یمن سے آنے والے قافلوں میں اویس بن عامر آئیں گے، جن کا تعلق قبیلۂ مراد کی شاخ قرن سے ہے اور ان کو برص تھا اور ان کا وہ برص سوائے ایک روپیہ جتنی جگہ کے اچھا ہو گیا، اور ان کی ماں بھی ہے جن کی یہ بڑی خدمت کرتے ہیں۔ اللہ کے یہاں ان کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر کسی بات پر قسم کھالیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دے۔ اور مجھے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ تم ان سے اپنے لیے دعاءِ مغفرت کرا سکو تو کرا لینا۔

شہرت کی زندگی پسند نہ کی

(یہ ساری بات حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے کوفہ کے اس آدمی کو بتائی) چنانچہ یہ آدمی جب حج سے واپس گیا تو حضرت اویس کی خدمت میں اہتمام سے حاضر ہوا اور کہا کہ میرے لیے دعاءِ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مغفرت کیجیے (حضرت اویس بھی سوچنے لگے کہ آج تک تو یہ آدمی کبھی آیا نہیں، اور آج آیا؛ کیا بات ہے) حضرت اویس نے اس سے کہا کہ ابھی تو تم بڑی اونچی جگہ سے حج کر کے آرہے ہو، تم میرے لیے دعاءِ مغفرت کرو (اس لیے کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ جو حج کر کے آوے، اس سے آپ اپنے لیے دعاءِ مغفرت کی درخواست کیجیے (مشکوٰۃ، ص ۲۲۳) اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! حاجی کی بھی مغفرت کر دے اور حاجی جس کے لیے دعاءِ مغفرت کرے، اس کی بھی مغفرت کر دے (شعب الایمان۔ ۴۱۱۲) تو حضرت اویس نے اس آدمی سے کہا کہ آپ بہت اچھی جگہ سے لوٹ کر آرہے ہیں اس لیے آپ میرے لیے دعاءِ مغفرت کیجیے، لیکن اس نے کہا کہ نہیں! آپ پہلے میرے لیے دعاءِ مغفرت کیجیے) تو حضرت اویس نے کہا کہ کیا وہاں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات ہوئی تھی؟ اس نے کہا: جی ہاں (تو وہ سمجھ گئے کہ اب تو یہ میرا پیچھا چھوڑے گا نہیں، اس لیے) حضرت اویس نے اس کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی (پھر تو اس آدمی نے باقاعدہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اپنی بستی میں ایک ایسی شخصیت موجود ہے۔ اب تک تو وہ گمنام رہتے تھے، کسی کو ان کا پتہ نہیں تھا، لیکن اب تو سب لوگوں کو پتہ چل گیا) چنانچہ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کو پتہ چل گیا ہے تو وہاں سے رخصت ہو کر دوسری جگہ چلے گئے (انہوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ اس طرح شہرت کے ساتھ زندگی گزاریں)

مسلم کے حوالہ سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس پہنچے، ان میں ایک آدمی وہ بھی تھا جس کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت اویس کا کیا مقام

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہے۔وہ ان کی ظاہری حالت اور مفلوک الحالی دیکھ کر ان کا مذاق اور ٹھٹھا اڑایا کرتا تھا۔جب وہ قافلہ حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کے پاس گیاتوان سے ان کاحال پوچھا، تو اس آدمی نے ان کاحال بتایا،اس پر حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے ان کا مقام بتلایا۔توپھر اس نےاپنی حالت سے توبہ کی کہ اب تک ان کامقام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں توان کا مذاق اُڑایاکرتاتھا۔

روایت کا سبق

بہرحال!یہاں پرتویہ بتاناہے کہ دیکھو! نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کوان سے دعاءِ مغفرت کی تاکید فرمائی اورحضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے دوسروں کوکہا۔اس سے یہ بھی معلوم ہواکہ جواللہ کے نیک بندے ہوں ان سے ملاقات کرنی چاہیے اوران سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے اورجس مقام پروہ آبادہوں وہاں کے لوگوں کوبھی ان سے واقف کراناچاہیے،اور تاکید بھی کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی ان سے فائدہ اُٹھائیں۔

چنانچہ اہل اللہ کے یہاں اس بات کابھی اہتمام تھا۔بعض اکابرکے واقعات میں ہے کہ ان کے مریدین اورمعتقدین میں سے بعض لوگ جواونچے مقام کے ہوتے تھے اور لوگ ان کے حال سےواقف نہیں ہوتے تھے تولوگوں کوان سے واقف کرنے کے لیے کوئی بات وہ ظاہرکردیاکرتے تھے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بادشاہوں کا حال یہ تھا

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (رحمۃ اللہ علیہ) کا جب انتقال ہوا تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ آدمی پڑھائے جس نے کبھی کسی غیر محرم کی طرف نظر نہ کی ہو، اور جس کی عصر کی چار سنتیں کبھی فوت نہ ہوئی ہوں۔ جنازہ لاکر رکھا گیا، اور یہ اعلان کیا گیا کہ حضرت شیخ کی یہ وصیت ہے۔ بڑا مجمع موجود تھا، کوئی آگے نہیں بڑھا۔ کئی مرتبہ جب اعلان ہوا اور کوئی آگے نہیں بڑھا تو سلطان شمس الدین التمش (رحمۃ اللہ علیہ) (ان کا مزار قطب مینار کے علاقہ میں ہے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (رحمۃ اللہ علیہ) کا مزار مہرولی میں ہے) آگے بڑھے اور کہا کہ حضرت شیخ نے میرا راز لوگوں کے درمیان کھول دیا۔ میں نے زندگی بھر کبھی کسی غیر محرم کی طرف نظر نہیں کی، اور میری عصر کی چار سنتیں کبھی فوت نہیں ہوئی۔ اس زمانہ کے بادشاہوں کا یہ حال تھا۔

ہم کو بھی دعا میں نہ بھولیو

حدیث ۳۷۳

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فِي الْعُمْرَةِ، فَأَذِنَ لِي، وَقَالَ: لَا تَنْسَنَا يَا أُخَيَّ مِنْ دُعَائِكَ۔

وفی روایۃ: أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِي دُعَائِكَ۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ: حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمرہ کے لیے جانے کی اجازت طلب کی، تونبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دی اور فرمایا کہ اے ہمارے پیارے بھائی! ہم کو بھی دعا میں نہ بھولیو۔

افادات: (۱) یہ بھی آداب میں سے ہے کہ آدمی اگر اپنے بڑوں کے ساتھ رہے تو جب کسی کام کے لیے باہر جانا ہو تو ان کی اجازت لے۔ یعنی ان کے سامنے اظہار کرے، اگر وہ اجازت دیں تو جائے۔

(۲) حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے درخواست کر رہے ہیں، چوں کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کو جارہے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ بیت اللہ کی زیارت کے لیے جارہے ہوں، یا ایسے مقام پر جارہے ہوں جہاں دعا قبول ہوتی ہے تو ان کی خدمت میں دعا کے لیے درخواست کرنی چاہیے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ اس کی درخواست منظور کرلے تو اس کو بھی چاہیے وہاں اس کے واسطے دعا کرے۔

بابرکت جگہوں کی زیارت کرنا

اور چوں کہ اس باب کے عنوان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ بابرکت جگہوں کی زیارت کے لیے جانا، اسی مناسبت سے یہ آخری روایت لارہے ہیں۔

حدیث ۳۷۴

وعن ابن عمر (رضی اللہ عنہما) قال: کان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) یزور قباء راکباً وماشیاً۔ فیصلی فیہ رکعتین۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

وفی روایۃ: کان النبی (ﷺ) یأتی مسجد قبآء کل سبت راکباً و ماشیاً و کان ابن عمر یفعلہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر(رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) قباء کی زیارت کے لیے کبھی سواری پر اور کبھی پیدل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور وہاں جاکر دو رکعت ادا فرماتے تھے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم (ﷺ) ہر سنیچر کو مسجد قباء سوار ہو کر اور کبھی پیدل تشریف لے جاتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر کا معمول بھی یہ تھا۔

افادات: قباء مسجد نبوی سے کافی دوری پر واقع ہے، اس زمانہ میں تو وہ مدینہ سے الگ ایک آبادی اور بستی تھی، آج کل تو مدینہ منورہ کا ہی ایک حصہ ہو گیا ہے، لیکن بہر حال وہ دوری پر واقع ہے، پھر بھی نبی کریم (ﷺ) وہاں کبھی سواری پر جاتے تھے اور کبھی پیدل تشریف لے جاتے تھے۔ اس لیے دونوں طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اور حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کا معمول یہ تھا کہ ہر پیر اور جمعرات کو وہاں جاتے تھے (مسند البزار، ۳۰۳) اور یہ فضیلت بھی ہے کہ جو آدمی مسجد قباء جاکر دو رکعت نماز پڑھے، تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقبول عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ (المعجم الکبیر۔۵۵۶۱)

توجہ نہ دی جائے

اس روایت سے یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایسی برکت اور فضیلت والی جگہیں جن کی فضیلت حدیث پاک میں آئی ہے، ان کی زیارت کے لیے بھی آدمی کو جانا چاہیے۔ چوں کہ ہمارے یہاں سے جو لوگ حج و عمرہ کے لیے جاتے ہیں ان کو بھی ایسی جگہوں کی زیارت کا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اہتمام کرناچاہیے۔ویسے وہاں ”زیارۃ زیارۃ“۔کے نام سے موٹر گاڑی والے آواز تودیتے ہی ہیں۔ لیکن بعض لوگ ان کی زیارت کرنے جانے والوں کوروکتے ہیں۔تومیں بتادوں کہ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ایسے مقامات جن کی فضیلت حدیث پاک میں آئی ہے ان کی زیارت کے لیے بھی آدمی کو جاناچاہیے۔اس روایت کواسی لیے لائے ہیں کہ یہ بھی نبی کریم (ﷺ) سے ثابت ہے۔اور جن چیزوں کاثبوت ہے ان کااہتمام کرناچاہیے۔

مدینۂ منورہ میں روزانہ دوعمرے

بمبئی کے ہمارے ایک حاجی داود صاحب ہیں وہ مدینہ منورہ میں ہم سے کہنے لگے کہ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے توایک عمرہ کرنے میں دیر بھی لگتی ہے اور محنت بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن میں تومدینہ میں رہتے ہوئے روزانہ آسانی سے دوعمروں کاثواب لیتا ہوں۔ وہ اس طرح سے کہ یہاں فجر کی نماز کے بعداشراق تک توذکرمیں بیٹھارہتا ہوں اور اشراق پڑھ لیتاہوں۔ اورآپ جانتے ہیں کہ جوآدمی فجرکی نمازکے بعداپنی جگہ پر بیٹھا رہے اوراللہ کی یادمیں مشغول رہے،اوراشراق پڑھ کراٹھے تواس کوایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔اور پھر یہاں سے نکل کرقباء جاتاہوں اوروہاں دورکعت نمازپڑھ لیتا ہوں۔اس طرح روزانہ دوعمروں کاثواب آسانی سے حاصل کرلیتاہوں۔

بہرحال!اللہ تعالیٰ نے یہ سب فضیلتیں اورثواب کی بہت آسان شکلیں مہیا کردی ہیں،اوراللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں جوان چیزوں کوحاصل کرنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آج ہم نے اپنی عقلوں اوراپنی سوجھ بوجھ کودنیامیں ایسالگا رکھا ہے کہ جہاں دوپیسے زیادہ ملتے ہوں وہاں توضرور جائیں گے، لیکن ایسے بڑے بڑے ثواب کے معاملہ میں ہم استغناء اور بے پرواہی اختیارکرتے ہیں۔ہم میں اورہمارے اسلاف میں یہی فرق ہے کہ وہ ان چیزوں کے حریص تھے،اوردنیاکی طرف سے بے رغبت تھے۔اورہم دنیا کے حریص ہیں اوران چیزوں کی طرف سے بے رغبت ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پرچلائے اورتوفیق عطافرمائے۔

﴿دعا﴾

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔

اے اللہ!ہمارے گناہوں کومعاف فرما،ہماری خطاؤں سے درگذر فرما،اے اللہ!جیسا کہ تیرے حبیب پاک ﷺ نے تاکیدفرمائی،تیرے نیک بندوں کی زیارت اورہم نشینی اور صحبت اوران کے ساتھ محبت کاتعلق رکھنے کی ہمیں توفیق عطافرما۔اوراے اللہ!ان کی اس محبت کوہمارے لیے دنیااورآخرت کی کامیابی کاذریعہ بنا۔اے اللہ!اسی کو ہمارے لیے آخرت میں نجات کاذریعہ بنا۔اے اللہ!اپناخصوصی فضل فرما۔اے اللہ!ہمارے بیماروں کو صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطافرما،اے اللہ!جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کی ادائیگی کی شکلیں پیدا فرما،جو پریشان حال ہیں ان کی پریشانیوں کو دور فرما، حاجتمندوں کی حاجتیں پوری فرما۔اے اللہ!تیرے جن بندوں نے ہم حاضرین مجلس سے دعاؤں کی درخواستیں کی ہیں،سب کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جائز مرادیں محض اپنے فضل سے پوری فرما۔ اے اللہ! حضور اکرم (ﷺ) نے جتنی خیر و بھلائی تجھ سے مانگی وہ سب ہم کو اور پوری امت محمدیہ کو عطا فرما۔ اور نبی کریم (ﷺ) نے جن شرور اور برائیوں سے پناہ چاہی، اے اللہ! ان سے ہماری اور پوری امت محمدیہ کی حفاظت فرما۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں کو محض اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔

وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ۱﴾

اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت اور اس کی تاکید

﴿مجلس ۱﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ أَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح، آیت ۲۹)

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ إِلَیْھِمْ۔ (الحشر، آیت ۹)

یہاں باب کا عنوان قائم کیا ہے "فضلُ الحبِّ فی اللہِ والحثِّ علیہ واعلامِ الرجل من یحبہ انہ یحبہ وماذا یقول لہ اذا اعلم" اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت، اورآدمی کا اس آدمی کو باخبر کرنا جس سے وہ اللہ کے واسطے محبت رکھتا ہے۔ اوروہ اس کو جواب میں کیا کہے؟ اس کو اس باب میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی ترغیب بیان کریں گے کہ یہ عمل کرنا چاہیے کہ دو مؤمن آپس میں اللہ کی نسبت پر ایک دوسرے سے محبت کا تعلق رکھیں۔ اور اگر آپ کو کسی سے اللہ کے واسطے محبت ہے تو آپ کو چاہیے کہ اس کو بتلادیں کہ میں اللہ کی نسبت پر تم سے محبت کرتا ہوں اورجب کوئی آکر کہے کہ میں تم سے اللہ کے واسطے محبت رکھتا ہوں تو جس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے یہ کہا گیا ہے وہ اس کو جواب میں کیا کہے ؟ یہ ساری باتیں احادیث کے ذریعہ سے اس باب میں پیش کریں گے۔پہلے تو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے دو آیتیں پیش کی ہیں ۔

صلح حدیبیہ

پہلی آیت ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ یہ سورۂ فتح کی آخری آیت ہے۔دراصل سورۂ فتح صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے چلے،احرام باندھا،اورمکہ مکرمہ آکر بیت اللہ کا طواف کیا،صفاومروہ کے درمیان سعی کی،اورپھر حلق یاقصر کرواکر احرام کھول دیا۔نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا یہ خواب حضرات صحابۂ کرام کے سامنے بیان کیا،چوں کہ حضرات مہاجرین کومکہ مکرمہ چھوڑکرمدینہ منورہ آئے ہوئے ایک طویل مدت ہوئی تھی، اورمکہ کی یاد توان کوستاتی ہی رہتی تھی۔جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اس خواب کاان کے سامنے تذکرہ کیا،توفوراًسب تیارہوگئے کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے جائیں گے۔اورپھر یہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خواب تھااور نبی کاخواب چوں کہ وحی کاحکم رکھتا ہے،اس لیے ان کویقین تھاکہ ان شاء اللہ اب یہ چیز ہمیں نصیب ہوگی،اس لیے سب نےارادہ کرلیااور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی ارادہ فرمالیا۔ ۶ ؁ھ ذوالقعدہ کے مہینہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضراتِ صحابہ کولے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مقامِ ذوالحلیفہ سے آپ احرام باندھ کرچلے۔ادھرمکہ والوں کوپتہ چل گیاکہ حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضراتِ صحابہ کو لے کرعمرہ کے ارادہ سے ہی چلے ہیں،ان کو یہ بھی معلوم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تھاکہ عمرہ ہی کے لیے آرہے ہیں،لڑائی کاارادہ نہیں ہے، لیکن انہوں نے سوچاکہ یہ لوگ اس طرح اطمینان کے ساتھ آئیں اور عمرہ کرکے چلے جائیں،اس میں ہماری ناک کٹ جائے گی، اورلوگوں کویہ کہنے کا موقع ملے گاکہ یہ لوگ تم پرغالب آگئے،اسی لیے مکہ والوں نے یہ طے کیاکہ ہم ان کوکسی بھی حال میں بیت اللہ کی زیارت اورعمرہ کرنے نہیں دیں گے۔اب قریش نے مکہ مکرمہ کے اطراف میں جو قبائل آباد تھے ان کو جمع کرکے یہ بات دوسرے طریقہ سے پیش کیاکہ یہ لوگ حرم کی حرمت کوختم کرنے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے واسطے مدینہ منورہ سے چلے ہیں، اس لیے آپ ہمارا ساتھ دیجئے،ہم سب مل کران کامقابلہ کریں گے۔اورچوں کہ حرم کی حرمت کاتوسب ہی لحاظ کرتے تھے اس لیے انہوں نے بھی کہاکہ یہ تونہیں ہوسکتاہے۔اس طرح انہوں نے آپس میں معاہدہ کیاکہ ہم ان کوکسی بھی حال میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔

اِدھر نبی کریم (ﷺ) مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اورآپ نے مکہ مکرمہ کے حالات سے باخبرہونے کے واسطے پہلے سے اپنے آدمی بھی آگے بھیج دیئے۔مکہ والوں نے جب مسلمانوں کومکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دینے کافیصلہ کیاتو حضرت خالدبن ولید-جواس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے-کی سرکردگی میں گھوڑے سواروں کاپورا دستہ اس بات کے لیے مقرر کیاگیاکہ راستہ ہی میں جاکران کوروکاجائے۔وہ اِدھرسے روانہ ہوئے۔نبی کریم(ﷺ) نے جن کوبھیجاتھاانہوں نے آکرآپ کواطلاع دی کہ وہاں تو یہ صورتِ حال ہے،تونبی کریم (ﷺ) نے حضراتِ صحابہ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیاکہ اب کیاکرنا چاہیے۔حضوراکرم (ﷺ) نے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خود اپنا یہ عندیہ ظاہر کیا کہ کیا ہم ایسا نہ کریں کہ مکہ مکرمہ کے اطراف کے جو لوگ مکہ والوں کا ساتھ دینے کے واسطے وہاں پہنچے ہوئے ہیں ان کے علاقے تو لڑنے والے مردوں سے خالی ہو چکے ہوں گے، اس لیے ہم ان کے علاقوں میں جا کر ان کے گھروں پر حملہ کریں تو وہ لوگ مکہ والوں کا ساتھ چھوڑ کر یہاں آنے پر مجبور ہو جائیں گے، اس طرح ہم مکہ والوں کے لشکر کی طاقت کو توڑ دیں گے۔ اس وقت حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اور ہم تو اپنا یہ ارادہ ظاہر کر کے مدینہ منورہ سے چلے ہیں کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے واسطہ چلے ہیں، اس لیے ہم اپنے اسی ارادہ سے آگے بڑھیں، ابھی اپنے ارادے میں کوئی تبدیلی نہ کریں، راستہ میں کوئی ہمیں روکے گا اور مقابلہ کی نوبت آئے گی تو دیکھ لیا جائے گا۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ اس طرح آپ روانہ ہوئے۔ جب آپ مقامِ حدیبیہ میں پہنچے (”حدیبیہ“ جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے، جس کو آج کل ”شمسیہ“ کہا جاتا ہے، اس کا کچھ حصہ حدودِ حرم میں ہے اور کچھ حصہ حدود حرم سے باہر ہے) تو وہاں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اونٹنی بیٹھ گئی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہیں پڑاؤ ڈالا۔ لوگ کہنے لگے ”خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ“ حضور کی اونٹنی بیٹھ گئی، تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ بیٹھنا اس کا شیوہ نہیں ہے ”حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ“ بلکہ جس ذات نے ہاتھی والوں کے لشکر کو حرم میں پہنچنے سے روکا تھا، اسی نے اس کو بھی آگے بڑھنے سے روکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قریش اگر حرم کی حرمت کو باقی رکھنے کے لیے آج مجھ سے کوئی معاہدہ کرنا چاہیں گے تو میں ان کی ساری شرطیں منظور کر کے ان کے ساتھ معاہدہ کروں گا۔ پہلے آپ نے آدمی بھیجا، اس کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بعد حضور(ﷺ) نے حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کو منتخب فرمایا کہ اے عمر! آپ جایئے۔ تو حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو تو معلوم ہے کہ مکہ والوں کو میرے ساتھ کیسی عداوت ہے اور میرے خاندان کے زیادہ لوگ بھی وہاں نہیں ہیں جو میری حمایت کریں۔ آپ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بھیجیں، ان کے خاندان کے بہت سارے لوگ وہاں ہیں۔ چنانچہ حضور(ﷺ) نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو بھیجا کہ ان کو جاکر کہیں کہ ہم لڑنے کے واسطہ نہیں آئے ہیں، بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ہمارا راستہ چھوڑ دو، ہم زیارت کرکے واپس لوٹ جائیں گے۔ اور وہاں جو لوگ اسلام لاچکے ہیں لیکن کمزوری کی وجہ سے ہجرت نہیں کرپائے ہیں ان کو بھی بتلادو کہ ان شاء اللہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی کی صورتیں پیدا فرمائیں گے۔ یہ دونوں پیغام الگ الگ کہلوائے۔

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) جب یہاں سے چلے تو مکہ مکرمہ میں یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ عثمان آرہے ہیں تو ان کے خاندان کے لوگ بڑی تعداد میں ان کے استقبال کے لیے آئے اور ان کو اپنے ساتھ لے گئے کہ آپ جس کام کے لیے آئے ہیں وہ اطمینان سے کیجئے، آپ کا بال بھی کوئی بیکا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچ کر انہوں نے نبی کریم (ﷺ) کا پیغام سردارانِ مکہ کو پہنچادیا۔ جب یہ کام ہوگیا تو ان کے خاندان کے لوگوں نے کہا کہ آپ تو یہاں آہی گئے ہیں، آپ بیت اللہ کا طواف کرکے عمرہ کرلیجئے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے جواب میں کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول کو تو وہاں روکا جائے اور اکیلا عثمان یہاں طواف کرلے؟ یہ ناممکن بات ہے۔ ان کے اس جواب پر ان کے خاندان والوں کو بھی ناراضگی ہوئی کہ ہم نے ان کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اتنی ساری حمایت کی اور یہ تو انہیں کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ انہوں نے ان کو روک لیا اور واپس جانے نہیں دیا۔جب ان کی واپسی میں دیر ہوئی تو یہاں مسلمانوں کے لشکر میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) شہید کر دیئے گئے۔اس پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے حضراتِ صحابہ سے بیعت لی کہ ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے،اسی بیعت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضراتِ صحابہ کو اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کا پروانہ دیا گیا ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:١٨) اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان ایمان والوں سے جو آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔اسی بیعت کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے،یعنی وہ بیعت جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضامندی وخوشنودی کا پروانہ دیا گیا۔اب یہ بات بھی وہاں پہنچ گئی۔پھر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دوسرے آدمی بھیجے اور وہاں سے بھی کچھ لوگ آئے اور پھر اخیر میں ان کی طرف سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے سہیل بن عمرو آئے،اور دس سال کے لیے صلح ہوئی کہ ہم آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔اس صلح میں بہت ساری شرطیں تھیں ان میں سے پہلی شرط یہ تھی کہ اس سال ہم آپ کو عمرہ اور بیت اللہ کی زیارت کرنے نہیں دیں گے،ابھی تو واپس جانا پڑے گا،آئندہ سال اسی مہینہ میں آیئے، تین روز یہاں قیام کیجئے گا،اور اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہیں لائیں گے سوائے ایک ایک تلوار کے اور وہ بھی میان میں ہونی چاہیے۔دوسری شرط یہ بھی تھی کہ اگر یہاں سے کوئی آدمی آپ کے یہاں آجائے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا،اور آپ کا کوئی آدمی یہاں آئے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے اور دوسرے قبائل کو اختیار ہے کہ اس صلح میں جو جس کا ساتھ دینا چاہے دے۔خیر!اس طرح

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی اور بھی شرطیں تھیں اور یہ شرطیں ایسی تھیں جن کو قبول کرنے کے لیے آدمی کی طبیعت آمادہ نہ ہو۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب یہ معاملہ حضراتِ صحابہ کے سامنے پیش کیا تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! ہم اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے اگر شہید ہوگئے تو کیا جنت میں نہیں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ضرور جاؤگے تو کہنے لگے کہ پھر ہم اتنا دب کر کیوں صلح کریں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ بہرحال! ان شرائط کو قبول کرنا اور واپس لوٹنا مسلمانوں پر بڑا شاق گذرا، سب ایک ہی بات پر تیار تھے کہ ہم لڑلیں گے، لیکن ایسی صلح کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔ لیکن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کے سامنے اپنی طبیعت کے خلاف اور جوشِ غضب کے باوجود سب نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لی۔ یہ حضراتِ صحابہ کی بڑی آزمائش تھی لیکن وہ حضرات اس آزمائش میں پوری کامیابی سے پار نکلے، کسی ایک نے بھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔

جب صلح نامہ لکھوایا جارہا تھا اس میں یہ جملہ لکھا تھا کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ نے قریشِ مکہ سے کیا ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس صلح نامہ کے الفاظ میں اپنے نامِ مبارک کے ساتھ لفظِ "رسول اللہ" لکھوایا تھا۔ تو قریش کی طرف سے جو سہیل بن عمرو آئے تھے انہوں نے کہا کہ لفظِ رسول اللہ کاٹ دو، اس کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھو۔ اس لیے کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو پھر کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ لکھنے کا کام حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کررہے تھے، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے کہا کہ اے علی! لفظِ رسول اللہ مٹادو۔ حضرت علی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

(رضی اللہ عنہ) نے کہا: ”واللہِ لاَ أمْحُوكَ أبداً“ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی نہیں مٹا سکتا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ تحریر اپنے ہاتھ میں لی اور پوچھا کہ مجھے بتاؤ کہ یہ لفظ کہاں لکھا ہے؟ اور پھر اپنے ہاتھ سے وہ لفظ مٹا کر اس کی جگہ پر محمد بن عبد اللہ لکھوایا۔ (سیرۃ المصطفیٰ، ۲/۳۵۴ تا ۳۶۲ اختصاراً)

اس موقع پر ان لوگوں نے جو لفظ رسول اللہ مٹوایا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح صلحِ حدیبیہ سے واپسی پر راستہ ہی میں نازل فرمائی اس میں خاص طور پر ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ﴾ (الفتح، آیت ۲۹) فرمایا گویا اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کے ساتھ ”رسول اللہ“ لکھ دیا تاکہ قیامت تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام کے ساتھ یہ پڑھا جاتا رہے۔ مشرکین بھلے ہی لفظِ رسول اللہ کو مٹواتے رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں تو آپ رسول ہی ہیں۔

ویسے قرآنِ پاک میں عام طور پر جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ آتا ہے وہاں آپ کو لقب اور صفت کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے جیسے ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ۔ يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ۔ يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام صرف چار جگہوں پر خاص مصلحتوں کے پیش نظر لیا گیا ہے۔ ایک تو سورۂ آل عمران میں آیا ہے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ﴾ (آل عمران، آیت ۱۴۴) دوسری جگہ سورۂ احزاب میں ہے ﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ﴾ (الاحزاب، آیت ۴۰) تیسرا سورۂ محمد میں ہے ﴿وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ﴾ (محمد، آیت ۲) اور چوتھا سورۂ فتح میں ہے ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ﴾ (الفتح۔ آیت ۲۹) اور ہر جگہ کوئی نہ کوئی مصلحت تھی، یہاں یہی مصلحت تھی جو میں نے بیان کی، اس لیے آپ کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ بھی لایا گیا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرات صحابہ کی خوبیاں

اورحضراتِ صحابہ جنہوں نے اس آزمائش کے موقع کے پربھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت وفرمانبرداری کواپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا،حالانکہ پورا صلح نامہ ان کے جذبات کے خلاف تھا،پھر بھی انہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوری اطاعت و فرمانبرداری کی،اور چوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعداورکوئی نبی آنے والے نہیں ہیں،اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پیچھے جہاں قرآنِ پاک کوچھوڑکرجارہے ہیں،وہیں حضراتِ صحابہ کی تربیت کی ہوئی پوری ایک جماعت کوامت کے لیے نمونہ بناکرچھوڑکرجارہے تھے،اس لیے اس موقع پرباری تعالیٰ نے ان کی خوبیاں بھی بیان فرمائیں کہ محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)اللہ کے رسول ہیں اورآپ کے ساتھ جوایمان والے ہیں (ان کی سب سے پہلی خوبی جو بیان کی ہے وہ دراصل اس باب سے تعلق رکھتی ہے۔کہ ان کے ساتھ جورفقاء ہیں)وہ کافروں کے اوپر سخت ہیں اورآپس میں بڑے مہربان اورمحبت رکھنے والے ہیں۔

اورکفارپرسختی کامطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ سختی کرتے تھے،بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ سختی کرنے کاحکم دیاہے،وہاں ان کی رشتہ داری اوردوستی درمیان میں حائل نہیں ہوتی،اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بڑی سے بڑی سختی کرنے کے لیے تیارہیں، بلکہ ان کی گردن کاٹنے کے لیے بھی تیارہیں لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کاحکم دیا،وہاں اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس باب میں علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) اسی چیز کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان کو بھی چاہیے کہ اللہ کی نسبت پر آپس میں محبت اور مہربانی کا معاملہ کریں جیسا حضراتِ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا امتیازی وصف تھا۔ حضرات صحابہ کے آپس میں اللہ کی نسبت پر محبت کے جو تعلقات تھے، اس کو بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں حضرات صحابہ کی خوبیاں بیان کیں وہاں سب سے پہلی خوبی یہ بیان کی۔

انصار کی مہاجرین سے للہ محبت

دوسری آیت پیش کی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ (الحشر۔ آیت ۹) یہ سورۂ حشر کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے۔ "مالِ فئ" یعنی وہ مال جو دشمنوں کے پاس سے بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے اس کے حق دار کون لوگ ہیں، ان کو اس سورت میں بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں ہے ﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ﴾ (الحشر، آیت ۸) وہ مہاجرین فقراء جو اپنے شہروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اور دوسرے حق دار کا اس آیت ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ﴾ میں تذکرہ ہے، جس میں انصار کا ذکر ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانہ بنایا مدینہ منورہ کو جو دارالاسلام ہے۔ یہاں دار سے مراد دارالہجرت یا دارالاسلام ہے۔ اس لیے کہ اسلام کا سب سے پہلا مرکز مدینہ منورہ ہی ہے، اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بغیر جنگ کے اسلام کا مرکز بنایا اور پھر وہیں سے دوسرے تمام علاقے فتح ہوئے۔ تو جنہوں نے ٹھکانہ بنایا مدینہ منورہ کو جو دارالاسلام ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

﴿وَالْإِيمَانَ﴾اور جنہوں نے ایمان کو بھی ٹھکانہ بنایا، گویا ایمان لائے ﴿مِن قَبْلِهِمْ﴾ مہاجرین کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے سے پہلے۔گویاانصارمدینہ منورہ میں پہلے ہی سے آباد ہیں اوران کے آباء واجدادیہاں آکر اسی لیے آبادہوئے تھے کہ انہوں نے اگلی کتابوں میں یہ پڑھاتھاکہ نبی آخرالزمان ہجرت کرکے اسی جگہ آنے والے ہیں، اسی لیے وہ یہاں آکربسے تھے کہ ان کویاان کی اولادکواللہ تعالیٰ ایمان لانے کی سعادت دے۔توان کی ایک خوبی تویہ تھی کہ انہوں نے مدینہ منورہ کواپناٹھکانہ بنایا، اسلام کو اپنے دل کے اندرجمایا۔

اورتیسری خوبی یہ بتلائی ہے﴿يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾جولوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کےان کے پاس پہنچے،ان کے ساتھ وہ محبت کرتے ہیں۔ورنہ دنیاکا دستورتویہ ہے کہ کوئی آدمی کسی جگہ سے آکرکسی اورآبادی میں رہتاہے تواس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جاتا جو اپنے آدمیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔اجنبی کواجنبی ہی کہاجاتاہے، اوروہ پرایاہی سمجھا جاتا ہے، چاہے اس کی دوتین نسلیں گذرجائیں۔لیکن حضراتِ انصار نے حضراتِ مہاجرین کے ساتھ محبت کاوہ سلوک کیاکہ ان کواپنے گھروں میں جگہ دی، ان کا سارا خرچہ برداشت کیا،مال میں ان کواپنے ساتھ شریک کیا۔نبی کریم (ﷺ) کے پاس جاکر انہوں نے درخواستیں پیش کیں۔ ایک ایک مہاجری کواپنے پاس رکھنے کے لیے انصارآپس میں جھگڑتے تھے۔ہرایک یہ چاہتاتھاکہ اس کومیرے یہاں ٹھہرایا جائے۔اوراس کے لیےنبی کریم (ﷺ) نے باقاعدہ قرعہ اندازی فرمائی،اوراس میں جس کا نام نکلا اس کے یہاں اس کو ٹھہرایاگیا۔گویاان کایہ ایسا وصف ہے کہ اس زمانہ سے لے کرآج تک کوئی بھی اس کانمونہ پیش نہیں کرسکا﴿يُحِبُّونَ مَنْ

هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ان کی یہ محبت جو حضرات مہاجرین کے ساتھ تھی وہ اللہ کی نسبت پر تھی،اس لیے اس آیت کو یہاں پر لائے ہیں۔

ایمانی حلاوت کے تین اعمال

حدیث ۳۷۵

عَنْ أَنَس (رضی اللہ عنہ) عَنِ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالَ:ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَن يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا،وَأَن يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ،وَأَنْ يَّكْرَهَ أَن يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ۔(متفق علیه)

ترجمہ: حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کے اندر تین باتیں ہوں گی،وہ ایمان کی حلاوت کو محسوس کرے گا۔اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول اس کے نزدیک ان دونوں کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوجائیں ۔ اورآدمی کسی دوسرے شخص سے محض اللہ کے لیے محبت کرے۔اوراللہ تعالیٰ نے جب اس کو کفر سے نجات دی تو پھراس میں لوٹنے کوایسا ہی ناپسند کرے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

افادات: ”ایمان کی حلاوت“ سے کیا مراد ہے؟تو عام طور پراس حدیث کی شرح کرنے والے علماء فرماتے ہیں کہ اس سے حلاوتِ معنوی مراد ہے۔اس لیے کہ ایمان کھانے پینے کی محسوس چیز نہیں ہے جس کی مٹھاس اور شیرینی کو کوئی آدمی حسی طور پر محسوس کرے۔بلکہ یہ ایک معنوی وصف ہے۔گویا جس کے دل کے اندر ایمان سرایت کرجائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اطاعت کی بجاآوری میں لذت محسوس کرے گا۔ استلذاذ بالطاعات یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادتیں کرکے اس کو مزہ آئے گا۔اور دین پر عمل کرنا بڑا مشقت کا کام ہے لیکن جس آدمی کے دل میں ایمان گھر کرجاتا ہے اور یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں اس کے لیے ایمان کے نتیجہ میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان پر عمل کرنا مشکل اور دشوار نہیں رہتا، بلکہ اس میں اس کو مزہ آتا ہے۔

بھائی! سردی کے موسم میں آخری رات میں جلدی اُٹھ کر نماز پڑھنا، گرمی کے زمانہ میں سخت گرمی میں روزے رکھنا، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن جن کے دل میں ایمان گھر کیا ہوا ہوتا ہے ان کو اس میں مزہ آتا ہے، ان تکلیفوں کو برداشت کرنے میں وہ لوگ لطف محسوس کرتے ہیں؛ اسی کو ایمان کی حلاوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا ایک قسم کی مٹھاس محسوس کررہے ہیں۔

اور ابن ابی الجمرہ جنہوں نے بخاری شریف کی منتخب احادیث کی تشریح کی ہے اور ان کی وہ کتاب "بَهْجَةُ النُّفُوْس" کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مٹھاس سے حسی مٹھاس مراد ہے یعنی جیسے ہم کوئی میٹھی چیز کھاتے اور اس کی شیرینی محسوس کرتے ہیں اسی طرح جن کے دل میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ان کو حسی طور پر بھی ایمان کی مٹھاس کا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جو بیان نہیں کی جاسکتی۔ جو آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے وہی اس کو محسوس کرسکتا ہے، اس لیے جو وہاں تک نہیں پہنچا ہے اس کو چاہیے کہ جو محسوس کررہے ہیں ان کی باتوں کو مان لے اور ان کی تصدیق کرے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لذتِ ایں بادہ نہ یابی بخدا تا نہ چشی

یہ جام ایسا ہے کہ اس کا لطف اور اس کی لذت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کو چکھتا ہے اس لیے جن کو محسوس ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں تو اس کو مان لینا چاہیے۔

بہر حال! نبی کریم (ﷺ) فرماتے ہیں جن میں تین باتیں ہوں وہ اپنے اندر ایمان کی مٹھاس محسوس کرے گا۔ پہلی بات ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اس کے نزدیک ان دونوں کے ماسوا سب سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔ اصل الاصول تو اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اور مخلوق میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب اور اس کی صفات اور شئون کا مظہر نبی کریم (ﷺ) کی ذاتِ بابرکات ہے، اس لیے اللہ کی محبت کے نتیجہ میں حضور (ﷺ) کے ساتھ بھی اسی طرح کی محبت ہوگی۔ پھر جو جتنا اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا، اللہ کے صالحین اور مقرب بندوں کی محبت بھی دلوں میں اسی مقدار میں ہوگی۔ ورنہ اصل محبت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

اور آدمی کسی دوسرے شخص سے محض اللہ کے لیے محبت کرے۔ اس روایت کو یہاں تو اسی مناسبت سے لائے ہیں کہ اللہ کے واسطے کسی سے محبت کرنا وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ ایمان کی حلاوت نصیب کرتے ہیں۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا "مَنْ أَعْطَى لِلهِ وَمَنَعَ لِلهِ وَأَحَبَّ لِلهِ وَأَبْغَضَ لِلهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ إِيْمَانَهُ" جس نے کچھ دیا تو اللہ کے واسطے دیا، اور نہیں دیا تو اللہ کے واسطے۔ کسی سے محبت کی تو اللہ کی وجہ سے کی، اور کسی سے عداوت اور دشمنی رکھی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو اللہ کے واسطے رکھی؛ تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو کامل الایمان ہوتا ہے اس کے سارے تعلقات اور ہر کام اپنے نفس کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ وہ ماں باپ کے، بیوی بچوں کے، اعزاء واقرباء اور دوسرے لوگوں کے حقوق ادا کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ ماں باپ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، گویا اپنے نفس کے تقاضہ کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ساری دنیا سے تعلقات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے جب محبت ہوگی تو وہ آدمی ایمان کی مٹھاس کو محسوس کرے گا۔

اور اللہ تعالیٰ نے جب اس کو کفر سے نجات دی تو پھر کفر میں دوباہ لوٹنے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیساکہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ چوں کہ اس زمانہ میں لوگ کفر سے ہی اسلام میں داخل ہوتے تھے، تو گویا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر سے نجات دے کر اسلام لانے کی سعادت عطا فرمائی، تو دوبارہ کفر میں لوٹنے کو وہ اتنا ہی برا سمجھتا ہے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ یعنی دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے کو کبھی تیار نہیں ہوتا۔

جس میں یہ تین باتیں ہوں گی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی ایمان کی حلاوت کو محسوس کرے گا۔ اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طاعات کی بجاآوری اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا بہت آسان ہوگا بلکہ اس میں اس کو لطف اور مزہ آئے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فَضْلُ الْحُبِّ فِی اللہِ وَالْحَثِّ عَلَیْہِ ﴿مجلس ۲﴾

اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت اوراس کی تاکید

﴿مجلس ۲﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب کاعنوان تھا کہ اللہ کے واسطے آپس میں جو تعلق اور محبت قائم کی جاتی ہے اس کی کیا فضیلت ہے ؟اسی سلسلہ میں یہ روایت لائے ہیں۔

عرش کے سائے میں سات آدمی

حدیث ۳۷۶

عَنْ أَبِي هريرةَ (رضی اللہ عنہ) عنِ النَّبِيِّ اقَالَ:سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهُ،اِمَامٌ عَادِلٌ۔وَشَابٌّ نَشَأَفِي عِبَادَةِاللهِ۔وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ۔وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ،اِجْتَمَعَاعَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ۔ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌذَاتُ حُسْنٍ وَجَمَالٍ،فَقَالَ اِنِّي أَخَافُ اللهَ۔وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا،حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَاتُنْفِقُ يَمِيْنُهُ۔وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔(متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نقل فرماتے ہیں کہ حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: سات آدمی وہ ہیں جن کواللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سائے میں اس دن جگہ دیں گے جب اللہ کے سائے کے علاوہ اورکوئی سایہ نہیں ہوگا۔ایک وہ حکمران جو عدل وانصاف سے کام لے۔دوسرا وہ نوجوان جس کی نشوونما ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی ہو۔تیسراوہ آدمی جس کادل مسجد کے اندراٹکاہواہو۔اورایسے دو آدمی جنہوں نے آپس میں اللہ کے واسطے محبت کی،اسی کی خاطر آپس میں ملے اوراسی کی خاطرجدا ہوئے۔اوروہ آدمی جس کو کسی حسن وجمال والی عورت نے برائی وبدکاری کی دعوت دی تواس نے کہاکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتاہوں۔اوروہ آدمی جس نے کوئی صدقہ کسی غریب کودیااورایسا چھپاکردیاکہ اس کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔اوروہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اوراس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آنسو آگئے۔

سایہ سے کیامراد ہے؟

افادات: قیامت کادن بڑاسخت اورتکلیف دہ دن ہے۔ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سورج دویاوتین میل کی دوری پرہوگااورگرمی کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے،کوئی ٹخنوں تک،کوئی گھٹنوں تک،کوئی کمرتک،کوئی گلے تک،کوئی کان تک اورکوئی اپنے پسینہ میں تیررہاہوگا۔اس دن کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کواللہ تعالیٰ ایک خاص ٹھنڈک میں گویااپنی چھاؤں میں جگہ دیں گے۔ اب یہاں اللہ کے سائے سے کیامراد ہے؟ایک قول یہ ہے کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی توجہ اورعنایت کاایسامعاملہ کیاجائے گاجس کی وجہ سے اس دن کی تپش اورحرارت سے وہ محفوظ رہیں گے،گویاایرکنڈیشن میں ہوں گے۔ بعض لوگوں نےدوسری روایتوں کے پیش نظراللہ کے عرش کاسایہ مرادلیاہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی۔

امام عادل عام ہے

ایک وہ حکمران جوعدل وانصاف سے کام لے۔پہلے بھی بتلاچکاہوں کی امام کااطلاق حکمرانِ اعلیٰ کے لیے بھی ہوتاہے،امامت کبریٰ بول کریہی مراد لیا جاتاہے۔نبی کریم (ﷺ)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اورحضراتِ خلفاءِ راشدین (رضی اللہ عنہم) اوران کے بعد بھی ایک طویل زمانہ تک یہ سلسلہ رہاکہ جوحکمرانِ اعلیٰ ہوتاتھاوہی نمازکی بھی امامت کرتاتھا،لیکن بعدمیں دھیرے دھیرے یہ دونوں چیزیں الگ ہوگئیں۔

خیر!حکمرانِ اعلیٰ جوسب کاحاکم ہواس کوامام سے تعبیرکیاجاتاہے۔ایسا حکمران جو اپنے ماتحت رعیت کے معاملہ میں عدل وانصاف سے کام لے،تووہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سائے میں جگہ پائے گا۔اورحکمران چوں کہ صاحب ِ اختیار ہوتا ہے، سیاہ و سفیدکامالک ہوتاہے،وہ جوکچھ کرناچاہے اس کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، ایسا حکمران جب انصاف سے کام لیتاہے تویہ اس بات کی علامت ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کا ڈراس کے دل میں موجود ہے،اسی ڈراوراللہ کے ساتھ کے تعلق کی وجہ سے وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ عدل وانصاف کامعاملہ کرتاہے،اوریہ اللہ تعالیٰ کوبہت پسند ہے،اوراسی کی وجہ سے روزِقیامت جبکہ گرمی اپنی شدت پرہوگی اس کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطافرمائیں گے۔

اورجہاں امام کااطلاق حکمرانِ اعلیٰ کے لیے کیا گیا ہے،وہیں اس حدیث کی شرح کرتےہوئے حضرات ِشراح نے لکھاہے کہ ہرآدمی کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ اختیارات دےرکھے ہیں۔ایک آدمی اپنے پورے خاندان کاذمہ دارہے،تواس کے خاندان کے سارے افراد اس کی ماتحتی میں ہیں۔اسی طرح ایک آدمی اپنے گھرکا ذمہ دارہے تواس کےگھرمیں جتنے افرادرہتے ہیں وہ اس کی ماتحتی میں ہیں۔اورشوہر ہے تواس کی بیوی اوراس کی اولاداس کی ماتحتی میں ہیں۔اوربیوی ہے توشوہرکی بہت ساری چیزیں اسی کے دائرۂ اختیاراور حفاظت

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

میں ہوا کرتی ہیں۔ بلکہ اگر کوئی آدمی ایسا ہے کہ اس کا کوئی نہیں ہے تو اس کو اپنے اعضاء اور اپنی ذات پر اختیار حاصل ہے، تو اپنے اعضاء کو استعمال کرنے کے معاملہ میں وہ عدل وانصاف سے کام لے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکامات دئے ہیں اور شریعت کی طرف سے جو ہدایتیں دی گئی ہیں ان کے مطابق وہ اپنے اعضاء وجوارح کو استعمال کرے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں استعمال نہ کرے، تو یہ بھی امام عادل کے عموم میں داخل وشامل سمجھا جائے گا۔ ورنہ جیسا کہ میں نے پہلے بتلایا کہ اصل میں تو امام کا اطلاق حکمرانِ اعلیٰ کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اور ایسے حکمران ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے زمانۂ حکمرانی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پوری پوری رعایت کی۔

نکیل خود پکڑ کرلائے

سیدنا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے حالات میں بخاری شریف میں ایک واقعہ موجود ہے کہ حضرت اسلم (رضی اللہ عنہ) جو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ہی کے آزاد کردہ غلام ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امیر المؤمنین کے ساتھ جارہا تھا، راستہ میں ایک عورت ملی اور اس نے کہا کہ میں خُفَاف بن اِیْمَاء غفاری کی بیٹی ہوں، میرے ابا غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے اور آج میرے بچے بھوک کی وجہ سے پریشان ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) وہیں ٹھہر گئے اور کہا کہ بہت ہی قریبی نسبت کا تم نے حوالہ دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) بیت المال کے مخزن پر تشریف لے گئے اور ایک مضبوط قسم کا اونٹ نکال کر اس پر دو بوریوں میں غلہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بھر کر لادا، اور بیچ میں کپڑے اور نقدی رکھ کر اس اونٹ کی نکیل خود پکڑ کر لائے اور اس عورت کے حوالہ کر دیا، اور کہا کہ یہ ختم نہ ہونے پائے گا کہ اس سے پہلے دوسرا آجایا کرے گا۔ کسی آدمی نے یہ سارا معاملہ دیکھ کر کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ نے اس کو بہت زیادہ دے دیا، اس کے جواب میں حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس کے باپ اور بھائیوں نے ایک قلعہ کی فتح میں حصہ لیا اور اس سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا، آج بہت سارے لوگ اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ گویا اس سب کے مقابلہ میں اس کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ تو بہت کم ہے۔ بہر حال! اس طرح کے واقعات حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کی سوانح میں موجود ہیں۔ (بخاری شریف۔ باب غزوۃ حدیبیہ۔۳۹۲۸)

خود کھانا پکایا

ایک مرتبہ رات کو تفتیش کے لیے نکلے، دیکھا کہ ایک عورت ہنڈیا کو چولہے کے اوپر رکھے ہوئے ہے، اور وہیں اس کے بچے رو رہے ہیں ۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ پکانے کے واسطے کچھ ہے نہیں، صرف بچوں کو بہلانے کے واسطے چولہے پر ہنڈیا میں پانی رکھا ہے تاکہ بچے بہل کر سو جائیں۔ حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) یہ سن کر رو پڑے، فوراً واپس گئے اور کھانے کا سامان لائے اور خود چولہا جلا کر کھانا پکایا۔ حضرت اسلم کہتے ہیں کہ چولہے کی لکڑیاں جلانے کے واسطے پھونک مارتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی پوری ڈاڑھی بھی دھویں سے بھر گئی۔ جب

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کھانا پک گیا تو اپنے سامنے ان بچوں کو کھلایا اور فرمایا کہ جس طرح میں نے ان کو روتا ہوا دیکھا تھا، اب ہنستا ہوا دیکھ کر جانا چاہتا ہوں۔

کتنے بچے ضائع کردیے

ایک اور موقعہ پر حضرت عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حالات کی تفتیش کے لیے نکلے ہوئے تھے، دیکھا کہ ایک بچہ رورہا ہے، اس کی ماں سے کہا: یہ کیوں رورہا ہے؟ اس کو راضی کرو اور اس کا رونا بند کراؤ۔ یہ کہہ کر آگے تشریف لے گئے، پھر جب دوبارہ وہاں سے گذرے تو دیکھا کہ وہی بچہ رو رہا ہے تو اس عورت کو تنبیہ کی۔ وہ عورت نہیں جانتی تھی کہ یہ امیر المؤمنین ہیں۔ تیسری مرتبہ پھر تنبیہ کی تو اس عورت نے کہا کہ دراصل میں تو اس کا دودھ چھڑانے کی کوشش کررہی ہوں، اس لیے رورہا ہے۔ اس بچہ کو دیکھ کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ اس بچہ کی عمر اتنی تو نہیں معلوم ہوتی کہ اس کا دودھ چھڑایا جائے، ابھی سے اس کا دودھ کیوں چھڑوا رہی ہو؟ تو اس نے کہا کہ امیر المؤمنین بچوں کا وظیفہ اسی وقت مقرر کرتے ہیں جب ان کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس لیے میں اس کا دودھ چھڑانے کی کوشش کررہی ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) رو پڑے اور آپ کی ہچکیاں بندھ گئی، اور اتنا روئے کہ اس روز صبح کی پوری نماز میں بھی روتے رہے، اور نماز کے بعد کہا ”كَمْ ضَيَّعْنَا أَطْفَالَ الْمُسْلِمِيْنَ“ ہم نے مسلمانوں کے کتنے بچوں کو ضائع کردیا، اس کے بعد اعلان فرمادیا کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کا وظیفہ جاری کردیا جائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آج کل بچوں کے وظیفے جویوروپین ممالک میں جاری کئے جاتے ہیں، یہ بھی دراصل حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے اپنے زمانہ میں عوام کی فلاح وبہبودی کے لیے جوجاری کئے تھے اسی کی نقل ہے۔

بہرحال!بات امام عادل کی چل رہی تھی۔توآدمی کے ماتحت جوبھی ہوں وہ ان کا حکمران ہے۔مثلاً کوئی آدمی کسی فیکٹری کامالک ہے،اوراس کے ماتحت بہت سارے مزدورکام کرتے ہیں ،توان کے تمام معاملات میں بھی اس کوعدل وانصاف سے کام لیناچاہیے۔ایسی تمام صورتیں جوان کے استحصال کی ہوں،بلامعاوضہ ان سے فائدہ اُٹھاکر ان کے حقوق کو ضائع ہوتے ہوں؛اس کی شریعت کسی حال میں بھی اجازت نہیں دیتی۔

بہرحال!ہروہ آدمی جس کواللہ تعالیٰ نےکچھ نہ کچھ اختیاردیاہواس کے لیےضروری ہے کہ اپنے دائرۂ اختیارمیں جولوگ بھی آتے ہیں،ان کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لے۔

خواہشات کورام کرکے

دوسراوہ نوجوان جس کی نشوونماہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اندرہوئی ہو۔نوجوانی میں جوجذبات ہوتے ہیں وہ اس بات کے متقاضی ہوتے ہیں کہ آدمی اپنی شہوتیں پوری کرے اوررنگ ریلیاں منائے،لیکن ایسی جوانی کے زمانہ میں بھی اگرکسی نے اللہ تعالیٰ کے احکامات مدِنظررکھتے ہوئے اپنے جذبات کودباکراپنی خواہشات کو رام کرکے،اپنے نفس کوقابومیں رکھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری واطاعت کا اہتمام کیا، گویا کہ اس کی نشوونما ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی؛ تو ایسا نوجوان بھی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سائے میں جگہ پائے گا۔

جس کا دل مسجد میں اٹکا ہو

اور تیسرا وہ آدمی جس کا دل مسجد کے اندر اٹکا ہوا ہے۔ دوسری روایتوں میں ہے کہ وہ آدمی جب مسجد سے باہر نکلتا ہے تو دوبارہ جب تک مسجد میں واپس نہیں آجاتا، وہاں تک اس کا دل مسجد ہی میں لگا رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ اس کا ایسا تعلق ہے کہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد جب وہ گھر یا دوکان پر واپس لوٹتا ہے تو دوسری نماز کا وقت آنے تک اس کا دل اسی طرف اٹکا ہوا رہتا ہے۔ جیسے ظہر کی نماز پڑھ کر اگر اپنے کسی کام یا ضرورت کے لیے گھر پر گیا، یا تجارت میں لگا ہے، تب بھی دل تو مسجد کے اندر ہی اٹکا ہوا ہے کہ کب عصر کا وقت ہو، اذان سنوں اور دوبارہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاؤں۔ گویا ہر وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کی ادائیگی کا خیال اور اہتمام ہے، اور اس کی وجہ سے دل اسی فکر میں مشغول ہے؛ ایسا آدمی بھی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سائے میں جگہ پائے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فرشتوں کی آمین کا کیا؟

نماز کی جماعت کے لیے جو قدم اُٹھائے جاتے ہیں اس کے بارے میں حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آدمی تنہا نماز پڑھے اس کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر پچیس (۲۵) گنا ثواب زیادہ ملتا ہے جیساکہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں ہے، اوراس میں یہ بھی ارشاد فرمایاہے کہ جو قدم بھی مسجد کی طرف اُٹھاتاہے اس پر ایک درجہ بلند ہوتاہے اورایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

اور بعض روایتوں میں ستائیس (۲۷) گنا ثواب کا تذکرہ آیاہے۔ اسی وجہ سے ہمارے بزرگوں کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا کہ جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی ہو، مسجد کے ساتھ ان کا ایسا تعلق ہوتا تھا کہ وہ کسی لمحہ بھی جماعت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

حضرت امام محمد بن سلمہ (رحمۃ اللہ علیہ) جو امام ابویوسف (رحمۃ اللہ علیہ) اورامام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کے حالات میں لکھاہے کہ روزانہ دوسو رکعات نفل نماز پڑھا کرتے تھے، اور جماعت کی نماز کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ ایساہوا کہ کسی وجہ سے جماعت چھوٹ گئی تو چوں کہ حدیثِ پاک میں جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس (۲۷) گنا بتلایا گیا ہے۔ اور وہ توفقیہ تھے اور جانتے تھے کہ ایک مرتبہ پڑھ لینے سے فریضہ اداہوجاتاہے، اس کے باوجود اس حدیث کی وجہ سے انہوں نے اس نماز کو تنہا ستائیس (۲۷) مرتبہ ادا کیا، تاکہ جماعت کی نماز کی ستائیس گنا والی فضیلت حاصل کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اپنے خاص بندوں کے ساتھ انہیں کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مناسب ہوا کرتا ہے۔رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے ”یَاابْنَ سَلِمَۃَ! کَیْفَ بِتَأْمِیْنِ الْمَلَائِکَۃِ؟“اے ابن سلمہ! فرشتوں کی آمین کا کیا کروگے؟حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اوراس میں امام کے﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ پڑھنے کے بعد آمین کہتا ہے تواس وقت فرشتے آمین کہتے ہیں ” فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِیْنُہٗ تَأْمِیْنَ الْمَلَائِکَۃِ غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ“جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجاتی ہے یعنی وہ بھی اسی وقت آمین کہے جس وقت فرشتے آمین کہہ رہے ہوں تواس کے اگلے سارے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔اس طرح گویاان کو تنبیہ کردی گئی کہ آپ نے اس نماز کو ستائیس مرتبہ اداتو کرلیالیکن جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں امام کے ساتھ آمین کہنے پر جو فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ کہاں سے حاصل ہوسکتی ہے۔بہرحال!آدمی کا دل مسجد کی طرف لگا رہنا چاہیے کہ کب نماز کا وقت ہو اور میں پہنچوں۔

سنن ونوافل کا مقصد

آج کل تو مصیبت یہ ہوگئی کہ مسجد میں آنے بعد بھی لوگ باہر ہی کھڑے رہتے ہیں، وضو کرکے جماعت خانہ سے باہر ہی کھڑے کھڑے باتیں کرتے رہتے ہیں اور گھڑی دیکھتے رہتے ہیں کہ ابھی توپانچ سات منٹ باقی ہیں،سنتیں پڑھنے کی یا تلاوت و تسبیح میں مشغول ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔حالانکہ نماز سے پہلے سنتیں اسی لیے رکھی گئی ہیں کہ آدمی ان کو پڑھ کر اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرکے فرض ادا کرنے کے قابل بنائے۔گویا فرض کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ادائیگی اس شان کے ساتھ ہونی چاہیے کہ اس کا دل پورے طور پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوچکا ہو،اور رجوع وانابت کی ایسی کیفیت حاصل ہوچکی ہو کہ دوسرے سارے خیالات اس کے دل سے نکل چکے ہوں۔اسی کیفیت کو بنانے کے لیے اس سے پہلے سنتیں رکھی گئی ہیں، لیکن اب اس کا بھی اہتمام ختم ہوتا جارہا ہے، اوروقت ہونے کے باوجود لوگ اس کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کرتے۔یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے۔

اللہ کے لیے باہم محبت

اورایسے دوآدمی جنہوں نے آپس میں اللہ کے واسطے محبت کی،اسی کی خاطر آپس میں ملے اوراسی کی خاطر جدا ہوئے۔بعض تعلقات تووہ ہوتے ہیں جو ہم آپس میں اپنی اغراض، تجارت وکاروباراوردنیوی کام کاج کے لیے قائم کرتے ہیں،ان تعلقات کے پیشِ نظر بھی آپس میں ملاقاتیں ہوتی ہیں،اس کے لیے بھی لوگ آپس میں ملتے اور جدا ہوتےہیں۔لیکن ایک تعلق وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نسبت پر،دین سیکھنے اور سکھانے اوردین کی باتوں کو عام کرنے کے واسطے قائم کیاجاتاہے۔اس نسبت سے آپس کے جو تعلقات ہوتے ہیں کہ اسی نسبت پر آپس میں ملے اورکام پوراہونے پراسی نسبت پر جدا بھی ہوئے۔یہی وہ تعلق ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدروقیمت رکھتا ہے۔اوراس روایت کوعلامہ نووی(رحمۃ اللہ علیہ) یہاں اسی بات کوبتلانے کے واسطے لائے ہیں کہ دیکھئے!یہ محبت وہ تھی جو اللہ کے واسطے تھی،اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کوقیامت کے روزاپنے عرش کے سائے میں جگہ دی۔اس سے معلوم ہواکہ آپس میں دین کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نسبت پر تعلقات قائم کرکے ان کو ترقی دینے اور بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور اکثر تعلقات اگر اسی نسبت پر قائم کرلیے جائیں توان شاء اللہ یہ فضیلت آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس کی بڑی قدروقیمت ہے

اوروہ آدمی جس کو حسن وجمال والی کسی عورت نے برائی وبدکاری کی دعوت دی تو اس نے کہاکہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتاہوں۔جوانی میں ویسے بھی آدمی پر شہوات کاغلبہ ہوتا ہے، نفس وشیطان کی طرف سے تقاضے ہوتے ہیں،اب ایسی حالت میں اگرکوئی عورت اس قسم کی پیشکش کرے توعام طورپرآدمی اس میں ملوث ہوجاتاہے۔حضوراکرم (ﷺ) فرماتے ہیں کہ جس کوایسی حسن وجمال والی عورت (اوردوسری روایت میں ’’ذات منصب‘‘کے الفاظ آئے ہیں)جوشریف گھرانے کی بھی ہو۔یعنی آبروباختہ اور پیشہ ور عورتیں تواپنی طرف دعوتیں دیتی ہی رہتی ہیں اورشریف آدمی اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا،لیکن جوعورت شریف گھرانے کی ہے اور حسین وجمیل بھی ہے،اگرایسی عورت دعوت دے،اس کےباوجود کوئی آدمی یہ کہہ کر اپنے آپ کواس سے الگ رکھے تواس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدروقیمت ہے۔یہ ایساعمل ہے جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ بہت راضی اورخوش ہوتے ہیں اوراس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نوازشات ہوتی ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

امتِ محمدیہ کے یوسف

امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے احیاء العلوم میں حضرت سلیمان بن یسار (رحمۃ اللہ علیہ) کا واقعہ لکھا ہے۔ یہ تابعین میں سے ہیں، بڑے حسین و جمیل تھے، فقہاءِ سبعہ مدینہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے جارہے تھے، مقامِ ابوا میں انہوں قیام کیا اور خیمہ لگایا، ان کا ساتھی بازار میں کچھ لینے کے واسطے گیا۔ جہاں انہوں نے خیمہ لگایا تھا وہاں ایک چھوٹی سے پہاڑی تھی اور اس پر تنبو میں ایک بدو اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا، وہ عورت بھی بڑی حسین و جمیل تھی۔ جب اس عورت نے ان کو دیکھا تو ان پر فریفتہ و عاشق ہوگئی، اور وہ اس انتظار میں رہی کہ تنہائی کا موقعہ ملے تو میں ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ جب اس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے تو وہ فوراً پہاڑی سے اتر کر ان کے خیمہ میں پہنچ گئی اور اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹا دیا۔ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ وہ اتنی حسین و جمیل تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ حضرت سلیمان بن یسار (رحمۃ اللہ علیہ) تو اس کو دیکھ کر گھبرا گئے، وہ سمجھے کہ کوئی چیز مانگنے کے واسطے آئی ہے، اس لیے دینے کے واسطے کھانے کی کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔ اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ میں تو آپ سے وہ چیز چاہتی ہوں جو ایک عورت مرد سے چاہا کرتی ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر اتنی زور زور سے رونا شروع کیا کہ وہ عورت بھی گھبرا گئی، اور یہ سوچ کر کہ کہیں رسوائی نہ ہوجائے جلدی سے وہاں سے چلی گئی یہ روتے رہے جس کی وجہ سے آنکھیں اور چہرہ سرخ ہوگیا۔ ان

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کا ساتھی جب واپس آیا توان کی یہ کیفیت دیکھ کرپوچھنے لگا کہ کیابات ہے؟انہوں نے معاملہ کو چھپانے کے لیے کہا کہ گھر والے یاد آگئے ہیں۔اس نے کہا:نہیں !گھروالوں کی یاد میں آدمی ایسا نہیں روتا،سچ سچ بتاؤکہ حقیقت کیاہے؟انہوں نے ساری تفصیل بتائی تووہ بھی رونے لگا۔ انہوں نے کہا:توکیوں روتاہے؟اس نے کہاکہ اللہ کاشکراداکررہاہوں کہ میں یہاں نہیں تھا،ورنہ میں توپھنس ہی جاتا،اوراپنے آپ کواس طرح بچانہ پاتاجیساتم نے اپنے آپ کوبچایا۔

خیر!آگے چلے اور مکہ مکرمہ پہنچے۔طواف سے فارغ ہونے کے بعداپنی چادر میں لپٹ کر مقامِ ابراہیم اور حجراسود کے بیچ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ غنودگی طاری ہوئی، خواب کی حالت میں ایک حسین اورخوبصورت نوجوان کودیکھا۔انہوں نے اس سے پوچھا:آپ کون ہیں ؟ انہوں نے کہا:میں یوسف ہوں۔پوچھا:یوسف صدیق ہو؟ کہا: ہاں۔انہوں نے کہاکہ آپ کا زلیخاکے ساتھ کا قصہ بڑاعجیب ہے۔توحضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:وہ ابواوالی عورت کے ساتھ تمہاراقصہ اس سے زیادہ عجیب ہے۔

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا عمل کیساقبول ہوا۔اس لیے واقعہ یہ ہے کہ گناہ کے مواقع میں اپنے آپ کو بچالینااوراپنی حفاظت کرلینا؛یہ وہ عمل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے۔حضراتِ انبیاء کا عمل ہےاور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نوازش ہوتی ہے۔ایسا آدمی بھی کل قیامت میں اللہ کے عرش کے سائے میں جگہ پائے گا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تب تک صدقہ قابل قبول نہیں

اوروہ آدمی جس نے صدقہ کسی غریب کودیااورایسا چھپاکر دیاکہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلاکہ دائیں ہاتھ نے کیادیاہے۔یعنی صدقہ چھپاکر دینے میں ریا و نمود سے حفاظت ہوتی ہے،اورساتھ ہی جس کودیاجارہاہے اس کی عزت وحرمت کا بھی لحاظ رہتاہے۔اگراس طرح دیاجاتا ہے کہ لوگ دیکھیں تواس سے جس کودیاجارہا ہے اس کی غیرت پر بڑا اثر پڑتا ہے،اس لیے اگرچھپاکردیاجائے تواس سے بھی اس کی حفاظت ہوجاتی ہے۔

بعض بزرگوں نےفرمایاہے کہ کوئی آدمی یہ سمجھ کر صدقہ دے کہ جس غریب کو صدقہ دے رہاہوں،وہ اس مال کاجتنامحتاج ہے،میں اس صدقہ کے ثواب کااس سے زیادہ محتاج ہوں،اوراس کااحسان میرے اوپراس سے زیادہ ہے جتنامیرااس پرہے؛تب تک اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صدقہ قابلِ قبول نہیں سمجھاجاتا۔اس لیے یہ بھی ایک خاص چیز ہے،لہٰذاکوئی یوں نہ سمجھے کہ صدقہ دے کرمیں احسان کررہا ہوں بلکہ یہ سمجھے کہ وہ قبول کرکے میرے اوپر احسان کررہاہے کہ اس کی وجہ سے مجھے ثواب مل رہاہے۔

اورآنسو آگئے

اوروہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کویادکیااوراس کی آنکھیں ڈبڈباگئیں اور آنسو آگئے۔ظاہرہے کہ تنہائی میں توکوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے کہ وہاں ریاونموداور دکھلاوا مقصود

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہو،بلکہ تنہائی میں جو آدمی اس طرح اللہ کو یاد کرکے روئے گا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اورڈر ہی کی وجہ سے روئے گا۔تو یہ چیز بھی اللہ تعالیٰ کو بڑی پسند ہے۔اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے میں جگہ دیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان اعمال کااہتمام کرنے کی سعادت وتوفیق عطافرمائے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ۳﴾

اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت اور اس کی تاکید

﴿مجلس ۳﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے واسطے محبت اور تعلق رکھنے کی کیا فضیلت ہے، اوراس کی ترغیب بتلانے کے لیے یہ باب قائم کیا ہے

آج میں ان کو سایہ دوں گا

حدیث ۳۷۷

عن أبي هريرة (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رسولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): إِنَّ الله تَعَالى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّي۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز یہ اعلان کریں گے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری عظمت وبڑائی کی خاطر آپس میں محبت رکھتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔

افادات: اللہ تعالیٰ تو سب کو جانتے ہیں لیکن محشر میں جمع ہونے والے سارے مجمع کے اندر ان کے اس مقام کا لوگوں کو پتہ چل جائے اور دوسروں سے وہ ممتاز ہوجائیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی آدمی نیکی کا کوئی کام انجام دے، تو اگر حوصلہ افزائی کے واسطے اس کو دوسروں کے سامنے ممتاز کیا جائے، تاکہ دوسروں کو بھی پتہ چلے اور اس کام کی ترغیب ہو؛ تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جلال کا نکتہ

اور یہاں خاص طور پر لفظ ”جلال“ استعمال کیا ہے، لفظ ”جمال“ استعمال نہیں کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور خوف کو مد نظر رکھتے ہوئے آپس میں محبت کا تعلق ہو، تاکہ ایسے صالح نوجوان جو بے ریش ہوں، ان کے صلاح کا نام لے کر ان کے ساتھ ظاہری تعلق رکھ کر کسی کو یہ ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے کہ میں ان کے ساتھ اللہ واسطے محبت کرتا ہوں۔ گویا شہوانی طریقے پر کی جانے والی محبت نہ ہو، بلکہ اللہ کے واسطے ہی محبت کی جائے۔

جیسا کہ بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں تو اللہ کے جمال کا آئینہ ہے۔ حضرت حکیم الامت (نور اللہ مرقدہٗ) سے کسی نے سوال کیا کہ جو نوجوان ہوتے ہیں، ان کے حسین چہرے تو اللہ تعالیٰ کی صفتِ جمال کا آئینہ ہوتے ہیں؛ ان کو دیکھنے کی کیوں اجازت نہیں دی جاتی؟ حضرت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ آتشیں آئینے ہیں اگر دیکھیں گے تو آنکھوں کو جلا کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ جو لوگ عشق مجازی میں مبتلا ہوتے ہیں، ہمیشہ ان کا دل بے چین رہتا ہے، ان کو کبھی سکون حاصل نہیں ہوتا۔ جبکہ اللہ کے عشق میں مبتلا ہونے والوں کو ایک طرح کا سکون وطمانینت حاصل ہوتی ہے۔

خیر! تو ان لوگوں کو خطاب فرما کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ گویا ان کے ساتھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عنایت اور توجہ کا معاملہ کیا جائے گا، اور اس دن کی گرمی اور تکالیف سے ان کو محفوظ رکھا جائے گا۔

باہم محبت پیدا کرنے کا نسخہ

حدیث ۳۷۸

وعنه قال قال رسول الله (ﷺ) :وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاتَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا،وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا۔أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؛ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ۔(رواہ مسلم)

ترجمہ مع تشریح:حضرت ابوہریرہ(رضی اللہ عنہ)ہی کی روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے!تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ ایمان لاؤ(ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر تو آدمی جنت میں جاہی نہیں سکتا، ایمان تو داخلۂ جنت کے لیے شرط ہے)اور تم کامل طور پر مؤمن نہیں بن سکتے یہاں تک کہ آپس میں اللہ کے واسطے ایک دوسرے سے محبت کرو(گویا آپس میں اللہ واسطے محبت کرنا ہی آدمی کے کمالِ ایمان اور حقیقی معنٰی میں مؤمن ہونے کی دلیل ہے۔آگے حضور(ﷺ) فرماتے ہیں کہ)میں تم کو ایسا عمل اور نسخہ نہ بتلاؤں کہ جب تم اس کو انجام دوگے تو اس کے نتیجہ میں آپس میں محبت پیدا ہوگی؟آپس میں سلام کو رواج دو اور پھیلاؤ۔

افادات:سلام کی بڑی تاکید آئی ہے۔وہ اعمال جو آدمی کو جنت میں لے جانے والے ہیں نبی کریم (ﷺ) نے بہت تاکید کے ساتھ ان میں خاص طور پر افشاءِ سلام یعنی سلام کے عام کرنے کو بیان کیا ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) فرمایا کرتے تھے کہ وہ اعمال جن کے انجام دینے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے نیک اعمال کی توفیق ہوا کرتی ہے ان میں ایک سلام بھی ہے۔اس لیے بھائیو!سلام کی عادت ڈالو۔

آج کل ہمارے معاشرہ میں سے سلام ختم ہوتا جارہاہے،اگر کوئی سلام کرتا بھی ہے تو کوئی جان پہچان والامل گیااسی کو کرتاہے۔قیامت کی علامتوں میں سے یہ بتلایا گیاہے کہ جان پہچان والے ہی کو سلام کیا جائے گا۔حالانکہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو،جب یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ مسلمان ہے تو اس کو سلام کیا جائے۔

بہر حال!حضور(ﷺ) فرماتے ہیں کہ سلام کے نتیجہ میں آپس میں محبت پیدا ہوگی اور اسی محبت کی وجہ سے تمہارے ایمان کے اندر قوت آئے گی۔اب جو عمل ایمان کو تقویت پہنچانے والا اور درجۂ کمال تک پہنچانے والا ہو،جب حضور پاک(ﷺ) وہ نسخہ ہمیں بتلادیں تو پھر اس پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟ہر مومن کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ مجھے ایمان کا کمال حاصل ہو۔

اللہ کی محبوبیت حاصل کرنے کا آسان عمل

حدیث ۳۷۹

وعنہ (رضی اللہ عنہ) عنِ النبی (ﷺ):أَنَّ رَجلاً زارَ أَخالَهُ فِيْ قَرْيَةٍ أُخْرٰی، فَأَرْصَدَ اللهُ تَعَالٰی عَلٰی مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا۔وذکر الحدیث الی قوله:أَنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيهِ۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ مع تشریح: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہی کی روایت ہے وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نقل فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کا دوسری بستی میں ایک دینی بھائی تھا جس سے اس کو اللہ کے واسطے محبت تھی وہ اس کی ملاقات کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتے کو بھیجا جو اس کے انتظار میں رہا۔ جب وہ اس دینی بھائی کی ملاقات کے لیے اس بستی کے قریب پہنچا تو وہ فرشتہ اس سے ملا اور پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اس بستی میں میرا ایک دینی بھائی ہے جس کے ساتھ مجھے اللہ واسطے محبت اور تعلق ہے، اسی سے ملاقات کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ تو اس نے پوچھا: کیا تم نے اس پر کوئی احسان کیا تھا جس کا بدلہ حاصل کرنے کی غرض سے تم یہاں آئے ہو؟ یا تمہارا کوئی مطالبہ اور اُگھرانی (ઉઘરાણી) باقی ہے جس کی وصولی کے لیے آئے ہو؟ اس نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس! مجھے تو اس سے اللہ واسطے محبت ہے اور اسی محبت کی خاطر اس سے ملاقات کرنے آیا ہوں، اس کے علاوہ کوئی اور غرض اور مطالبہ وغیرہ نہیں ہے۔ اس پر اس فرشتے نے کہا کہ میں تیرے پاس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ جیسے تو نے اس کے ساتھ اللہ واسطے محبت کی؛ اللہ تعالیٰ بھی تیرے ساتھ محبت فرماتے ہیں۔

افادات: کتنا آسان عمل ہے جس میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ بعض اعمال تو ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، جیسے رات میں تہجد کے لیے اٹھنا، عبادات کی انجام دہی کے لیے محنت کرنا، روزے رکھنا جس میں کھانا پینا چھوڑنا پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہاں تو بس آدمی سچے دل سے اللہ کے واسطے محبت کا تعلق قائم کرلے تو اس سے کتنی بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

انصار کی فضیلت

حدیث ۳۸۰

عن البراء بن عازب (رضی اللہ عنہ) عن النبی(صلی اللہ علیہ وسلم) انه قال فی الانصار: لایحبهم الامؤمن ولایبغضهم الامنافق۔من أحبّهم أحبّه الله،ومن أبغضهم أبغضه الله۔

ترجمہ:حضرت براء بن عازب(رضی اللہ عنہ)سے روایت ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار کی فضیلت کے سلسلے میں ارشاد فرمایاکہ ان سے مؤمن ہی محبت کرے گا،اور منافق ہی ان کے ساتھ بغض رکھے گا۔جو انصار کے ساتھ محبت رکھے گااللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھیں گے۔اورجوانصار کے ساتھ بغض وعداوت رکھے گااللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بغض اورعداوت رکھیں گے۔

افادات:چوں کہ منافقین کوحضراتِ مہاجرین کامدینہ منورہ آنا ناگوار تھا، اور اسی لیے وہ لوگ انصارسے بغض رکھتے تھے کہ انہوں نے ہی ان کویہاں بلایااوران کو پناہ دی اوران کاتعاون کرتے ہوئے ان کواپنے گھروں میں جگہ دی۔گویاانصارکے ساتھ محبت یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہونے کی دلیل ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فَضْلُ الْحُبِّ فِي اللهِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ﴿مجلس ۴﴾

اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھنے کی فضیلت اوراس کی تاکید

﴿مجلس ۴﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان چل رہاتھا: اللہ کی خاطر آپس میں محبت اور تعلق رکھنا،اوراحادیث میں اللہ کے لیے محبت رکھنے کی جوترغیب آئی ہے اس کوبتلاناچاہتے ہیں۔اسی سلسلہ میں یہ روایت پیش فرماتے ہیں۔

انبیاء وشہداء رشک کریں گے

حدیث ۳۸۱

عن معاذ(رضی اللہ عنہ) قال:سمعت رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) يقول:قال الله تعالیٰ : المتحابون فی جلالی،لهم منابر من نوريغبطهم النبيون والشهدآء۔

ترجمہ: حضرت معاذ(رضی اللہ عنہ)فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کوارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا(جس حدیث میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمائیں وہ حدیثِ قدسی کہلاتی ہے)کہ میری عظمت اورجلال کی نسبت سے آپس میں محبت کرتے ہیں(یعنی اللہ کی بڑائی کے پیش نظر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کاتعلق رکھتے ہیں)ان کے لیے قیامت کے روزنورکے منبرقائم کئے جائیں گے جس پروہ لوگ براجمان ہوں گے۔ان کی اس کیفیت کودیکھ کر انبیاء کرام اور شہداء بھی ان پررشک کریں گے۔

افادات: گویاوہ بھی تمناکریں گے کہ یہ چیز ہمیں حاصل ہوجاتی۔اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیاء کرام اورشہداءکوان سے نیچامقام ملاہوگا۔ایسا نہیں ہے؛بلکہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتاہے کہ مثلاً ایک آدمی کے پاس عمدہ سے عمدہ سو گھوڑے ہیں لیکن اس نے کسی کے پاس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کوئی بہت ہی عمدہ گھوڑا دیکھا تو اس کے جی میں یہ خیال آیا کہ ایسا عمدہ گھوڑا میرے پاس بھی ہوتا تو اچھا تھا۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ کسی پاس کوئی مخصوص چیز دیکھ کر آدمی کے دل میں یہ خواہش اور تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ کاش! ایسی چیز مجھے بھی میسر آجاتی۔ تو یہاں بھی حضرات انبیاء کرام اور شہداء کے رشک کرنے سے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔

بہر حال! یہاں تو اللہ تعالیٰ کی خاطر جو لوگ آپس میں محبت کا تعلق رکھتے ہیں ان کو قیامت کے روز جو خصوصی انعام سے نوازا جائے گا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بتلایا گیا کہ وہ ایک ایسا انعام ہوگا کہ اس چیز کے حصول کی انبیاء اور شہداء بھی تمنا کریں گے۔ اس سے اللہ واسطے کی جانے والی محبت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ خاص کر کے اہل اللہ کے ساتھ ہماری جو محبت ہوتی ہے کہ ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت اور تعلق رکھنا ہمارے اختیار کی چیز ہے۔ اگر ہم ان فضیلتوں کو حاصل کرنا چاہیں تو بڑی آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں۔

بشارت سن لو

حدیث ۳۸۲

وعن أبي ادريس الخولاني (رحمۃ اللہ علیہ) دخلت مسجد دمشق، فاذا فتيً برّاق الثنايا واذا الناس معه، فاذا اختلفوا في شيئ، أسندوه اليه، وصدروا عن رأيه، فسألت عنه فقيل: هٰذا معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ)۔ فلما كان من الغد، هجرت، فوجدته قد سبقني بالتهجير، ووجدته يصلي، فانتظرته حتّٰى قضى صلاته، ثم جئته من قبل وجهه،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فسلمت علیہ۔ثم قلت:واللہانی لأحبك للہ۔ فقال: آاللہ؟ فقلت:أللہ۔فقال:آاللہ؟ فقلت:أللہ،فأخذنی بحبوۃردائی،فجبذنی الیہ،فقال:أبشر،فانی سمعت رسول اللہ (ﷺ)یقول:قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ،والمتجالسین فیّ،والمتزاورین فیّ،والمتباذلین فیّ۔ (حدیث صحیح رواہ مالك فی المؤطا باسنادہ الصحیح)

ترجمہ مع تشریح: حضرت ابوادریس خولانی (رحمۃ اللہ علیہ)(جواکابر تابعین میں سے مستجاب الدعوات تھے اورصاحبِ کرامات بھی تھے،وہ)فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ دمشق کی مسجد میں داخل ہوا (دمشق اس زمانہ میں شام کا دارالسلطنت تھا)وہاں پرایک نوجوان کودیکھا جس کے دانت بڑے چمک دار تھے اور لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔اگرکسی مسئلہ میں لوگوں میں آپس میں اختلاف ہوتاتواس کوحل کرنے اوراس الجھن کودور کرنے کے لیے انہیں سے رجوع کرتے تھے،اوروہ جوفیصلہ کرتے تھے لوگ اسی کوتسلیم بھی کرلیتے تھے۔میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟مجھے بتلایاگیاکہ یہ حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ جب دوسرادن آیاتومیں جلدی سے مسجدمیں پہنچ گیاتاکہ مجھے ان سے کچھ گفتگو کرنے کا موقع ملے،تومیں نے دیکھاکہ وہ مجھ سے پہلے وہاں آچکے ہیں اور نمازمیں مشغول ہیں۔ میں ان کے انتظار میں رہایہاں تک کہ وہ اپنی نمازسے فارغ ہوئے،تومیں نے ان کوسلام کیااورعرض کیاکہ اللہ کی قسم! میں آپ سے اللہ واسطے محبت کرتاہوں۔ انہوں نے کہا:اللہ کی قسم کھاکر یہ کہتے ہو؟میں نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم کھاکر یہ بات کہتاہوں۔دوبارہ انہوں نے پوچھا:اللہ کی قسم کھاکر یہ کہتے ہو؟ میں نے کہا:جی ہاں۔ توانہوں نے کمرکے پاس سے میری چادر پکڑی،اورمجھے اپنی طرف کھینچا،پھر فرمانے لگے کہ بشارت سن لو:میں نے نبی کریم (ﷺ) کوارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایاکہ جولوگ میری خاطر آپس میں محبت اور تعلق رکھتے ہیں(اپنے کسی مفاد اورغرض کے لیے نہیں)اوراسی محبت کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کی زیارت اورملاقات کرتے ہیں اور(یہ ملاقات سوکھی سوکھی نہ ہو،بلکہ) ایک دوسرے پر اللہ واسطے کچھ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

خرچ بھی کرتے ہیں (آپس میں کھلانے پلانے کا بھی سلسلہ ہوتا ہے) تو ایسے لوگوں کے لیے میری محبت واجب ہوگئی۔

افادات: حضرت معاذبن جبل (رضی اللہ عنہ) صحابی ہیں اور انصار میں سے ہیں۔ نبیٔ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو یمن کی طرف حاکم اور قاضی بناکر بھیجا تھا۔ صحابہؓ کرام میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں حلال اور حرام کے سب سے زیادہ جاننے والے معاذبن جبل ہیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے دورِ خلافت میں طاعون پھیلا تھا، جو طاعونِ عمواس کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اسی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

مشغول شخص کے انتظار کا ادب

حضرت ابوادریس خولانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ جب دوسرا دن آیا تو میں جلدی سے مسجد میں پہنچ گیا تاکہ ان سے گفتگو کرنے کا مجھے موقع ملے، تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے وہاں آچکے ہیں اور وہ نماز میں مشغول ہیں، تو میں ان کے انتظار میں رہا یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انتظار میں تھے تو پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے بھی بتلایا تھا کہ دورانِ نماز یا وِرد اگر کسی کا انتظار کرنا ہو تو اس انداز سے انتظار نہ کیا جائے کہ اس کو پتہ چل جائے کہ فلاں آدمی میرے انتظار میں ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوگا تو اس کی نماز یا وِرد میں جو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یکسوئی ہے وہ باقی نہیں رہے گی۔اس کا جی اس طرف متوجہ ہوجائے گا تواس وِرد کا جو مقصود ہے۔ وہ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی (نوراللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں کہ اگر کسی کاانتظار مقصود ہو،اور وہ کسی عبادت نماز،ذکر،دعا،تلاوت وغیرہ میں مشغول ہے تواس انداز سے اس کا انتظار کیاجائے کہ اس کوپتہ نہ چلے کہ فلاں شخص میرے انتظار میں ہے۔

ملاقات کا مناسب طریقہ

اوردوسری بات یہ فرمائی کہ جب وہ فارغ ہوئے توان کے چہرے کی طرف سے آیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہواکہ کسی سے ملاقات کامناسب طریقہ یہی ہے کہ سامنے کی طرف سے آیاجائے۔

اللہ کی محبت کے حق دار

مطلب یہ ہے کہ جولوگ اللہ کی خاطر آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں،جیسے دین کی باتیں سیکھنے سکھانے اورسننے سنانے کے لیے،دین کی دوسری ایسی فکریں جن کااللہ تعالیٰ نے حکم دیاہے ان امورکوانجام دینے کے لیے،لوگوں کی خدمت انجام دینے کے واسطے بیماروں کی مددکامشورہ کرنے کے لیے،جس میں اپنا مفاداور غرض نہ ہو،ایسے امور کی تدبیریں اختیار کرنے کے لیے،اوران پرغوروفکرکرنے کے لیے آپس میں مشورہ کے لیے بیٹھیں گے؛ وہ سب اسی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

’’اَلْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ‘‘میں شامل ہوگا۔ جیسے ہم سب آپس میں مل کر اس وقت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں،ہماری کوئی اور غرض نہیں ہے،نبی کریم ﷺ کے ارشادات سننے سنانے کے لیے جمع ہوئے ہیں؛یہ بھی اسی میں داخل ہے۔اللہ اور رسول کی باتیں سننے کے لیے کہیں بھی بیٹھ جاؤ، کتاب کی تعلیم ہورہی ہے،قرآن پاک کے سیکھنے سکھانے کے لیے جمع ہونا،مسائل کا سیکھنا سکھانا، لوگوں میں دین پھیلانے کے لیے دعوت و تبلیغ کی نسبت سے بیٹھنا؛یہ سب اس میں داخل ہے۔

دیکھو!محبت کا محل قلب ہے،اورجب اللہ واسطے محبت ہوگی تواجتماعِ قلوب ہوگا اور پھر جب وہ لوگ آپس میں مل کر بیٹھیں گے تواجتماعِ قوالب ہوگا۔

’’وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ‘‘اوراسی محبت کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات کرتے ہیں۔کسی کے یہاں آپ کااسی نسبت سے جاناہواکہ اللہ کے کسی حکم کو پورا کرنا مقصد ہے،وہ بھی اس میں داخل ہے۔

’’وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ‘‘اوریہ ملاقات سوکھی سوکھی نہ ہوبلکہ ایک دوسرے پر اللہ واسطے کچھ خرچ بھی کرے،آپس میں کھلانے پلانے کابھی سلسلہ ہو۔توجوایک دوسرے پر آپس میں اللہ کی خاطرخرچ کرتے ہیں ۔ اللہ کے راستہ میں نکلے اورکہیں خرچ کی نوبت آگئی توایک دوسرے پرسبقت کرتے ہوئے اللہ ہی کی نسبت سے کہتے ہیں کہ میں خرچ کرتاہوں،کوئی اور غرض مقصود نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اہل اللہ کی خدمت میں جب اللہ کے واسطے حاضری دی جاتی ہے تو وہاں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں کہ ان سے محبت اللہ واسطے ہوتی ہے۔ان کی مجلس میں بیٹھنا اللہ کے واسطے ہوتا ہے۔ان کی زیارت کے لیے جانا اللہ واسطے ہوتا ہے۔اور جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے،وہ بھی اللہ واسطے ہوتا ہے۔اللہ ہی کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے، اور اللہ ہی کی خاطر ایک دوسرے کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے،اور اللہ ہی کی خاطر ایک دوسرے کی ملاقات کرنے والے اور اللہ ہی کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والے؛ ایسے تمام لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری محبت واجب ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حق دار ہو جاتے ہیں،اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے

یہ وہ نغمہ ہے جو...

یہی وہ مجالس ہوتی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکے چلتے ہیں۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے ”اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ أَیَّامِ الدَّهْرِ نَفَحَاتٌ،أَلاَ فَتَعَرَّضُوْا لَهَا، أَنْ تُصِیْبَکُمْ نَفْحَةٌ مِّنْهَا فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَهَا أَبَداً“ ”زمانہ کے دن اور راتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے خاص جھونکے چلتے ہیں، آپ لوگ ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ جیسے ہوا چل رہی ہو اور اس کے سامنے اگر ہم آجائیں تو ہوا ہم پر سے گذرے گی۔ اسی طرح اللہ کی رحمت کے جھونکوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرو،اگر ایک آدھ جھونکا آپ کو بھی لگ گیا تو پھر کبھی بھی بد بختی پاس نہیں آئے گی،ہمیشہ کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔اور گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ہمیشہ کے واسطے چن لیے جاؤ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

گے۔گویااجتباء وجذبِ خداوندی ہوگی۔ اسی کو باری تعالیٰ نے فرمایاہے ﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَن يَّشَآءُ﴾ گویا یہ نعمت وہ ہے جوہرایک کو حاصل نہیں ہوتی اورہروقت نہیں ملتی ہے

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر چھیڑا نہیں جاتا

بہرحال!یہ اللہ تعالیٰ کاخاص انعام ہے اوراللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ لیکن بزرگوں نے لکھاہے کہ جو آدمی ذکرکااہتمام کرے،اورگناہوں کو چھوڑ دے؛ توایسے لوگوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کواپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت پیدا کرلیتےہیں۔ ان قلوب میں اللہ کی رحمت کے جھونکوں کواپنی طرف متوجہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

جب کسی سے اللہ واسطے محبت ہو

حدیث ۳۸۳

عن أبي كريمةالمقدادبن معديكرب (رضی اللہ عنہ) عن النبى (صلی اللہ علیہ وسلم) قال: إِذَاأَحَبَّ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ۔(رواہ ابوداود والترمذی وقال حدیث حسن)

ترجمہ: حضرت مقدادبن معدیکرب (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایاکہ جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی سے اللہ کی خاطر محبت رکھے، تو اس کوچاہیے کہ جس کے ساتھ وہ اللہ کی نسبت سے محبت رکھتاہے اس کوخبر کردے کہ میں تم سے اللہ کی خاطر محبت رکھتاہوں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: اللہ کے لیے محبت کی جائے تو اس کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کے ساتھ آپ اللہ کی نسبت سے محبت اور تعلق رکھے ہوئے ہیں اس کو بھی باخبر کردیں کہ میں آپ سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ اور پہلے ایک روایت گذرچکی ہے جس میں یہ بھی تھا کہ جس کو بتلایا جائے وہ اس کو دعا کے طور پر یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت رکھے جس طرح تم اس کی خاطر مجھ سے محبت رکھتے ہو، اور اس کی وجہ سے یہ تعلق اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

حدیث مسلسل بالمحبۃ

حدیث ۳۸۴

وعن معاذ (رضی اللہ عنہ) أن رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) أخذبيده وقال: يامعاذ! والله انی لأحبك ثم أوصيك يامعاذ! لاتدعن فی دبر كل صلوة تقول: أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

ترجمہ: حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ کہنا مت چھوڑیو، یعنی ہر نماز کے بعد پابندی سے یہ دعا کرتے رہنا "أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ" (جس میں یہ دعامانگی گئی ہے کہ) اے اللہ! تو میری مدد کر اس معاملہ میں کہ میں تیری یاد کروں اور تیرا شکر ادا کروں، اور تیری عبادت بہتر طریقہ سے انجام دے سکوں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: یہ روایت محدثین کے یہاں مسلسل بالمحبۃ کے نام سے مشہور ہے کہ ہر استاذ اپنے شاگرد سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے مسلسل سند سے پہلے نبی کریم (ﷺ) کا یہ ارشاد نقل کرتا ہے، اوراخیر میں وہ بھی یوں کہتا ہے کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں، تم بھی ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرو۔ آپ لوگ بھی اس کا اہتمام کریں۔

میں نے بھی اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) سے اور اسی طرح حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی (نور اللہ مرقدہٗ) سے یہ روایت اسی تسلسل کے ساتھ سنی ہے۔

معمولات پر پابندی کی دعا

اس دعا کی بڑی برکتیں ہیں۔ بہت سے لوگ اپنے معمولات کی پابندی کے سلسلہ میں پریشان ہوتے ہیں کہ کچھ دنوں تک پابندی ہوتی ہے، پھر چھوٹ جاتے ہیں۔ بہت سے نیک اعمال شروع کرتے ہیں، کچھ دنوں تک معاملہ چلتا ہے، پھر ان سے تعلق ختم ہوجاتا ہے۔ اس دعا کا اہتمام کرنے کی برکت سے ان شاء اللہ معمولات کی پابندی بھی آسانی سے نصیب ہوجائے گی۔ اس لیے کہ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی مدد خاص ان تین کاموں کے لیے مانگی گئی ہے کہ اے اللہ! تو میری مدد کر اس بات پر کہ میں تیری یاد اور ذکر کروں اور تیری نعمتوں پر تیرا شکر ادا کروں، اور تیری عبادت بہتر سے بہتر طریقہ سے انجام دوں۔ لہٰذا اس دعا کی عادت بنالو۔ فرض نماز کے سلام کے بعد فوراً پہلا کام یہ ہونا چاہیے۔ ان شاء اللہ اس دعا کی برکت سے آپ کے لیے اپنے معمولات پر پابندی بہت آسان ہوجائے گی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کیا تم نے ان کو بتا دیا

حدیث ۳۸۵

عن أنس (رضی اللہ عنہ) أن رجلا کان عند النبی (ﷺ)، فمرّ رجل به، فقال: یارسول اللہ! انی لأحب هذا، فقال له النبی (ﷺ): أأعلمته؟ قال: لا، قال: أعلمه۔ فلحقه فقال: انی أحبك فی اللہ۔ فقال: أحبك الذی أحببتنی له۔ (رواہ ابوداود باسناد صحیح)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک صحابی نبی کریم (ﷺ) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہاں سے ایک صاحب گذرے۔ان صحابی نے نبی کریم (ﷺ) سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس آدمی سے محبت کرتا ہوں۔ حضور اکرم (ﷺ) نے ان سے پوچھا: تم نے اس کو بتلادیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں ۔ حضور اکرم (ﷺ) نے فرمایا: اس کو باخبر کردو۔ چنانچہ وہ صحابی اُٹھے اور جلدی سے جاکر ان سے ملے اور کہنے لگے: اللہ کی خاطر میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ تو ان صحابی نے کہا: جس ذات کی خاطر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو، وہ ذات بھی تم سے محبت رکھے۔

افادات: یہی آداب میں سے ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں جو محبت اور تعلق قائم کیا جاتا ہے، جس میں اپنی کوئی غرض اور اپنا کوئی مفاد شامل حال نہ ہو، اس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر ہے، اور اس کے نتیجہ میں آدمی کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اور قیامت کے روز اس کی وجہ سے بڑا مرتبہ حاصل ہوگا۔ یہ بڑی آسان چیز ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ کسی کے ساتھ اللہ کی نسبت پر محبت کا تعلق قائم کرلینا بہت سہل سودا ہے۔ جتنے بھی دینی کام ہیں ان کو انجام دینے کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لیے آپس میں جو تعلق قائم کئے جائیں گے وہ سب اسی میں داخل ہیں۔ان سب میں یہ فضیلت بڑی آسانی سے حاصل ہوجائے گی۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عَلَامَاتُ حُبِّ اللّٰہِ تَعَالیٰ الْعَبْدَ وَالْحَثُّ عَلَی التَّخَلُّقِ بِهَا

مجلس ۱

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت رکھنے کی نشانیاں اور اس کو حاصل کرنے کی ترغیب

مجلس ۱

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ ۳۱؍جولائی ۱۹۹۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَامَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَاوَمَوْلَانَامُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أما بعد:-

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت رکھنے کی نشانیاں، اوراس کو حاصل کرنے کی ترغیب اوراس کے لیے کوشش کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندے سے کب محبت کرتا ہے، اس کی نشانی بتلائی جاتی ہے، اوراللہ تعالیٰ کی محبت کو ہم کیسے حاصل کرسکتے ہیں کہ اللہ ہم سے محبت کرے، اوراس مقام کو ہم کیسے پاسکتے ہیں، اس کی ترغیب بھی دی ہے اوراس کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔

محبت کی نشانی

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌرَّحِیْمٌ﴾ اے نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کا معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندہ محبت رکھتا ہے یہاں اس کی علامت یہ بتلائی گئی کہ آدمی نبی کریم (ﷺ) کی پیروی اور اتباع کرے۔ جو آدمی اپنی زندگی کے مختلف احوال اور شعبوں میں نبی کریم (ﷺ) کی زیادہ سے زیادہ پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کا اہتمام کرے گا، یہ اس بات کی علامت سمجھی جائے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہی ہے کہ وہ حضور اکرم (ﷺ) کی پیروی اور اتباع کرے، حضور اکرم (ﷺ) کی سنتوں کو زیادہ سے زیادہ اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کرے۔

مقام محبوبیت

اس لیے کہ دنیا میں کوئی آدمی کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے تو اس دعویٰ کی صداقت کے لیے اس سے کوئی علامت اور شہادت مانگی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو خود اللہ تعالیٰ نے ہی یہ فرمادیا کہ اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو، اور جب اللہ کی محبت کی وجہ سے نبی کریم (ﷺ) کی پیروی کی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انعام سے نوازے جاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی تم سے محبت کرنے لگے گا یعنی اب تم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔پہلے محب تھے،اب محبوب بن گئے۔اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام بہت اونچا مقام ہے۔

میں پہلے بھی نقل کرچکا ہوں کہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی (نوراللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ بہت کثرت سے کیا ہے، کسی اور نبی کا تذکرہ قرآنِ پاک میں اس کثرت سے نہیں کیا گیا ہے، اور بعض جگہوں پر تو بڑی محبت اور خاص انداز سے کیا گیا ہے۔بلکہ ایک جگہ تو یہ کہا گیا ہے﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر میں نے محبت ڈال دی، تا کہ تمہاری پرورش میری نگاہوں کے سامنے ہو۔تو علامہ عثمانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ یہ سب دیکھ کر مجھے خیال آتا تھا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تو سید الانبیاء ہیں، لیکن آپ کا بھی تذکرہ قرآنِ پاک میں اس کثرت سے نہیں ہے، حالانکہ قرآن تو آپ پر نازل ہوا؟لیکن جب اس آیت پر غور کیا تو قلبی انشراح ہو گیا،اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ جو آدمی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرے گا،اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت کرے گا۔تو جن کی پیروی کرنے سے،اور جن کے نقشِ قدم پر چلنے سے؛پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہو؛تو خود اس ذات کو محبوبیت کا کتنا اونچا مقام حاصل ہو گا!!!

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا

دوسری آیت پیش کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے اس کی کچھ علامات بتلائی ہیں

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۔ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ ۔ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ ۔ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۔ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ اے ایمان والو! جو آدمی اپنے دین سے ہٹ جائے گا تو (اللہ تعالیٰ کو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا، اللہ تعالیٰ کی ذات تو غنی ہے) وہ ان کی جگہ پر ایسی قوم کو لائے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔ وہ لوگ ایمان والوں سے بڑی تواضع اور انکساری سے پیش آئیں گے، اور کافروں کے مقابلہ میں بڑی قوت کا معاملہ کریں گے۔ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔ یہ (وہ مقام ہے جو) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا کشادہ عطا کرنے والا ہے اور بہت زیادہ جاننے والا ہے (کہ کون اس کا اہل ہے اور کون نہیں۔)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دو کاموں پر اعلانِ جنگ

حدیث ۳۸۶

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ. وَمَاتَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَايَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِيْ أَعْطَيْتُهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو آدمی میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی رکھے گا، تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں، لڑائی کی دھمکی اور چیلنج کرتا ہوں۔

افادات: دیکھو! قرآنِ پاک میں لڑائی کا ایک چیلنج دیا گیا ہے ﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ سود کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے جن لوگوں نے آپس میں سودی معاملہ کررکھا تھا جیسے کسی کو سود پر قرض دے رکھا تھا تو باری تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا کہ اس سے پہلے سود کے جو معاملے تم کر چکے ہو، اس میں صرف اپنی اصل رقم ہی لیجیو۔ اوپر تم نے جو سود مقرر کیا ہے وہ مت لینا۔ سود کے معاملہ میں اتنا سخت رویہ اپنایا گیا۔ سابقہ جو معاملات ہو چکے تھے ان کے بارے میں بھی یہ تاکید کی گئی کہ بس! اصل ہی لینا، اوپر کا مت لینا۔ اور اگر ایسا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نہیں کروگے تو ایسے لوگوں کو اللہ اوراس کے رسول کی طرف سے جنگ اورلڑائی کی خبر کردو۔اتنا خطرناک معاملہ ہے۔

آج اگر سورت کا کوئی معمولی پی ایس آئی،یا حکومت کا معمولی عہدے والا کوئی افسر کسی کو دھمکی دیدے کہ میں دیکھ لوں گا،تو اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہوجاتی ہے، اس کے کھانے کا مزہ کرکرا ہوجاتا ہے،زندگی کا لطف ختم ہوجاتا ہے،حالانکہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔تو اللہ تعالیٰ جس کو جنگ کی دھمکی دیں،اس کو کہاں سکون اور چین میسر آسکتا ہے۔اس کے باوجود جو مسلمان اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہوئے سود کے معاملات کرے گا؛وہ بھلا کیسے سکون پاسکے گا؟اور پھر اس کے لیے ترقی کا راستہ کیسے کھل سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ اورلڑائی کی دھمکی والا ایک حکم تو سود والا ہے جو قرآنِ پاک میں آیا ہے۔اوردوسری دھمکی حدیثِ قدسی میں آئی ہے کہ جس نے میرے کسی دوست اورولی سے،کسی اللہ والے سے دشمنی رکھی؛تو-اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ- میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے۔

قبر سے تین پیغام

اسی لیے ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (نوراللہ مرقدہٗ) ہمیشہ اپنی مجلس میں بڑی تاکید سے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی!ان اللہ والوں سے ڈرتے رہو۔

اور حضرت شیخ فرماتے تھے کہ میرے والد صاحب کا جب انتقال ہوا تو وہ اپنے سر پر بڑا قرضہ چھوڑ گئے تھے،جس کی ادائیگی مجھ پر آپڑی تھی،اورخاندان والوں کو بھی اس کی بڑی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

فکر تھی، لیکن مجھے اطمینان تھا۔والد صاحب کے انتقال کے بعد ایک صاحب تعزیت کے لیے آئے، بڑے آدمی تھے، اللہ والے تھے، اور ان کو کشفِ قبور ہوتا تھا، وہ والد صاحب کی قبر پر گئے اور مراقبہ کیا اور وہاں سے آنے کے بعد کہا کہ بھائی! تمہارے والد صاحب نے تین باتیں کہی ہیں اور میرے ذریعہ سے تم پر تین پیغام کہلوائے ہیں۔ ایک تو یہ کہا ہے کہ ان اللہ والوں سے ڈرتے رہیو، ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ اور دوسرا پیغام یہ دیا ہے کہ میرے قرضہ کے متعلق فکر مت کرنا وہ ادا ہو جائے گا۔ اور حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شروع جوانی میں والد صاحب کے انتقال کے بعد مکان کے جس حصہ میں میں آرام کرتا تھا اس کے دروازے کی کنڈی نہیں لگاتا تھا، تو والد صاحب نے تیسرا پیغام یہ کہلوایا کہ دروازہ کی کنڈی لگالیا کرو۔ ویسے کنڈی لگانے کی حدیث میں بھی تاکید آئی ہے۔

اُلٹی کیسے سیدھی ہوسکتی ہے؟

حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) نے آپ بیتی میں بھی لکھا ہے اور حضرت کی مجلس میں خود میں نے بھی کئی مرتبہ سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ جب یہ جملہ میں نے سنا کہ ان اللہ والوں سے ڈرتے رہیو، ان کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے، تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیے کہ میں یوں کہا کرتا تھا کہ اُلٹی تو اُلٹی ہی ہوتی ہے، کسی کی بھی ہو، اللہ والا ہے تو کیا ہوا؟ اُلٹی کیسے سیدھی ہوسکتی ہے؟ اس لیے حضرت فرماتے ہیں کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس کے بعد جس زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (رحمۃ اللہ علیہ)-جو حضرت شیخ کے شیخ اور پیر ہیں -ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو جاتے وقت انہوں نے مدرسہ مظاہر علوم کی نظامت کے لیے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو مقرر کیا، وہ حافظ صاحب کے نام سے مشہور تھے۔سہارنپور میں دوچار لوگ حضرت حافظ صاحب کے مخالف تھے، ان سے بیر اور عداوت رکھتے تھے۔حضرت سہارنپوری (رحمۃ اللہ علیہ) جب مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے تو یہ لوگ یہاں سے حضرت پر حافظ صاحب کی جھوٹی جھوٹی شکایتوں کے خط لکھا کرتے تھے۔جس زمانہ میں یہ غلط خط وہاں پہنچتے تھے تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری (رحمۃ اللہ علیہ) بھی وہاں مقیم تھے۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ حضرت رائپوری (رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھ پر یہ لکھا کہ آپ حافظ صاحب سے کہئے کہ فلاں صاحب آپ کے متعلق شکایتوں کے ایسے خط یہاں لکھ رہے ہیں، ان کو ذرا سنبھالیں۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رائپوری کو جواب میں لکھا کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ ان کو حافظ صاحب سے خواہ مخواہ کی دشمنی ہے، اور کوئی بات نہیں ۔اس لیے وہ لوگ جھوٹی شکایتوں کے خط لکھ رہے ہیں اور آپ بھی جانتے ہیں۔حضرت رائپوری نے دوبارہ مجھے لکھا کہ نہیں! حافظ صاحب کو تاکید کرو کہ ان کی دل جوئی کرتے رہیں، تاکہ ان کی طرف سے اس طرح کے خطوط نہ پہنچیں۔اس کے بعد حضرت رائپوری (رحمۃ اللہ علیہ) جب واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں لکھا، آپ کو بھی معلوم تھا۔اس پر حضرت رائپوری (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ بھائی دیکھو! اگرچہ یہ تو مجھے بھی معلوم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تھا کہ وہ جھوٹی شکایتیں لکھتے ہیں، لیکن جب بار بار ایسے خطوط حضرت کے پاس پہنچتے رہیں گے تو آپ بھی جانتے ہیں کہ جب کوئی جھوٹی بات بار بار کہی جاتی ہے تو وہ کچھ نہ کچھ اثر تو کرتی ہی ہے۔

فوراً بد گمانی

اور میں تو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ آج کل تو ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم تو بہت کچے ہو گئے ہیں۔ ایک آدمی کے ساتھ سالہا سال سے ہمارا اُٹھنا بیٹھنا رہنا سہنا ہے، اس کے مزاج سے ہم واقف ہیں اور ہمارے مزاج سے وہ واقف ہے۔ اس کے باوجود ایک غیر متعلق آدمی آکر ہمارے کان میں یوں کہہ دے کہ تمہارا دوست تمہارے متعلق ایسا ایسا کہہ رہا تھا، تو بس! ہمارا اس کے ساتھ کا پندرہ سال کا تجربہ ایک طرف رہ جائے گا اور اس غیر کی اس ایک بات پر ہم یقین واعتماد کرلیں گے۔ حالانکہ جس آدمی نے آکر یہ بات کہی ہے اسی پر ہم دوسری باتوں میں اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتے، پھر بھی اس بات کو سن کر تو ہمارا دماغ چکرا ہی جاتا ہے، اور ہم فوراً بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور اپنے اس دوست اور ساتھی کے متعلق ہمارا پندرہ سال کا تجربہ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ ہمارا حال تو ایسا ہو گیا ہے۔

خیر! یہ تو بیچ میں ایک بات آگئی تو صرف اسی غرض سے کہہ رہا ہوں کہ اس زمانہ میں اس طرح کے چکّر بہت بڑھ گئے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی ہی معمولی معمولی باتوں پر بھائی بھائی میں، دوست دوست میں، اہلِ خاندان میں آپس میں اختلافات اور جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب اس کی تحقیق کی جاتی ہے اور اس بات کی اندر سے کھود کرید کی جاتی ہے تو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پتہ چلتاہے کہ فلاں صاحب نے ایسا کہاتھا۔اب جن صاحب نے اس کی بات پر اعتماد کیاہے ان سے اگرسوال کیاجاتاہے کہ بھائی! تم نے ان کی اتنی سی بات سن کر یہ کام کیا؟ کیا تمہارے نزدیک یہ آدمی معتبر ہے؟توو ہی کہتاہے کہ یہ معتبر آدمی تونہیں ہے۔جب معتبر نہیں ہے توپھرکیوں اپنے زندگی بھر کے تجربہ کواس کی وجہ سے قربان کررہے ہو؟آج کل ایسا ہورہاہے۔اس لیے ایسی باتوں میں بہت سمجھ داری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

توایک غلط بات بھی جب باربارآدمی کے سامنے آتی ہے تو وہ دل پراثرکرتی ہے۔حضرت شیخ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ حضرت رائپوری(رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایاکہ حضرت کے پاس بھی جب بار باریہ لوگ جھوٹی شکایتوں کے خط لکھتے رہیں گے،توحضرت کے دل میں ان کے متعلق کدورت اور ناگواری پیداہوجائے گی کہ حافظ صاحب وہاں کیاکررہے ہیں (جیسے اپنے کسی متعلق آدمی کے بارے میں جب باربارشکایت پہنچے کہ وہ ایسی حرکتیں کرتاہے تواس کی وجہ سے بڑے کو تکلیف ہوتی ہے ناکہ یہ کیاغلط حرکتیں کرتا رہتا ہے) اوراللہ والوں کے دل میں کسی کے متعلق ناگواری کاپیداہونااس کوفتنہ میں ڈالنے کا ذریعہ بنتاہے۔اس کے اوپراس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ایسے حالات آہی جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ پریشانی میں مبتلاہوتاہے۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ جب حضرت رائپوری (رحمۃ اللہ علیہ)نے یہ بات کہی تومیری سمجھ میں وہ بات آئی کہ اللہ والوں کی اُلٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ) کے اسلام کا قصہ

اسی سے ایک اور بڑا مسئلہ حل ہو جاتا ہے جو حدیث میں بھی آتا ہے لیکن بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ) جنھوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا تھا۔ اُس وقت وہ کفار کی طرف سے آئے تھے اور ان کے آقا نے ان سے کہا تھا تم ان کو (حضرت حمزہ کو) قتل کروگے تو میں تم کو آزاد کردوں گا۔ چوں کہ ان کے آقا کے چچا کو حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے غزوۂ بدر کے موقع پر مارا تھا۔ تو حضرت وحشی اس وقت اسی لیے آئے تھے، اور انہوں نے حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا تھا، اور پھر ان کو آزادی ملی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس موقع پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام لوگوں کو عام معافی دیدی تھی، لیکن ان میں سے گیارہ مرد اور چار عورتیں؛ کل پندرہ اشخاص ایسے تھے جن کے متعلق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اعلان کیا تھا کہ ان کا جرم ناقابل معافی ہے۔ ان پندرہ میں سے ایک حضرت وحشی بھی تھے۔ اس لیے کہ حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے واقعہ سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلبِ اطہر پر بڑا اثر ہوا تھا، اور اس کے بعد ان کی نعش کے ساتھ بھی ان لوگوں نے جو معاملہ کیا تھا وہ بڑا بھیانک تھا، اس کی وجہ سے اور زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔ یوں کہنا چاہیے کہ اس نے تو جلتے پر تیل چھڑکنے کا کام کیا تھا۔ خیر! جب ان کے متعلق یہ اعلان ہوا تو حضرت وحشی وہاں سے بھاگ کر طائف چلے گئے، فتح مکہ کے بعد طائف کا بھی محاصرہ کیا گیا تھا لیکن وہ فتح نہیں ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ ابھی فتح ہونے والا نہیں ہے،

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اس لیے آپ نے وہاں سے محاصرہ اٹھالیا اوردعافرمائی کہ اے اللہ! ان کو ہدایت دیدے اور مدینہ بھیج دے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے طائف والوں کو ہدایت دی۔ اور جس زمانہ میں مختلف قبائل کی طرف سے وفود حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں (۹ ھ) پہنچ رہے تھے، طائف والوں نے بھی یہ کہلوانے کے لیے اپنا وفد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں بھیجا کہ ہم سب اسلام قبول کرتے ہیں۔

طائف والوں کا وفد (deputation) جب مدینہ منورہ جارہا تھا توکسی نے حضرت وحشی سے کہا کہ ابھی موقع ہے، تم بھی ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ اس لیے کہ حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادتِ شریفہ یہ ہے کہ جو آدمی وفد میں سفیر بن کر جاتا ہے اس کو گزند نہیں پہنچاتے اوراس کو کوئی تکلیف نہیں دی جاتی۔ اگرچہ آپ کے متعلق یہ اعلان ہوچکا ہے، لیکن اگر اس طرح جاؤگے تو امید ہے کہ بچ جاؤگے۔ چنانچہ اس وفد میں یہ بھی گئے۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاکر کھڑے ہوئے توکسی نے حضور سے عرض کیا کہ یہ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی ہیں۔ انہوں نے فوراً کلمہ پڑھا تو حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ایک آدمی کا اسلام لانا مجھے ایک ہزار کافروں کے قتل کرنے کے مقابلہ میں زیادہ محبوب ہے۔ (فتح الباری۔ باب قتل حمزہ، ۳۷۶۴)

انہوں جب کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا تو حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے کہا کہ اگر تم ایسا کرسکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آؤ اوراپنا چہرہ مجھے نہ دکھاؤ؛ تو ایسا کرو۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہش یہ دیکھی تو مدینہ منورہ سے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

روانہ ہوگئے تاکہ آپ کے سامنے آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔یہ بھی دیکھنے کے قابل چیز ہے۔محبوب کی خواہش کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا اسی کو کہتے ہیں:۔ ؎

أُرِيْدُ وِصَالَهُ وَيُرِيْدُ هَجْرِیْ
فَأَتْرُكُ مَا أُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ

میں تو محبوب کے وصال کا طلبگار ہوں لیکن وہ میری جدائی چاہتا ہے۔تو میں اپنی خواہش کو اس کی خواہش پر قربان کرتا ہوں۔حضرت وحشی نے بھی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خواہش معلوم ہونے کے بعد مدینہ منورہ چھوڑ دیا اور وہاں سے نکل گئے۔ (بخاری شریف۔ باب قتل حمزہ،۴۰۷۲۔)

حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ) کو کیوں منع فرمایا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تو رحمۃ للعالمین تھے اور ہیں، پھر آپ نے ان سے یہ کیوں فرمایا کہ تم اپنا چہرہ مجھے مت دکھاؤ اور میرے سامنے نہ آؤ؟

حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہٗ) نے اس کا یہی جواب دیا ہے کہ یہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ان کو اپنے سے دور رکھنا اپنے لیے نہیں، بلکہ اُن کے لیے تھا۔حضرت وحشی کی بھلائی اور خیر خواہی اسی میں تھی کہ وہ حضور کی نظروں سے دور رہیں۔کیوں؟ اس لیے کہ حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا جو واقعہ پیش آیا تھا، اس سے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلبِ اطہر پر جو تکلیف ہوئی تھی، وہ بہت زیادہ تھی۔چوں کہ حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کا مثلہ کیا گیا تھا جس کو دیکھ کر حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قسم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کھائی تھی کہ میں اس کے بدلہ میں ستّر(۷۰)آدمیوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کروں گا۔اور جب تک بدلہ نہیں لوں گاتب تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔اسی پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ اگر تم بدلہ لیناچاہوتو پھراتناہی بدلہ لو جتنا انہوں نے تمہارے ساتھ کیاہے،اوراگرتم صبر کروتوصبر کرنے والوں کے لیے یہ اچھا ہے۔تو حضور اکرم (ﷺ) نے اپناوہ ارادہ بدل دیااوراپنی قسم کا کفارہ اداکر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/ ۵۹۲۔سورۂ نحل)

خیر!حضرت شیخ (نوراللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے حضرت وحشی سے جو یہ فرمایااس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت وحشی جب بھی حضورکے سامنے آتے،تووہ واقعہ تازہ ہوجاتا۔جیسے کسی نے کسی کے بیٹے کو قتل کر دیاہوتوچاہے والدنے قاتل کو معاف کر دیاہولیکن اس کو دیکھ کربیٹے کے قتل کامنظرتوسامنے آہی جاتاہے۔اسی طرح ان کے سامنے آنے سے حضور(ﷺ) کووہ واقعہ تازہ ہوجاتااورآپ کے دل پر غیراختیاری تکلیف ہوتی۔اس لیے کہ تکلیف کاہونااختیاری چیزنہیں ہے۔آپ کے اختیار میں معاف کر دینا تھا؛وہ کر دیا۔لیکن کسی کو دیکھ کرآدمی کے دل میں غیراختیاری طورپرجوغم پیدا ہوجاتا ہے،اس میں اس آدمی کے اختیار کودخل نہیں ہے۔توایک واقعہ ہوچکاتھا اور حضرت وحشی کودیکھ کروہ چیزتازہ ہوجاتی، اوراس کی وجہ سے آپ (ﷺ) کے دل پراثر ہوتا جس سے آپ (ﷺ) کے دل کوتکلیف پہنچ سکتی تھی،اوریہ چیزحضرت وحشی کوآئندہ چل کر فتنہ میں ڈال سکتی تھی،اس سے بچانے کے لیے نبی کریم (ﷺ) نے ان سے کہاکہ میرے سامنے مت آنا۔گویااس میں انہیں کی بھلائی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تھی۔نعوذباللہ!یہ بات نہیں تھی کہ نبی کریم (ﷺ) ان سے انتقام لیناچاہتے تھے۔ آپ کی شان توحدیث ِپاک میں یہ آئی ہے کہ کبھی آپ نے اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، تو یہاں بھلاکیسے لیتے۔

اللہ والوں سے عداوت نہ رکھو

بہرحال!میں یہ عرض کررہاتھاکہ حضرت شیخ (نوراللہ مرقدہٗ) اپنی مجلس میں بار بار یہ ارشاد فرماتے تھے۔اورخاص طورپراہلِ علم سے کہتے تھے کہ دیکھو!اللہ والوں کے ساتھ دل میں عداوت نہ رکھو۔کسی سے تم کوعقیدت نہیں ہے توکوئی حرج کی بات نہیں ۔تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گاکہ تم نےان سےعقیدت کیوں نہیں رکھی۔اورتم ان سے بیعت کیوں نہیں ہوئے۔ لیکن ان کے متعلق اپنی دل میں بدگمانی اورعداوت نہ رکھو۔اس لیے کہ اس پر ”فَقَدْاٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ“والی بہت سخت وعید آئی ہے۔

اخبار لااعتبار

حضرت شیخ(نوراللہ مرقدہٗ) فرماتےتھےکہ آج کل لوگوں کی عادت ہے کہ بڑے اور مشہورعلماء کے متعلق جب مخالفین اخباروں میں ایسی چیزیں دیدیتے ہیں تووہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ فلاں صاحب نےایساکیا،اورفلاں صاحب نےایساکیا۔ایک تویسے بھی اخباروں میں جوچیزیں آتی ہیں، اگرہماری ذات کے متعلق آتاہے توہم خود کہتے ہیں کہ اخباروالے جھوٹ لکھتے ہیں،اوراللہ کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کسی بندے کے متعلق ایسی کوئی بات اخبار میں آگئی، اور اس کو اللہ کا مقبول بندہ سمجھتے ہیں، پھر بھی ہم اخبار والے کی بات کو سچا مان لیتے ہیں۔ ہم نے بھی عجیب دو پیمانے اختیار کر رکھے ہیں۔

تب بھی بدگمانی نہ کریں

حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہٗ) تو یہاں تک فرماتے تھے کہ تم نے اپنی آنکھوں سے اس کو کوئی غلط کام کرتے ہوئے دیکھا ہو، تب بھی کیا ضروری ہے کہ اپنے دل میں اس کے متعلق بدگمانی رکھو۔ تم نے اس کو غلط کام کرتے ہوئے تو دیکھا، لیکن معاملہ تو اس کا اور اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رات کی تنہائیوں اور اندھیریوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھا کر، آنسو بہا کر اس نے تو توبہ کرلی، اور آپ کو اس کی اس توبہ کا پتہ بھی نہیں چلا۔ اس نے تو اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوبارہ ٹھیک کرلیا، اور تم زندگی بھر اس کے متعلق اپنے دل میں بدگمانی رکھ کر اور اس کی برائیاں کر کر کے اپنی عاقبت برباد کر رہے ہو۔ واقعہ یہی ہے کہ ہم لوگ بہت سے اللہ والوں کے معاملہ میں اسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بھائیو دیکھو! یہ چیز بہت ضروری ہے۔ آج کا یہ زمانہ فتنوں کا ہے، اور لوگوں میں ایسی باتیں بہت چلتی رہتی ہیں، اس لیے ذرا وضاحت کے ساتھ میں نے عرض کر دیا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

معصوم کون ہے؟

حضرت شیخ (نور اللہ مرقدہٗ) فرماتے تھے کہ معصوم کون ہے؟ معصوم تو صرف انبیاء کرام ہی ہیں۔ صحابہ کرام کے متعلق بھی ہم اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ وہ معصوم تھے ہاں! ہم ان کو محفوظ ضرور سمجھتے ہیں۔ تو پھر دوسروں کے متعلق کیا کہنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی اللہ والے کے متعلق دل میں ایسا جذبہ رکھنا جس کو عداوت سے تعبیر کیا جائے، اور پھر اس سے آگے بڑھنا کہ اس کی مخالفت کرنا، اس کی برائیاں کرنا، اس کے متعلق لوگوں میں غلط باتیں پھیلانا، اور اس کے درپئے آزار ہونا تو اور زیادہ خطرناک ہے۔

اور دیکھئے! اہلِ علم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ "مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا" اصل میں تو یہاں یوں تھا "مَنْ عَادٰی وَلِیًّا لِیْ" جس کا مطلب یہ تھا کہ جو میرے کسی دوست کے ساتھ عداوت رکھے۔ "لِیْ" بعد میں ہونا چاہیے تھا، لیکن یہاں پہلے لائے۔ گویا اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کسی اللہ والے کے ساتھ عداوت رکھنا یوں سمجھئے کہ اللہ کے ساتھ عداوت رکھنا ہے۔ اس لیے یہ بڑی خطرناک چیز ہے، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے۔ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے ابتلاء میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بھائی! ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے دلوں کو ایسی چیزوں سے پاک اور صاف رکھنے کا تو نہایت ہی اہتمام کریں۔

یہ حدیث تو ذرا لمبی ہے، ان شاء اللہ آئندہ مجلس میں اس کی تشریح کریں گے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

عَلامَاتُ حُبِّ اللّٰہِ تَعَالیٰ الْعَبْدَ وَالْحَثّ عَلَی التَّخَلُّقِ بِہَا ﴿مجلس ۲﴾

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت رکھنے کی نشانیاں

اور اس کو حاصل کرنے کی ترغیب

﴿مجلس ۲﴾

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ ۷/ اگست ۱۹۹۹ء

یہ بیان چل رہا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو اس کی کیا علامتیں اور نشانیاں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کے لیے ابھارنے والی باتیں ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت ذکر کی تھی کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو آدمی میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے، ایسے آدمی کو میری طرف سے جنگ کا اعلان ہے۔ اس کی وضاحت گذشتہ مجلس میں ہو چکی ہے۔

قرب بالفرائض

آگے ارشاد ہے کہ بندہ میرا قرب کسی چیز سے اتنا زیادہ حاصل نہیں کر سکتا جتنا ان چیزوں سے کر سکتا ہے جو میں نے بندوں کے اوپر فرض کی ہیں۔ یعنی اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے تو اس کے دو راستے ہیں، ایک قرب بالفرائض، اور دوسرا قرب بالنوافل۔ قرب بالفرائض یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو چیزیں فرض کی ہیں جیسے پنج وقتہ نمازیں، رمضان المبارک کے روزے، زکوٰۃ، حج، اسی طریقہ سے جو چیزیں واجب ہیں وہ بھی عملی طور پر فرض کے ہی حکم میں ہیں جیسے قربانی اور صدقۃ الفطر۔ تو اس حدیثِ قدسی میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا بندہ میری طرف سے اس پر فرض کی ہوئی چیزوں کو اور جن امور کو میں نے اس پر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

لازم اور ضروری قرار دیا ہے ان کو بجالا کر اور ان پر عمل کر کے میرا جتنا قرب اور نزدیکی حاصل کر سکتا ہے، کسی اور چیز سے اتنا قرب اور نزدیکی حاصل نہیں کر سکتا۔ گویا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے میں نمبر اول پر فرائض ہیں

نفس و شیطان کا ایک دھوکہ

آج کل لوگوں کا جو مزاج بنتا جارہا ہے، اس حدیثِ پاک میں اس کی بھی اصلاح کی گئی ہے۔ ہر زمانہ میں شیطان اور نفس آدمی کو ایک الگ انداز سے دھوکہ دے کر گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ نوافل کا جتنا زیادہ اہتمام کرتے ہیں؛ فرائض کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ جتنی توجہ نوافل کی طرف کرتے ہیں، اتنی توجہ فرائض کی طرف نہیں کرتے۔ بعضوں کو دیکھا ہوگا، بقول حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ): "وظیفہ چین بن جاتے ہیں" یعنی یہ پڑھو اور وہ پڑھو۔ یہ اسم اعظم ہے اس کو ہزار اور لاکھ مرتبہ پڑھو۔ بس! اسی طرح صبح سے شام تک تسبیح لیے بیٹھے رہتے ہیں اور سب پڑھ رہے ہیں، لیکن فرض نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، اس کی طرف سے غفلت ہے۔ فلاں صاحب نے یہ بتلایا کہ اس کے پڑھنے سے روزی میں برکت ہوگی اور اس کے عمل سے کاروبار میں ترقی ہوگی، اور اس کے پڑھنے سے لوگ ہماری طرف یوں مائل ہوں گے، اور یہ پڑھنے سے دشمنوں کے دل میں ہمارا رعب بیٹھے گا، وغیرہ وغیرہ۔ کہیں سے ذرا کچھ سن لیا کہ ہزار مرتبہ پڑھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے، تو بس! تسبیح لے کر پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ دراصل نفس و شیطان کا بڑا دھوکہ ہے۔ یہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بخاری شریف کی روایت ہے،اس میں باری تعالیٰ یہ فرماتاہے کہ کوئی بندہ میرا جتنا قرب فرائض کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے، نوافل یاکوئی اور عمل کے ذریعہ سے اتنا قرب حاصل نہیں کرسکتا۔

ایک مثال

اوراس کوایک سیدھی سادی مثال سے سمجھوکہ آپ نے اپنے یہاں کسی کوملازم رکھا اور اس کی ایک ڈیوٹی مقرر کی کہ مثلاً آفس میں تم کویہ کام کرناہے،یہ حساب وکتاب رکھنا ہے، اوریہاں جومال آتاہے اورجاتاہے اس کی اینٹری کرنی ہے۔یہ سارے کام اس کے ذمہ لگائے اوراسی کی تنخواہ آپ نے مقرر کی۔اب وہ آدمی مقررہ کام جوآپ نے اس کے لیےضروری ٹھہرائے ہیں وہ توکرتانہیں ،حساب وکتاب تورکھتانہیں اور جہاں آپ آفس میں داخل ہوئے توفوراًچائے پیش کرتاہے،جب آپ اٹھنے لگے تو آپ کے جوتے سیدھے کررہا ہے،آپ لیٹنے گئےتوآپ کے پاؤں دبانے لگتاہے، لیکن جس کام کی آپ اس کو تنخواہ دے رہے ہیں،اس کےبارے میں آپ نے پوچھا کہ وہ حساب لاؤ،تو کہتاہےکہ ذرارہ گیاہے،کل کرلوں گا۔ دوسرےروزپوچھاکہ اس حساب کاکیاہوا؟توکہتا ہے کہ ہاں !کررہاہوں ،آپ بے فکر رہیے۔ آپ کی دوسری ساری خدمتیں برابرکررہاہےاور اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔حالانکہ آپ نے اس کواس کے لیے رکھابھی نہیں ہے، اپنی طرف سے وہ کام انجام دے رہا ہے۔ تو اب آپ ہی بتایئے کہ اس کے متعلق آپ کی کیارائے ہوگی؟آپ چنددنوں تک تواس کایہ حال

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

برداشت کریں گے،اس کے بعد آپ اس کو رخصت کردیں گے۔حالانکہ وہ آپ کی ذات کی خدمت زیادہ کررہاہے،لیکن آپ کہیں گے کہ میں نے اس کواس کام کے لیے نہیں رکھا ہے۔تودرحقیقت اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کوفرض قراردیاہے اس کامقابلہ اور کوئی چیز نہیں کرسکتی۔

نمازباجماعت کی تاکید

اس زمانہ میں یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ کوئی آدمی اگر کسی چیز کی طرف مائل ہوا اور اس کے ذہن میں کوئی وظیفہ آیاتواسی کولے کربیٹھ جاتاہے۔اللہ کانام کوئی آدمی پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کواس کاثواب ضروردیں گے۔میں اس سے منع نہیں کررہا ہوں لیکن جوفرائض ہیں ان کووہ آدمی ادانہیں کرتا۔یانمازتوپڑھتاہے لیکن گھرہی میں پڑھ لیتا ہے،جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتا؛تویہ بہت ہی غلط بات ہے۔جماعت کی تو اتنی زیادہ تاکیدآئی ہے کہ حدیثِ پاک میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جولوگ رات کی نماز میں جماعت میں نہیں آتے، میراجی توچاہتاہے کہ میں یہاں نمازکھڑی کرنے کاحکم دے کرجاؤں، اوران کے گھروں کو آگ لگادوں۔اگرعورتوں اوربچوں کاخیال نہ ہوتاتو میں ایسا کرتا۔بعض علماء کے نزدیک تونماز کے لیےجماعت شرط ہے۔ہمارے حنفیہ کے یہاں بھی جماعت سنتِ موکدہ ہے،کوئی آدمی اگر جماعت چھوڑنے کی عادت بنالے تووہ فاسق ہے،اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔اور بھی بہت ساری احادیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

تو میں یہ عرض کررہاتھا کہ ایک آدمی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں نہیں آتا اور صبح صادق سے پہلے سے اٹھ جاتا ہے، اوراپنے گھر کے ایک کونہ میں مصلیٰ پر بڑی تسبیح لے کر بیٹھ جاتا ہے، مصلیٰ سے ہٹنے کانام ہی نہیں لیتا، اور فرض نماز وقت پر گھر ہی میں پڑھ لیتا ہے، جماعت کا اہتمام نہیں کرتا؛ تواب آپ ہی بتایئے کہ اس کے لیے کیا فیصلہ ہے۔ اور جو آدمی نماز ہی نہیں پڑھتا اور سارے وظیفے پڑھتا رہتا ہے؛ اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ تو درحقیقت اس قسم کے لوگ خاص دھوکہ میں ہیں، اور نفس وشیطان آدمی کو ان چیزوں میں ڈال کر اس کی جو اصل ذمہ داری ہے، اوراس کا جو فرضِ منصبی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر مختلف حیثیتوں سے جو چیزیں لازم اور ضروری قراردی گئی ہیں، ان سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اس لیے اس حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرا اقرب کسی اور چیز سے اتنا زیادہ حاصل نہیں کرسکتا، جتنا فرائض کے ذریعہ سے حاصل کرسکتا ہے۔

دوسری مثال

اس کے بالمقابل آپ اپنا وہ ملازم دیکھئے کہ اس کے لیے آپ نے جو ڈیوٹی مقرر کی ہے، وہ برابر اس کو انجام دیتا ہے۔ وقت پر پابندی سے حاضر ہوجاتا ہے، اور اپنی ذمہ داری میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرتا۔ لیکن آپ کو سلام بھی نہیں کرتا، اور کبھی آپ کے جوتے اس نے سیدھے نہیں کئے، آپ کے ٹیبل پر ٹھنڈا پانی لاکر بھی کبھی نہیں رکھا، آپ بیمار ہوئے تو کبھی آپ کی خیریت پوچھنے بھی نہیں آیا، تب بھی جو واقعتاً تجارتی ذہن کا آدمی ہوگا وہ اس کی یہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ساری باتوں کو برداشت کرلے گا کہ وہ اپنی ڈیوٹی تو برابر پوری کررہا ہے نا، بس! کافی ہے۔ اس کے متعلق آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی، آپ اس سے خوش ہیں، چاہے آپ اس کے سامنے اپنی خوشی کا اظہار نہ کریں۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرائض لازم کئے گئے ہیں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو فرض کیا ہے، اور پھر بندہ اس کی طرف سے غفلت برتے، تو یہ سوچنے کی چیز ہے کہ وہ کتنی بڑی غفلت قرار دی جائے گی۔ وہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اور فرائض جان بوجھ کر چھوڑنے پر شریعت میں بہت سخت سزائیں ہیں۔ لیکن کوئی آدمی نفل نہیں پڑھے گا تو کوئی بھی سزا نہیں ہے۔ اس لیے یہ بڑی اہم بات ہے۔ ہم لوگ اس قسم کی حدیثوں کو پڑھتے ہیں اور ترجمہ سمجھ کر گزر جاتے ہیں، لیکن اس کے اندر جو سبق دیا گیا ہے، اور جس چیز کی طرف خاص طور سے متوجہ کیا گیا ہے، اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ اس میں ہماری اصل بیماریوں کو پکڑا ہے۔

بعض لوگ فرائض تو ادا کرتے ہیں لیکن نوافل کا جتنا اہتمام کرتے ہیں، اتنا اہتمام فرائض کا نہیں کرتے۔ ان کی جو توجہ نوافل کی طرف ہوتی ہے، اتنی توجہ فرائض کی طرف نہیں ہوتی۔ پہلی قسم تو وہ تھی جو فرائض سرے سے ادا ہی نہیں کرتی تھی۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ جو فرائض ادا تو کرتی ہے لیکن جو خاص اہتمام ہونا چاہیے وہ نہیں کرتی۔ وہ بھی غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست فرض قرار دیا ہو؛ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ چیز کتنی اہم ہوگی۔ اور جس کو فرض نہیں کیا ہے اس کا بھی آپ اندازہ لگاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہاں کس چیز کی کتنی اہمیت ہے وہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام دیئے گئے ہیں اسی سے پتہ چلتا ہے۔

قرب بالنوافل

اب فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کا مسئلہ آیا، تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد محبت پیدا کرنے والی چیز نوافل ہے، کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا مقام بنانا چاہتا ہے، تو خود اللہ تعالیٰ اس کے لیے نوافل کا راستہ بتا رہے ہیں۔ جیسے ایک آدمی اپنی ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ خدمتیں بھی کرتا ہے؛ تو آپ اُس کے ساتھ دل سے جو محبت کریں گے؛ وہ ظاہر ہے۔ اسی کے ساتھ ایک آدمی ایسا ہے جو اپنی تمام ذمہ داریوں کو پورا پورا انجام دیتا ہے، اس کی ڈیوٹی کے معاملہ میں آپ کو کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن آپ کے ساتھ خدمت وغیرہ کا کوئی تعلق نہیں رکھتا تو سیدھی سی بات ہے کہ اِس سے اگرچہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن جو محبت اُس کے ساتھ ہوگی وہ اِس کے ساتھ نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ خود حفاظت کا انتظام کرتے ہیں

آگے باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جب کسی سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور اس کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا قائم ہو جاتا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کے نتیجہ میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور میں اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

ان چیزوں کا کیا مطلب ہے؟ اس کی تشریح میں شراح اور علماء نے بہت ساری باتیں کہی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوبیت کا مقام ملتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کی ہر حرکت و سکون، اس کا چلنا پھرنا، اس کا دیکھنا اور سننا؛ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ اسی چیز کو سنتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ اس کو اسی چیز کے سننے کی توفیق دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اور جس کام سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اس کو اس کام کی طرف جانے ہی نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کریں گے تو اس کے دل میں بھی ایسی چیزوں کے سننے کا خیال کہاں پیدا ہو گا۔ اس کو تصور ہی نہیں آئے گا۔ کوئی لاکھ اس کے پیچھے پڑے، اس کو اپنے ارادے سے ہٹا نہیں سکتا۔ دوسرے جملوں کا بھی یہی مطلب ہے کہ میں اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیزیں دکھلاتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہوتے ہیں، دوسری چیزوں کے دیکھنے کی اس کے دل میں خواہش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ جیسے جس بچے سے باپ محبت کرتا ہو تو اس بچے کو باپ ایسی چیز کرنے ہی نہیں دیتا جو باپ کو پسند نہیں ہے۔ اس کو سمجھاتا رہتا ہے کہ دیکھو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بیٹا! ایسانہیں کرنا چاہیے، اس سے نقصان ہو گا۔ اور یہاں تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، وہ تو دلوں کا مالک ہے، اس لیے وہ تو دلوں میں ایسی چیز کی رغبت اور میلان ڈالتا ہی نہیں جو خود کو ناپسند ہے۔

اس لیے کہ آدمی کوئی بھی کام اس وقت کرتا ہے جب پہلے دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ ہی کسی چیز کو دیکھنا نہ چاہیں تو پھر آپ کی آنکھ وہ چیز کیوں دیکھے گی؟ آنکھ تو وہی چیز دیکھتی ہے جس کا آدمی کے دل میں ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ پہلے دل حکم دے گا، پھر آنکھ ادھر متوجہ ہوگی۔ سننے کے لیے بھی یہی معاملہ ہے۔ پکڑنے کے لیے بھی یہی مسئلہ ہے۔ چلنے کے لیے بھی یہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں اس کی حفاظت کا انتظام کرتے ہیں، اور شیطان کو اس پر قابو اور تسلط دیتے ہی نہیں ۔

قرآنِ پاک میں اسی کو کہا گیا ہے﴿وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾شیطان نے جب اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ میں اولادِ آدم کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے گمراہ کروں گا، اور ان کا برابر شکار کرتا رہوں گا، اور ان میں سے اکثر وہ ہوں گے جو تیرے شکر گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوں گے۔ تو نے ان کو جو نعمتیں جن مقاصد کے لیے دی ہیں؛ وہاں استعمال کرنے والے نہیں ہوں گے۔

شکر کس کو کہتے ہیں؟

آنکھ کا شکریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھ جس کام کے لیے دی ہے، وہاں استعمال کی جائے۔ کان کا شکریہ ہے کہ کان جس کام کے لیے دیا ہے، وہاں استعمال کیا جائے۔ جس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہی چیز سنی جائے، یہی کان کا شکر ہے۔اور شیطان کے تسلط کے نتیجہ میں آدمی ان اعضاء کو ایسی جگہ استعمال کرنے لگتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے استعمال کرنے سے منع کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمادیا﴿اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ﴾ میرے جو مخصوص بندے ہیں ان پر میں تجھے قابو نہیں دوں گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ فرائض کی ادائیگی کے بعد جب نوافل کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا اتنا قرب حاصل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو وہی چیز دکھلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔اور وہی چیز سنواتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔وہی چیز اس کے ہاتھوں پکڑواتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔اسی طرف اس کے قدم آگے بڑھتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔اس حدیث کے تمام مطالب کا خلاصہ یہی ہے جو میں نے عرض کیا۔تو اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ جب محبت کرے گا تو اس کی پوری طرح سے حفاظت کرے گا۔ دنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ محبت کرنے والا جب کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کو کسی ایسی جگہ جانے ہی نہیں دیتا جہاں وہ نہیں چاہتا۔

سارے دروازے کھلے ہوئے ہیں

"وَاِنۡ سَأَلَنِیۡ أَعۡطَیۡتُہٗ" جب اس کو یہ مقام حاصل ہو گیا تو اب ظاہر ہے کہ آگے کے سارے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اورمانگتاہے تومیں اس کودوں گا۔اس کی کوئی درخواست رد نہیں کی جائے گی۔ جو دعا کرے گا وہ قبول ہو گی۔

"وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ"اوراگرکسی شرسے اللہ کی حفاظت چاہے گا اور اللہ کی پناہ میں آناچاہے گا،تواللہ تعالیٰ اس کواپنی پناہ میں لے لیں گے۔جب بھی کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آناچاہے گاتواللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے۔اس کے لیے تودروازے کھلے ہوئے ہیں۔ہروقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد ہوتی رہے گی۔

ایسی خیرات سے کیا حاصل؟

یہاں بات قرب کی چل رہی تھی اوراسی سے محبوبیت کامقام ملتاہے۔لیکن اس کے لیےضرورت اس بات کی ہے کہ نمبر اول پرعبادات کے تمام شعبوں میں فرائض کا اہتمام کیاجائے۔بہت سے لوگوں کودیکھاہوگاکہ خوب خیرات کرتے ہیں لیکن ان کو پوچھوکہ زکوٰۃ کاحساب کیاہے؟توکہیں گے کہ نہیں کیاہے۔تواب ایسی خیرات سے کیا حاصل ہوا؟اس لیے فرائض اپنی جگہ پرفرائض ہیں،جب تک کہ وہ نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے یہاں نوافل قبول نہیں ہوتے۔اس لیے فرائض کے اہتمام کے ساتھ جیسا کہ ابھی بتلادیاکہ نوافل بھی کوئی بے کارچیزنہیں ہے۔اس سے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کاوہ مقام حاصل ہوتاہے کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ہرطرح سے اس کی مدداورحفاظت کرتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مقبولیت ومردودیت کا معیار

حدیث ۳۸۷

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ (ﷺ) قَالَ: إِذَا أَحَبَّ اللهُ تَعَالَى الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ۔ (متفق علیه)

وفی روایة لمسلم: قَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ): إِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ، فَيَقُولُ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ۔ وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَيَقُولُ: إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ، فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ، فَيُبْغِضُهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرئیل کو پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے بعد حضرت جبرئیل آسمان والوں میں آواز لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے زمین پر قبولیت ڈال دی جاتی ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہی روایت ایک اور سند سے پیش کی ہے جس میں ایک اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ناپسند کرتے ہیں تو حضرت جبرئیل کو فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس کو ناپسند کرو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل اس کو ناپسند کرتے ہیں اور تمام آسمان والوں میں وہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو ناپسند کرتے ہیں، اے آسمان والو! تم سب بھی اس کو ناپسند کرو اور اس سے نفرت کرو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان والے اس کے ساتھ نفرت اور بغض کا معاملہ کرتے ہیں۔ پھر اس کے لیے روئے زمین پر ناپسندیدگی رکھ دی جاتی ہے۔

افادات: اس حدیثِ پاک میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مقبولیت اور مردودیت کا صحیح معیار بتایا ہے۔ اس حدیث سے ہمارے اکابر اور شراح نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو مقبولیت اوپر سے نیچے کی طرف یعنی خواص سے عوام کی طرف جاوے، وہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ عنداللہ مقبول ہے۔ اور جو قبولیت ایسی نہ ہو، بلکہ صرف عوام ہی عوام تک محدود رہے، یا عوام میں بہت چرچا ہونے کی وجہ سے خواص بھی اس کو جاننے لگ جائیں، لیکن اخص الخواص پھر بھی اس کی طرف متوجہ نہیں؛ تو یہ عنداللہ مقبول ہونے کی علامت نہیں ہے۔

عنداللہ مقبولیت کی اصل ترتیب تو یہی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں، پھر حضرت جبرئیل، پھر وہ آسمان میں کہیں اور تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگیں اور پھر اس کی محبت زمین والوں میں ہو۔ اور پھر زمین میں بھی یہی ترتیب رہتی ہے کہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زمین میں اللہ تعالیٰ کے اخص الخواص بندوں کے دلوں میں اس کی محبت پہلے آتی ہے۔وہ اس سے محبت کا تعلق اور معاملہ کرنے لگتے ہیں۔اور پھر ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ محبت کا معاملہ کرنے لگ جاتے ہیں کہ فلاں اہل اللہ کے یہاں یہ آدمی مقبول ہے۔ اور تمام اللہ والے اس سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ پھر یہ معاملہ آگے بڑھتا ہے۔اور پھر عوام کے اندر مقبولیت آتی ہے۔یہ عند اللہ مقبول ہونے کی علامت ہے۔

مقبولیت یا فتنہ

کھیر اووالے باپو(ખેરાલુ.વાલે.બાપુ)کا کسی زمانہ میں بہت چرچا ہوا تھا، موجودین میں سے بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ ان کے دم کرنے کا عوام میں اتنا زبردست چرچا تھا کہ وہ بھروچ میں دم کریں گے اور ان کا دم سورت میں پہنچ جائے گا۔کسی زمانہ میں ہر جگہ ان کا خوب چرچا تھا،لیکن اس زمانہ میں اللہ کے مقبول جو بندے تھے ان کو پتہ بھی نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔اور پھر تو لوگوں نے بھی دیکھ لیا کہ کچھ دنوں کے بعد اس کا کیا حشر ہوا۔ہوا کے ایک جھونکے کی طرح آیا اور گذر گیا۔یہ کوئی مقبولیت نہیں ہے؛بلکہ یہ تو ایک فتنہ ہوا کرتا ہے۔

اور اگر فساق وفجار کے وہاں کسی کا مقام ہے،اور اہلِ ایمان تو اس کو پسند ہی نہیں کرتے تو پھر اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ایسوں کے متعلق تو کوئی گمان ہونا ہی نہیں چاہیے کہ یہ بھی مقبولیت ہو سکتی ہے۔ساری دنیا کے فساق وفجار اس کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور تعریفیں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کرتے ہیں، اوران کی طرف سے نکالے جانے والے اخباروں کے اندراس کی تعریفوں کے پل باندھے جاتے ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے کی کوئی علامت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر فرمادیں گے

حدیثِ پاک کا مضمون ہے، حضوراقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا کوئی عمل کرتا ہے، چاہے سات پردوں کے اندر ہو، مکان کے کونے میں اوراندھیریوں میں ہو؛ تب بھی جب وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں میں ظاہر فرمادیں گے۔ اور جو آدمی اللہ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے، چاہے سات پردوں میں چھپ کر کرتا ہو، تو وہ بھی لوگوں میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

دلوں پر حکومت

دیکھو! ہر زمانہ میں جو اہل اللہ ہوتے ہیں ان کی محبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ساری دنیا ان سے محبت کرتی ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا آپ نے ان کو دیکھا ہے، تو بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو یہ کہیں گے کہ نہیں! آج تک ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ لیکن ان کے دلوں میں بھی ان کی محبت جوش مارتی ہے۔ ابھی ماضی قریب میں ہمارے حضرت قاری صدیق صاحب باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) جب تشریف لاتے تھے۔ لوگ جب ان کی آمد کا سنتے تو کھنچے چلے جاتے تھے۔ ہر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زمانہ میں اللہ والوں کی یہی مقبولیت رہی ہے۔ اور بعض اہل اللہ کا حال تو ایسا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد بھی صدیوں تک ان کی یاد کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے وعظ میں ہے کہ ایک انگریز کہنے لگا کہ ایک آدمی صدیوں سے قبر میں سویا ہوا ہے، اور وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ کون؟ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ)۔ حالانکہ وہ قبر میں ہیں لیکن لوگوں کے دلوں میں بسے ہوئے ہیں۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں کس نے ڈالی؟ کیا کوئی ان کا خاص پروپیگنڈہ کرتا ہے؟ کسی اخبار میں آیا؟ کہیں ریڈیو اور ٹی وی پر ان کا نام آیا؟ بلکہ یہ لوگ تو ایسی تمام چیزوں سے اپنے آپ کو بہت دور رکھنے والے ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان کا پورے عالم میں چرچا ہوتا ہے۔ حالانکہ اِس دور کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کا نام میڈیا میں ضرور آنا چاہیے، لیکن میڈیا میں ان کا کہیں تذکرہ نہیں ہوتا، اور لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ وہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، اسی کو "ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ" کہا گیا ہے۔

یہی حال مبغوضیت کا بھی ہے۔ دنیا کے بہت سے بدمعاش اور اللہ کے بڑے بڑے نافرمانوں کو میں نے اور آپ نے کبھی دیکھا بھی نہیں ہے۔ فرعون اور ابوجہل کو کس نے دیکھا ہے، لیکن ابوجہل کے متعلق میرے اور آپ کے دل میں کیا محبت کا جذبہ ہے؟ اسی طرح ہر

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

زمانہ کے اعلیٰ درجہ کے نافرمانوں کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ایک نفرت سی ہوتی ہے۔ آخروہ کیاچیز ہوتی ہے؟حالانکہ جس کے دل میں نفرت ہے اس سے پوچھا جائے کہ فلاں بندہ نے تیرا کچھ بگاڑاہے؟اس نے تیرا کوئی نقصان کیا ہے؟تووہ کہے گا کہ نہیں!ایسی کوئی بات نہیں ہے۔پھرکیوں اس کے متعلق نفرت ہے؟ کس نے دل میں نفرت ڈالی؟دراصل یہی بات ہے کہ یہ سب قدرت کانظام ہے۔

بہرحال!یہ دونوں چیزیں؛مقبولیت اورمردودیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔اوراس بات کوآپ لوگ یادرکھ لیجئے کہ کون سی مقبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اوراس کی علامت یہ ہے کہ خواص سے عوام کی طرف آوے۔اگرصرف عوام ہی عوام میں رہے، خواص کی طرف نہ ہو،تووہ عنداللہ مقبولیت کی علامت نہیں سمجھی جاتی۔

ایک صحابی کی ادا

حدیث ۳۸۸

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ (ﷺ) بَعَثَ رَجُلاً عَلٰى سَرِيَّةٍ،فَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهٖ فِيْ صَلَاتِهِمْ، فَيَخْتِمُ بِـ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾، فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ (ﷺ) ، فَقَالَ: سَلُوْهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ"؟ فَسَأَلُوْهُ، فَقَالَ:لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ،فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا،فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) :أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللهَ تَعَالٰى يُحِبُّهٗ"۔(متفق عليه)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ترجمہ مع تشریح:-حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم (ﷺ) نے ایک آدمی کو لشکر کی ایک ٹکڑی کے اوپر امیر بنا کر بھیجا۔(پہلے بھی میں بتلاچکاہوں کہ نبی کریم (ﷺ) جو لشکر روانہ فرماتے،اورآپ بنفسِ نفیس اس میں تشریف نہیں لے جاتے تھے،ایسے لشکر کو ’’سَرِیَّۃ‘‘کہتے ہیں۔ اور جو امیرِ لشکر ہوتا تھاوہی نماز کی جماعت کا امام بھی ہوتا تھا،اس کی تفصیل بھی پہلے بتلاچکاہوں)تووہ امیرِلشکرجب ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تھاتوہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعدجو قراء ت کرنی ہوتی وہ کرتا،اوراخیر میں ’’سورۂ قل ھواللہ أحد‘‘پڑھتا۔وہاں سے آنے کے بعدساتھیوں نے نبی کریم (ﷺ) کے سامنے اس کا تذکرہ کیا(کہ یارسول اللہ!ہمارے امام صاحب تو عجیب آدمی ہیں،ہررکعت میں سورہ فاتحہ کے بعدجو قراء ت کرنی ہوتی وہ کرتے،اور اخیر میں ’’ سورۂ قل ھواللہ أحد‘‘ضرور پڑھتے تھے۔گویاتعجب کے طورپررفقاء نے اس چیز کاتذکرہ کیا۔بعض روایتوں میں یہ بھی آتاہے کہ وہ صرف یہی سورۃ پڑھتے تھے جیسے کہ حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے،لیکن اِس روایت میں ’’یَخْتِمُ‘‘ کالفظ ہے۔)توحضوراکرم (ﷺ) نے فرمایا کہ اس سے پوچھوکہ ایساکیوں کرتا ہے؟(آخراس نے ایسی عادت کیوں بنائی ہے؟) لوگوں نے ان سے پوچھاتوانہوں نے کہاکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کیا گیاہے(﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ﴾آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ بے نیازہے۔وہ کسی کامحتاج نہیں اورسب اس کے محتاج ہیں﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ نہ اس نے کسی کوجنااورنہ وہ کسی سے جناگیا۔

شانِ نزول

روایتوں میں آتاہے کہ کفارِقریش نے آکرنبی کریم (ﷺ) سے کہا’’أَنْسِبْ لَنَا رَبَّكَ‘‘ چوں کہ ان کے یہاں تونسب نامہ کی بڑی اہمیت تھی،اوروہ اپنے نسب اور خاندان پر فخر کرتے

تھے،اس لیے ان میں سے ہر ایک کو،بچہ بچہ کو،دیہاتی اور شہری کو اپنا نسب نامہ پورا یاد ہوتا تھا،بلکہ اپناہی نہیں ،پورے خاندان کانسب نامہ یادہوتاتھا۔تو انہوں نے آکر نبی کریم ﷺ سے کہاکہ اپنے رب کانسب بیان کرو،اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے نہ کوئی پیدا ہوا ہے،اورنہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی صفات کواس سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔

خیر!ان صحابی نے-جواپنی ہر رکعت میں قراء ت کے بعدیہ سورت پڑھا کرتے تھے جواب میں عرض کیاکہ)میں اس سورت کوپڑھنااس لیے پسند کرتاہوں (کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کوبیان کیاگیاہے۔جب انہوں نے یہ وجہ بتائی)تونبی کریم ﷺ نے فرمایاکہ اس کوبتادوکہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔

افادات :سیدھی بات ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گاتو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرے گا۔گویااللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں، جن کے ذریعہ سے آدمی اللہ کی محبت حاصل کرسکتاہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی محبت ومعرفت کے انوارسے ہمارے قلوب کومنور فرمادے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

التَّحۡذِيۡرُ مِنۡ اِيۡذَآءِ الصَّالِحِيۡنَ وَالضُّعۡفَةِ وَالۡمَسَاكِيۡنَ

نیک اور کمزوروں کو تکلیف دینے سے اپنے آپ کو بچانا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ ۔ ۱۴/ اگست ۱۹۹۹ء

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَاوَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَامَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا کَثِیۡرًا۔ أما بعد:

نیا عنوان قائم کیا ہے جس میں نیک لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے ڈرایا جارہا ہے کہ نیک لوگوں کے ساتھ کوئی آدمی اگر ایذاء رسانی کا معاملہ کرے، کوئی ایسا سلوک یا رویہ اختیار کرے، جس سے ان کو تکلیف پہنچتی ہو؛ تو اس کے اوپر کیا وعید ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس آدمی کو کیا نقصان بھگتنا پڑے گا۔ اس کو اس باب میں بتلانا چاہتے ہیں۔

بڑا بہتان، کھلا گناہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو قرآنِ پاک کی ایک آیت پیش کی ہے، اگرچہ وہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، اس میں یہ حضرات بھی آجاتے ہیں جن کا باب کے عنوان میں تذکرہ آیا ﴿وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنَاتِ﴾ جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ﴿بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا﴾ بغیر اس کے کہ ان ایمان والے

مردوں اور ایمان والی عورتوں نے کچھ ایسا کام کیا ہو جس کی وجہ سے وہ تکلیف کے حق دار بنتے ہوں۔(مطلب یہ ہے کہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو ناحق تکلیف پہنچاتے ہیں) ﴿فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ تو ایسے لوگ اپنے اوپر بہتان کا اور کھلم کھلے گناہ کا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔اگر تکلیف زبان کے ذریعہ سے غیبت کر کے یا اور کسی طریقہ سے پہنچائی ہے،تو گویا وہ ایک طرح کا بہتان ہے جس کا گناہ اپنے سر ڈال رہے ہیں۔قولی تکلیف کے لیے بہتان کا لفظ استعمال کیا۔اور اگر اپنے کسی عمل اور فعل سے تکلیف پہنچا رہے ہیں تو بھی گویا کھلم کھلا گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ کسی بھی اہلِ ایمان مرد یا عورت کو تکلیف پہنچانے پر،چاہے وہ قولی ہو یا فعلی ہو،اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ایسا کر کے وہ اپنے سر پر بہت بڑا بہتان اور الزام لے رہے ہیں اور کھلم کھلا گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ جب کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کیا تو اس کی سزا بھی ان کو بھگتنا ہے۔

گویا ان کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بہتان اور اثمِ مبین سے تعبیر کیا ہے۔اور قرآنِ پاک جس چیز کو اثمِ مبین کہے وہ کبیرہ گناہ میں داخل ہو گا۔اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کو تکلیف پہنچانا حرام ہے،چاہے کسی بھی طریقہ سے تکلیف پہنچائے،اپنی زبان سے پہنچائے یا اپنے ہاتھ سے پہنچائے،کوئی ایسا طرزِ عمل یا ایسی عملی شکل اختیار کرے جس کے نتیجہ میں کسی کو تکلیف پہنچ رہی ہے؛تو وہ سب حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

غلط پارکنگ

ہم لوگ بہت سی مرتبہ ایساکام کرلیاکرتے ہیں جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہےاور ہمیں اس کااحساس بھی نہیں ہوتا۔میں پہلے بھی بتلاچکاہوں کہ جیسے ایک آدمی اسکوٹر پر سوار ہوکر جارہاتھا،کوئی ملنے والاسامنے آیاتووہیں راستہ میں اپنی سواری اس طرح کھڑی کردی، یااپنی گاڑی راستہ ہی میں ٹھہرادی،اس کی وجہ سے پیچھے والوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔یااپنی سواری ایسی جگہ پارک کردی جس کی وجہ سے آنے جانے والوں کوتکلیف ہوتی ہے۔آدمی جب عجلت میں ہوتا ہے توعام طورپر یہ سمجھ کر کہ میں ابھی آتاہوں،اپنی موٹرسائیکل یاکار کو غلط جگہ پارک کرکے چلاجاتاہے،جس کا نتیجہ یہ ہوتاہے کہ اس کی وجہ سے کسی ایک دو کو نہیں،بلکہ کئی آنے جانے والوں کوتکلیف ہوتی ہے۔وہ تویہ سمجھ کرگیاتھاکہ دوچارمنٹ میں آجاتاہوں لیکن انہیں دو چار منٹ میں یہاں کیاہورہاہے،اس کااس کواندازہ نہیں ہوتا۔جب کبھی خودہی اس طرح کی تکلیف سے دوچار ہوتا ہے توپھراس کواس بات کااحساس ہوتاہے۔

ٹیپ ریڈیوزورسے بجانا

اسی طرح اپنے گھرمیں زورزورسے ریڈیویاٹیپ ریکارڈبجارہاہے،چاہے اس میں کسی کاوعظ ہی کیوں نہ ہو۔یہ کیابات ہوئی کہ آپ جووعظ سننا چاہتے ہیں وہ دوسروں کو–جبکہ وہ اپنے کام مشغول ہیں–زبردستی سنائیں۔جب زورزور سے آواز ہوتی ہے تواس کانتیجہ یہ ہوتاہے کہ کسی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی نیند خراب ہوتی ہے۔یا آپ کے لیے چاہے سونے کا وقت نہ ہو لیکن کوئی بیمار ایسا ہے کہ جس کو رات بھر نیند نہیں آئی تھی،اور اِس وقت اس کی آنکھ لگ ہی رہی تھی کہ آپ کی ریڈیو کی آواز سن کر اس کو جو آرام پہنچنے والا تھا اس سے وہ محروم ہو گیا۔لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی اور بھی بہت ساری شکلیں ہیں۔

نماز سے تکلیف نہ دے

علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک آدمی نماز کی نیت مسجد کی آخری صف میں باندھ رہا ہے،اور پوری مسجد خالی ہے تو اس کو چاہیے تھا کہ آگے کی صفوں میں کہیں کھڑا ہو کر نیت باندھتا۔جب آخری صف میں نیت باندھے گا اور کوئی نکلنا چاہے گا تو اس کو پوری مسجد گھوم کر جانا پڑے گا۔یہ بھی ایذاء مسلم میں آجاتا ہے۔ہر موقع پر آدمی کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ میں جو شکل اختیار کر رہا ہوں اس کی وجہ سے کسی کو دانستہ یا نادانستہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچ رہی ہے۔

عام استعمال کی چیزوں کو اس طرح استعمال کر کے رکھ دینا کہ آئندہ وہ کسی دوسرے کے لیے قابلِ استعمال نہ رہیں؛یہ بھی اسی میں داخل ہے۔بہر حال!آدمی اگر سمجھ داری سے کام لے،تو ایسی بہت سی باتوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے جو اس کی بے خبری میں لوگوں کی ایذاء اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یہاں تو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ آیت پیش کی ہے، اس میں چوں کہ عام اہلِ ایمان چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں ان-کو ایذاء پہنچانے پر اللہ تعالیٰ نے یہ وعید سنائی ہے، اس میں صالحین تو بطریقۂ اولیٰ آجائیں گے۔جب عام اہلِ ایمان کو تکلیف پہنچانا گناہ ہے تو جو نیک لوگ اور اللہ کے مقبول اور مقرب یا کمزور اور مسکین بندے ہیں ان کو اگر کوئی آدمی تکلیف پہنچائے گا تو اس میں تو اور زیادہ گناہ ہو گا۔

جس کا کوئی نہیں

دوسری آیت پیش کی ہے:﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ﴾ کسی یتیم کے اوپر مسلط مت ہو جاؤ، اور اس کو مغلوب مت کرو۔یعنی یتیم کے ساتھ زبردستی ایسا معاملہ مت کرنا جس کی وجہ سے وہ دباؤ میں آجائے۔یتیم بھی کمزوروں میں آجاتا ہے۔عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ایسا کمزور جس کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ ہمارے اس معاملہ پر ہمارے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے سکے گا،اس کی طرف سے ردِّ عمل کے طور پر کوئی کارروائی نہیں ہو گی، تو قوی آدمی اس کے ساتھ غلط معاملہ کرنے کی جرأت کر لیتا ہے۔لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے۔بھلے ہی دنیا میں وہ کمزور ہے اور اس وجہ سے وہ آپ کے اس غلط رویہ پر فوری طور پر کوئی ایکشن اور بدلہ نہیں لے سکتا۔لیکن آپ یہ سمجھ کر کہ وہ میرا کچھ نہیں کر سکتا،اس کے ساتھ ناحق زیادتی کریں؛ شریعت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بلکہ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا آدمی جس کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہو، ایسے آدمی کے ساتھ جب کوئی زیادتی کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آجاتی ہے، اور پھر وہ آدمی ایسا پکڑ لیا جاتا ہے کہ دوسروں کے لیے عبرت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔اس لیے کبھی کسی کی کمزوری کو دیکھ کر اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرنا؛ یہ آدمی کے لیے بڑا مہلک اور خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔اس لیے کہا کہ یتیم کو مغلوب مت کرو، بلاوجہ اس کو دباؤ میں مت لاؤ۔

سائل کو مت جھڑکو

﴿وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ اور مانگنے والے کو مت جھڑکو۔کوئی آدمی آپ کے پاس سوالی بن کر آیا، تو اگر اس کے سوال کو پورا کرنے کے لیے آپ کے پاس کچھ موجود ہے تو آپ اپنی حیثیت کے مطابق اس کو دے دیجیے۔لیکن آپ اس کو کچھ دیتے تو ہیں نہیں اور بلاوجہ جھڑکتے ہیں، تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

میں پہلے بھی بتلا چکا ہوں کہ شریعت نے ہر ایک کے لیے کچھ حقوق مقرر کیے ہیں کوئی آدمی جب آپ کے دروازہ پر سائل بن کر آیا ہے تو شریعت نے اس کا بھی حق رکھا ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے" لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ" (ابوداود شریف۔۱۶۶۷) مانگنے والے کا بھی ایک حق ہے، چاہے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہی آیا ہو اگر کوئی آدمی موٹر سائیکل پر مانگنے کے لیے آیا تو آپ اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تیرے پاس موٹر سائیکل ہے، اور تو مانگتا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہے؟اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ بے چارہ موٹر سائیکل پر جارہا تھا،اور کسی نے لوٹ لیا۔اب اس کی جیب میں کچھ نہیں بچااس لیے اس کو مانگنے کی ضرورت پیش آگئی۔ہمیں اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے پاس موٹر سائیکل ہے اورمانگتا ہے۔ہم اس کے سوال پر اپنی حیثیت کے مطابق اگراس کی کچھ مدد کرسکتے ہیں تو کریں اوراگر ہمارے پاس اتنی طاقت اوراستطاعت نہیں ہے،تو کم ازکم اس کو جھڑکنے کی یااس کے خلاف کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس سے اُلجھا نہ جائے،بلکہ اس کو کوئی مناسب اور بھلی بات کہہ دیجئے؛یہ بھی نیکی کاکام ہے۔اورجب مانگنے والا آپ کویہ دعادے رہاہے کہ اللہ تمہارابھلاکرے توآپ بھی اس کو یہی دعا دیدیجئے،لیکن اس کوکسی حال میں بھی جھڑکانہ جائے؛یہ بدسلوکی ہے۔وہ توآپ سے اچھی توقع لے کر آیاتھا،اب آپ اس کی وہ توقع تو پوری نہیں کررہے ہیں،اورزبان سے اس کو بھلی دعا دے سکتے تھے،یااچھی بات کہہ سکتے تھے:وہ بھی نہیں کہہ رہے ہیں۔حالانکہ اس میں تو آپ کا کوئی خرچ بھی نہیں ہورہاہے،اوپرسے اس کو جھڑک رہے ہیں گویایہ توبالکل گھٹیا درجہ کی اورنچلی سطح کی بات ہوئی۔کوئی معمولی آدمی بھی اس گوارہ نہیں کرسکتا کہ جب آپ کچھ مال نہیں دے رہے ہیں تو زبان سے اچھی بات کہہ دینے میں توآپ کاکچھ خرچ نہیں ہورہاتھا۔ویسے بھی توآپ اس کو ڈانٹنے کے لیے زبان ہلاہی رہے ہیں؛ تو بھلی بات کے لیےیادعادینے کے لیے ہلانے میں کیا حرج تھا؟شریعت کی یہی تعلیم ہے کہ ہم اپنے اخلاق کوکیوں خراب کریں ؟ ہاں !اگروہ باربار بلاوجہ آپ سے اُلجھ رہا ہے،تواس سے پیچھاچھڑانے کے لیے حسنِ تدبیر سے کم سے کم جو طریقہ ہوسکتاہو،وہ اختیارکرسکتے ہیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آگے اس سلسلہ میں جو روایتیں لارہے ہیں ان میں دو روایتوں کا تو حوالہ ہی دیدیا۔ ایک تو حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت ہے جو پچھلے باب میں گذری "مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ" باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے کسی دوست اور ولی کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے، اس کو میں جنگ کی وارننگ دیتا ہوں۔ اس کی پوری تفصیل اوپر والے باب میں گذر چکی ہے۔

ایک اور روایت کا حوالہ دیا ہے جو کئی ابواب پہلے گذری ہے، اس کو تو ہم دوبارہ تازہ کر لیتے ہیں۔

اللہ کی تلواروں نے حق وصول نہیں کیا

عَنْ أَبِیْ ہُبَیْرَۃَ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِیِّ وَہُوَ مِنْ أَہْلِ بَیْعَۃِ الرِّضْوَانِ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ أَبَا سُفْیَانَ أَتٰی عَلٰی سَلْمَانَ وَصُہَیْبٍ وَبِلَالٍ فِیْ نَفَرٍ، فَقَالُوْا: مَا أَخَذَتْ سُیُوْفُ اللّٰہِ مِنْ عَدُوِّ اللّٰہِ مَأْخَذَہَا۔ فَقَالَ أَبُوْبَکْرٍ (رضی اللہ عنہ): أَتَقُوْلُوْنَ ہٰذَا لِشَیْخِ قُرَیْشٍ وَسَیِّدِہِمْ؟ فَأَتَی النَّبِیَّ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَأَخْبَرَہٗ فَقَالَ: یَا أَبَا بَکْرٍ! لَعَلَّکَ أَغْضَبْتَہُمْ؟ لَئِنْ کُنْتَ أَغْضَبْتَہُمْ لَقَدْ أَغْضَبْتَ رَبَّکَ۔ فَأَتَاہُمْ، فَقَالَ: یَا إِخْوَتَاہُ! أَغْضَبْتُکُمْ؟ قَالُوْا: لَا، یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکَ یَا أَخِیْ۔

ترجمہ مع تشریح: حضرت ابو ہبیرۃ (رضی اللہ عنہ) جو اہلِ بیعت ِرضوان میں سے ہیں ان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ صلحِ حدیبیہ کے زمانہ میں ابوسفیان کا مدینہ منورہ آنا ہوا۔ حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب رومی، حضرت بلال حبشی اور دوسرے فقراء مسلمان ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے (اور یہ تینوں پردیسی تھے۔ حضرت سلمان فارس کے رہنے والے تھے۔ حضرت صہیب روم کے رہنے والے تھے اور حضرت بلال حبشہ کے رہنے والے تھے۔ ابوسفیان وہاں سے گزرے) تو ان کو دیکھ کر یہ حضرات کہنے لگے کہ اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمنوں سے ابھی تک اپنا حق وصول نہیں کیا ہے (ان کی یہ بات حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو اچھی نہیں لگی۔ ابوسفیان اگرچہ اسلام نہیں لائے تھے لیکن قریش کے سردار اور

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بڑے آدمی تھے۔اور قریش عرب کا باعزت خاندان تھا)توحضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں سے کہا کہ تم قریش کے ایک بڑے آدمی اور سردار کو ایسی بات کہتے ہو؟ (حضرت ابو بکر نے ان کی بات پر ناگواری کا اظہار کیا کہ تم نے یہ اچھی بات نہیں کہی۔اگرچہ حضرت ابو بکر نے ان حضرات کو تنبیہ کرنے کے لیے کوئی سخت بات نہیں کہی تھی،صرف اتنا ہی کہا تھا کہ قریش کے سردار کے ساتھ تم اس طرح پیش آرہے ہو؟اوراس کو ایسی بات کہہ رہے ہو؟)پھر حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خود ہی نے یہ اطلاع دی کہ یارسول اللہ!آج ایسا ایسا ہوا (ممکن ہے اس خیال سے آگاہ کیا ہو کہ شاید نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کی اس رائے سے اتفاق کریں گے۔جب حضرت ابو بکرصدیق (رضی اللہ عنہ) نے یہ بات حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے نقل کی) تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:"يَاأَبَابَكْرٍ!لَعَلَّكَ أَغْضَبْتَهُمْ؟ لَئِنْ كُنْتَ أَغْضَبْتَهُمْ لَقَدْ أَغْضَبْتَ رَبَّكَ" اے ابو بکر! شاید تم نے ان حضرات کوناراض کردیا(یعنی ہوسکتا ہے کہ تمہارے اس جملہ کی وجہ سے ان حضرات کوناگواری ہوئی ہو، تمہاری یہ بات ان کو پسند نہ آئی ہو)اگر تم نے ان کوناراض کیاہے (یعنی اگر تمہارے اس جملہ سے ان کو تکلیف پہنچی ہے اور ناگواری ہوئی ہے) توتم نے اللہ تعالیٰ کوناراض کردیا۔چنانچہ انہوں نے کہا:"يَاإِخْوَتَاهُ! آغْضَبْتُكُمْ؟"اے بھائیو!کیا میں نے تم لوگوں کوناراض کردیا؟ان لوگوں نے کہاکہ نہیں !ہمیں کوئی ناراضگی نہیں ہوئی ہے۔"يَغْفِرُاللهُ لَكَ يَاأَخِيْ" اے ہمارے بھائی!اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے (یعنی ہماری طرف سے تومعاف ہے ہی، لیکن اگر تم کو یہ احساس ہے توہم بھی تمہارے لیے دعاکرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کومعاف فرمائے۔)

افادات: دیکھو!یہاں کہنے والاکوئی اور نہیں ،بلکہ حضرت ابو بکرصدیق (رضی اللہ عنہ) تھے جن کا ایک مقام تھا،اس مناسبت سے اگرانہوں نے ایسی بات اپنی ہی جماعت کے چھوٹے لوگوں کواچھی نیت سے کہی،توان کو حق تھا۔لیکن حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ ہوسکتاہے کہ تم

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

نے ایسا کہہ کر ان کو ناراض کیا ہو۔یعنی یہ امکان ہے کہ تمہاری اس بات سے ان کو ناگواری ہوئی ہو،اور واقعتاً اگر ناگواری ہوئی ہے تو تم نے ایسا کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

بس! یہاں تو یہ روایت اسی لیے لائے تھے کہ دیکھو! حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو خاص طور پر متنبہ کیا۔اس لیے کہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ بات جن لوگوں سے کہی تھی وہ صالحین میں سے بھی تھے،اور ضعفاء وکمزوروں میں سے بھی شمار ہوتے تھے۔یہ دونوں باتیں ان میں تھیں۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی اپنے مقام اور منصب، یا اپنی کسی دنیوی حیثیت کی وجہ سے کمزور ہو،تب بھی ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی بات کریں جو اس کے لیے ناگواری اور تکلیف کا باعث ہو جائے۔

جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا تو حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) فوراً ان حضرات کے پاس معافی مانگنے کے لیے گئے۔یہ بھی حضراتِ صحابہ ہی کی شان تھی۔میں پہلے بھی بار بار یہ بات بتلا چکا ہوں اور بار بار اس لیے متنبہ کرتا ہوں کہ ہم لوگوں کو بھی اس سے سبق لینا چاہیے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) حضراتِ صحابہ میں سے کسی کو کسی بات پر اگر متنبہ کرتے تھے تو فوراً وہ حضرات اس چیز کی تلافی کی کوشش کرتے تھے۔فوراً ان کی طرف سے اس بات کا اہتمام کیا جاتا تھا کہ جو قصور ہم سے سرزد ہوا ہے اس کی تلافی ہو جائے۔چنانچہ جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو متنبہ کیا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری اس بات سے ان حضرات کو تکلیف پہنچی ہو،اور اگر ان کو تکلیف پہنچی ہے تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا؛تو فوراً حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) ان کے پاس آئے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ایسی بات کہی جائے اور حدیث بھی سنائی جائے اور قرآن کی آیت بھی سنائی جائے، تب بھی ہم تاویلیں کر کے اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کر لیتے ہیں، اگرچہ دل مطمئن نہ ہو، لیکن اس کی جو تلافی کرنی چاہیے، اس کا اہتمام ہماری طرف سے نہیں کیا جاتا۔

جب صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فاروق (رضی اللہ عنہ) سے معافی مانگی

یہاں تو ایک بڑے آدمی نے چھوٹوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا، اس پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فرما رہے ہیں۔ لیکن اگر کسی بڑے کے ساتھ یہ بات کی گئی ہو تو پھر معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ بخاری شریف میں قصہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو کسی بات پر غصہ میں ڈال دیا، یعنی کسی بات پر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو غصہ آ گیا اور ناراضگی ہو گئی، تو حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) معافی مانگنے لگے کہ میری بھول ہو گئی مجھے معاف کر دو۔ لیکن حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو اتنی زیادہ ناراضگی تھی کہ وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ اب حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ان کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور کہہ رہے کہ معاف کر دو اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ناراضگی کی حالت میں آگے آگے چلے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا گھر آیا تو وہ گھر میں داخل ہو رہے تھے کہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے پھر ان سے کہا کہ معاف کر دو، لیکن حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے تو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور گھر میں چلے گئے۔ جب انہوں نے گھر کا دروازہ ہی بند کر لیا تو اب کیا باقی رہ جاتا تھا، حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) وہاں سے واپس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

آکر حضوراکرم (ﷺ) کی مجلس میں بیٹھ گئے، لیکن انہوں نے حضور سے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔پھر حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) کو بھی احساس ہواکہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا۔اگرانہوں نے مجھے ناراض کیاتھاتووہ معافی بھی تومانگ رہے تھے،اس لیے مجھے معاف کردینا چاہیے تھا۔

اب وہ مجرم ہے

یہاں ایک بات یادرہے کہ اگرکسی نے کسی کے ساتھ کوئی نارواسلوک کیا اور اس کواپنے اس غلط رویہ پراحساس ہوااوروہ معافی مانگ رہاہے، تواب سامنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاف کردے۔اگروہ معاف نہیں کرتاہے تواب وہ مجرم بن جاتا ہے۔کسی سے معافی مانگی جائے اوروہ معاف نہ کرے؛تواس پربڑی سخت وعید آئی ہے

آج کل ہمارے معاشرے اورسماج میں ایک بیماری یہ بھی ہوگئی ہے کہ اگرکسی کو احساس ہوا اوروہ جاکرمعافی مانگتاہے،تویہ کہتاہے کہ جاؤ!میں معاف نہیں کروں گا، وہ بار باراس کے سامنے ہاتھ جوڑرہاہے، تب بھی یہ انکارکرتاہے۔یہ بالکل غلط طریقہ ہے۔شریعت اس کی تعلیم نہیں دیتی۔

بھائی!اللہ تعالیٰ کے یہاں تواس معافی کی اتنی زیادہ قدردانی ہے کہ اللہ کاکوئی بندہ یوں کہہ دے کہ اے اللہ!میرے گناہ کومعاف کردے تواللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ظاہرہے کہ اللہ تعالیٰ کوناراض کرکے اس نے جتنابڑاجرم کیاتھا،کسی دوسرے کو ناراض کرکے تواتنابڑاجرم نہیں ہوسکتاہے؟حدیثِ پاک میں آتاہے کہ ایک آدمی اپنا توشہ پانی لے کرسفرمیں نکلا

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اورایک جگہ پر آرام کے لیے لیٹا،اس کے اونٹ پر سارا سامان موجود تھا۔جب آنکھ کھلی تو دیکھاکہ وہ اونٹ سارے سامان کے ساتھ غائب ہے اب وہ اس جنگل بیابان میں اکیلاہے،نہ وہاں پانی ہے اورنہ کھانے کے لیے کچھ ہے۔اس نے اپنے اونٹ کوخوب تلاش کیالیکن وہ نہیں ملا۔آخرتھک ہارکریہ سوچ کرکہ اب تو موت ہی آنے والی ہے،دوبارہ اسی جگہ پر آکرلیٹ گیا۔جب آنکھ کھلی تودیکھاکہ اس کا وہ اونٹ موجودہے۔اس کودیکھ کراس کوجوخوشی ہوگی وہ ظاہرہے گویااس کونئی زندگی ملی۔تواب وہ اللہ تعالیٰ کاشکراداکرنے کے لیے جب بولنے لگاتو مارے خوشی کے زبان بھی قابومیں نہیں رہی،اوریوں کہنے لگاکہ اے اللہ! تو میرا بندہ اورمیں تیرا رب۔ (مشکوٰۃ۔۲۰۳) یہ مثال دے کرحضور(ﷺ) یہ سمجھاناچاہتے ہیں کہ اس کی خوشی دیکھوکہ کتنا زیادہ خوش ہوا ہوگا۔جبکہ وہ یہ سمجھ رہاہے کہ مجھے تونئی زندگی ملی،کہ اس کی زبان بھی قابومیں نہیں رہی۔

توجب کوئی بندہ گناہ کرنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں توبہ اوراستغفارکرتاہے تواللہ تعالیٰ کواس کے اس توبہ واستغفارپراس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی اس آدمی کو اپنی سواری کا گمشدہ جانورملنے پرہوئی تھی جس پراس کاکھاناپینااورسامان تھااوروہ بے قابو ہوگیا تھاکہ زبان بھی اُلٹ سُلٹ بولنے لگی تھی۔تواللہ تعالیٰ تومعافی مانگنے والے سے اتنا زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ اگر کچھ کیاجاتاتووہاں سے کیاجاتا کہ وہ خالق ہے،مالک ہے۔اس کی نعمتیں ہم ہرآن اورہرلمحہ استعمال کرتے ہیں۔اگراس کی نافرمانی کی گئی اوروہاں معافی مانگی گئی اوروہ معاف نہ کرتااور سزا دیتا؛توانصاف کی بات تھی۔لیکن وہاں سے توخوشی کااظہارہورہاہے۔اوریہاں

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہمارے ساتھ کبھی کسی نے کوئی معاملہ کردیا اور جب وہ ہم سے معافی مانگنے آیاتوہم معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔کیاہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے گناہ بھی معاف کیئے جائیں۔

کیاتمہیں معافی پسند نہیں؟

حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا وہ واقعہ یاد کروجوپہلے کئی مرتبہ بتایاجاچکاہے کہ جب حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ تہمت کامعاملہ پیش آیاتھا،اوربعدمیں قرآنِ پاک میں تہمت سے ان کے پاک ہونے کی آیتیں نازل ہوئیں تواس واقعہ میں مخلص مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے حصہ لیاتھاان میں ایک حضرت مسطح بن اثاثہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھے، حضرت ابوبکرصدیق (رضی اللہ عنہ) کے خالہ زادبہن کے بیٹے تھے،غریب تھے اور مہاجری بھی تھے،ان کاساراخرچہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہی برداشت کرتے تھے۔وہ بھی منافقین کی چرب زبانی کی وجہ سے اس سازش میں پھنس گئے تھے۔جب حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی براءت آئی توحضرت ابوبکرصدیق (رضی اللہ عنہ) نے قسم کھالی کہ اب میں ان کاخرچہ نہیں دوں گا وہاں انہوں نے تومعافی بھی نہیں مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرصدیق (رضی اللہ عنہ) سے ان کی سفارش کی﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾تم میں سے جوفضیلت اورکشادگی والے ہیں اوراللہ تعالیٰ نے ان کومال و دولت دے رکھی ہے،وہ اس بات پرقسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ داروں،غریبوں اور اللہ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں پر خرچ نہیں کریں گے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

﴿أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ﴾ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرے؟ (روح المعانی۔ ۱۸/۱۲۵)

آدمی اپنے معاملہ میں چاہتا ہے کہ اگر اس سے غلطی اور کوتاہی ہوئی اور اس کو اس کا احساس ہے اور معافی بھی مانگتا ہے، تو اسے معاف کیا جائے۔ تو جب ہم اپنے معاملہ میں یہ چاہتے ہیں تو یہی چیز ہم اپنے دوسرے بھائی کے حق میں کیوں نہ چاہیں؟ اگر اس نے ہمارے ساتھ غلطی کا معاملہ کیا، اور وہ معافی بھی مانگ رہا ہے؛ تو اب ہمیں چاہیے کہ اس کو معاف کر دیں۔

میرے دوست کے معاملہ میں میرا خیال نہ کروگے؟

بہر حال! بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) تو آکر چپکے سے حضور کی مجلس میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو احساس ہوا کہ وہ میرے پاس معافی مانگ رہے تھے، لیکن میں نے معاف نہیں کیا اور گھر کا دروازہ بند کر لیا؛ یہ میں نے اچھا نہیں کیا، تو پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس میں آئے اور خود ہی پورا قصہ حضور کی خدمت میں بیان کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! ایسا ہوا کہ انہوں نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا اور مجھے ناراضگی ہوئی، پھر وہ مجھ سے معافی مانگ رہے تھے، لیکن میں نے معاف نہیں کیا، یہاں تک کہ میرا گھر آ گیا تو میں نے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ بات سن کر حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت غصہ آیا، اور آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے " هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِيْ صَاحِبِيْ، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِيْ صَاحِبِيْ " کیا میرے دوست کو معاف کرنے کے لیے تم تیار نہیں ہوئے؟

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس غصہ کو دیکھ کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! غلطی میری تھی یعنی میں نے ہی ابتدا کی تھی، ان کی کوئی غلطی نہیں تھی، پھر بھی حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) برابر یہی جملہ ارشاد فرماتے رہے۔روایتوں میں آتا ہے کہ اس کے بعد تو کوئی بھی حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا نام ہی نہیں لیتا تھا، سب بہت زیادہ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) ناراض ہو جائیں گے۔ (بخاری شریف۔۳۶۶۱)

صالحین اور نیک لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے جو روکا جاتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ کے دوست ہیں، اگر ان کو تکلیف پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے، اور ہمارا تو بیڑا ہی غرق ہو جائے گا۔

کہیں اللہ تعالیٰ تم سے مطالبہ نہ کرلے

حدیث ۳۸۹

وعن جندب بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم): مَنْ صَلّٰی صَلاۃَ الصُّبْحِ فَھُوَ فِي ذِمَّۃِ اللہِ فَلا يَطْلُبَنَّكُمُ اللہ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّطْلُبُهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔

ترجمہ مع تشریح: حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جو آدمی فجر کی نماز اپنے وقت پر جماعت کے ساتھ پڑھ لے، وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔(یہ بھی بہت بڑی چیز ہے جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، وہ اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں آگیا، جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے امان دے دیا، اور اللہ تعالیٰ کی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

طرف سے جس کو حفاظت مل گئی ہے؛) تو اب دیکھنا کل قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنی اس حفاظت کی وجہ سے تم سے کوئی مطالبہ نہ کرے (یعنی وہ آدمی جو فجر کی نماز اپنے وقت پر جماعت کے ساتھ پڑھ چکا ہے، چوں کہ وہ اللہ کی حفاظت میں ہے، اب اگر تم اس آدمی کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کروگے اور کوئی تکلیف پہنچاؤگے، تو گویا تم ایسے آدمی کے ساتھ یہ سلوک کررہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان مل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے پوچھے گا کہ ہم نے جس آدمی کو امان دے رکھی تھی تم نے اس کو تکلیف پہنچائی؟ کیوں؟ کیا بات ہے؟ اور اللہ تعالیٰ جب کسی سے مطالبہ کرلے، تو آپ اندازہ لگالیجئے کہ اس کا آگے انجام کیا ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ) اگر اللہ تعالیٰ کسی سے اپنی ذمہ داری اور امان کے بارے میں کوئی مطالبہ اور پوچھ تاچھ کرے گا تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ پکڑے گا، اور پھر اس کو اوندھے منھ جہنم میں ڈالے گا۔

اس لیے بھائیو! جو نماز پڑھنے والے ہیں ان سے بھی ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ وہ بھی صالحین میں آ گئے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

إِجْرَآءُ أَحْكَامِ النَّاسِ عَلَى الظَّاهِرِ وَسَرَائِرُهُمْ عَلَى اللهِ

ظاہر کے مطابق معاملہ کرو
دل کا حال اللہ کے حوالے کرو

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۲۰؁ھ ۲۱/ اگست ۱۹۹۹؁ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أما بعد:-

فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبة۔ آیت ۵)

شک شبہ کرنے کی اجازت نہیں

اسلام میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ مسلمان کی حیثیت سے، یا مشرک کے ساتھ مشرک کی حیثیت سے جو معاملہ رکھنے کا حکم دیا ہے؛ وہ ظاہر کے مطابق ہوگا۔یعنی جو آدمی اپنے آپ کو مسلمان بتلارہا ہے اور وہ اپنی زبان سے کلمۂ اسلام کا اظہار کرتا ہے اور وہ یوں کہتا ہے کہ میں مؤمن ہوں، اور ایک مسلمان کے مسلمان ہونے کے لیے جو علامتیں اسلام نے بتلائی ہیں مثلاً نماز پڑھنا، زکوۃ کا ادا کرنا وغیرہ، وہ سب علامتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں تو پھر ہم اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں گے۔چوں کہ اس نے اپنے آپ کو مسلمان بتلایا اور مسلمانوں والی علامتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں، تو اب ہم اس کے معاملہ میں شک

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

وشبہ نہیں کریں گے کہ معلوم نہیں اس کے دل میں کیا ہے؟ہوسکتا ہے کہ وہ ہم کو دھوکہ دیتا ہو؟ہمارے سامنے اسلام و ایمان کا اظہار کرتا ہو؛اوردل میں دوسری بات ہو؟دکھلاوے کے واسطہ نماز پڑھتا ہو؟ اس طرح کا کوئی شک وشبہ کرنے کی ہمیں اجازت نہیں دی گئی۔بلکہ ہم کو شریعت نے اس بات کا مکلف کیاکہ جب اس نے اپنی زبان سے کلمہ ٔ اسلام کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو مؤمن بتلایا، اورکسی مؤمن کے ایمان کے لیے جوعلامت شریعت کی طرف سے مقرر کی گئی ہے وہ بھی اس میں پائی جاتی ہے، تواب آپ کافریضہ یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ مؤمنوں کا سامعاملہ کریں۔پھراگرحقیقت میں اس کے دل میں کوئی دوسری بات ہے تواس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردیجئے۔اگراس کے دل میں کوئی دوسری چیز ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت میں جب حساب وکتاب لیں گے تواس سے نمٹ لیں گے۔ہمیں اس فکرمیں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ معلوم نہیں اس کے دل کے اندرکیا ہے۔اسلام کا یہ ایک خاص حکم ہے جس کو علامہ نووی (رحمۃ اللہ علیہ)اس عنوان کے تحت بیان کرناچاہتے ہیں کہ جو لوگ اپنے آپ کوجیساظاہرکررہے ہیں، اسی کے مطابق احکام جاری کئے جائیں گے اوراندرونِ دل کامعاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیاجائے گا۔

تو ان کاراستہ چھوڑدو

چنانچہ اس سلسلہ میں آیت پیش کی﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین اہلِ حرب(یعنی جن مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کا جنگ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کاسلسلہ چل رہاہے ان) کے متعلق حکم دیاہے کہ ان کو گھیرو، پکڑو اور قتل کرو۔ان کو چھوڑو مت۔لیکن پھر فرمایاکہ اگروہ توبہ کریں اور اپنے شرک سے باز آجائیں اورایمان قبول کرلیں، اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، گویاکلمۂ اسلام کااظہارکرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ظاہری علامتیں بھی ان میں پائی جاویں،تواب ان کاراستہ چھوڑدو۔یعنی اب ان کو گھیرنے،گرفتار کرنے، قتل کرنے اوران کے خلاف مشرک ہونے کی حیثیت سے جوکارروائی کرنے کا حکم تھا، اس کو جاری رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔بلکہ اب آپ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیجئے،اورایک مسلمان کی جان مال،عزت وآبروجس طرح محفوظ سمجھی جاتی ہے اس کے ساتھ بھی اسی جیسامعاملہ ہوناچاہیے۔

مجھے قتال کا حکم دیاگیاہے

حدیث ۳۹۰

عَنِ ابْنِ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رسولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) قَالِ:أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَن لَّآ إِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ.فَإِنْ فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَآءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ.وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایاکہ مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیاگیاکہ لوگوں کے ساتھ قتال کروں (مشرکین کے ساتھ جنگ کروں) یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دینے لگیں کہ اللہ کے علاوہ اورکوئی عبادت کے لائق نہیں،اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں۔جب وہ ایسا کرنے لگیں (یعنی زبان سے کلمۂ اسلام پڑھ لینے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے) تو یہ حضرات مجھ سے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو محفوظ کرلیں گے (یعنی وہ قتال اور جنگ جوان کے ساتھ کی جاری تھی، جس کی وجہ سے ان کی جان مال محفوظ نہیں تھی، انہوں نے ان کاموں کی وجہ سے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو محفوظ کرلیا) البتہ اسلام کا مطالبہ ان پر باقی رہا۔اوران کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

مگر اسلام کے حق سے

افادات:"اَلاَّ بِحَقِّ الْاِسْلَامِ" البتہ اسلام کا مطالبہ ان پر باقی رہا۔یعنی اس کے بعد اگر کوئی کام ایسا کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں اسلامی حکم یہ ہے کہ ان کی جان پر ہاتھ ڈالا جائے، یا ان کے مال کو لیا جائے، تو پھر اس میں اس کو حفاظت نہیں ملے گی۔مثلاً اس نے مؤمن ہوجانے کے بعد کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کردیا، تو اب ظاہر ہے کہ اسلام نے اس موقع پر قاتل کے لیے یہی سزا مقرر کی ہے کہ مقتول کے بدلہ میں بطورِ قصاص کے اس کو قتل کیا جائے۔اب کوئی آدمی یوں کہے کہ بھائی! یہ کلمہ پڑھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔اور قرآن و حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ ایک آدمی کلمۂ شہادت پڑھ لے، نماز پڑھے، زکوٰۃ دے، تو اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہوجاتا ہے۔تو اب اس پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیے، اس کی جان تو محفوظ ہے؟ تو "بِحَقِّ الْاِسْلَامِ" کہہ کر اس قسم کے احکام کو مستثنیٰ کردیا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

یا مثلاً ایک آدمی نے زناکا ارتکاب کیا اور وہ "مُحْصَن" یعنی شادی شدہ، عاقل بالغ اور آزاد ہے۔ اور اس کی عاقلہ بالغہ آزاد عورت کے ساتھ شادی ہوچکی ہے، اس کے بعد بھی اس نے زناکا ارتکاب کیا، تو ایسے آدمی کے لیے اسلامی حکومت کو شریعت یہ حکم دیتی ہے کہ اس کو سنگسار کیا جائے۔ یعنی پتھر مار کر اس کی جان ختم کی جائے تو دیکھو! یہاں شریعتِ اسلام نے ہی اس کی جان لینے کا حکم دیا ہے۔

"إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ" کا مطلب یہی ہے کہ جہاں اسلام ہی اس کی جان لینے کا مطالبہ کرتا ہے، تو وہاں چاہے وہ کلمہ پڑھ چکا ہو، نمازوں کا اہتمام کرتا ہو، زکوٰۃ بھی دیتا ہو؛ سب کچھ کررہا ہو، لیکن جب اس نے کوئی ایسی حرکت کرلی، جس پر اسلام نے ہی سزا کے طور پر یہ حکم مقرر کیا ہے کہ اس کی جان لی جائے، یا اس کا مال لیا جائے، تو پھر وہاں یہ تینوں کام اس کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ وہاں کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کلمہ پڑھتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے، اس کی جان اور مال تو محفوظ ہے پھر کیوں اس پر ہاتھ ڈالا جارہا ہے؟ یہاں اسلام ہی کے حکم سے اس پر ہاتھ ڈالا جارہا ہے جس اسلام نے کلمہ ٔ اسلام کا اظہار کرنے پر اور نماز و زکوٰۃ کا اہتمام کرنے پر اس کے جان و مال کی حفاظت کی گارنٹی دی تھی؛ وہی اسلام اب یہ حکم دے رہا ہے کہ اس کی اس حرکت پر اس کی جان لی جائے۔ تو اب معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں

"وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ" یہاں اس روایت کو اسی لیے لائے ہیں کہ دیکھو!

نبیٔ کریم (ﷺ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا کہ جب یہ لوگ کلمۂ شہادت کا اقرار کرلیں، نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، تو اس کے نتیجہ میں ان کے جان ومال محفوظ ہوجائیں گے۔ اب کسی کو یہ شک وشبہ کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ ہوسکتا ہے انہوں نے ظاہر میں دکھلاوے کے واسطے ایسا کیا ہو، اور حقیقی طور پر وہ ایمان نہ لائے ہوں۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں "وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ" ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے۔ اب ہم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے دل کے اندر کی چیز کے متعلق کسی قسم کے شک وشبہ کا اظہار کریں، یا اپنے دل میں اس کے متعلق کوئی تردد رکھیں کہ معلوم نہیں وہ دھوکہ دینے یا دکھلاوے کے واسطہ ایسا کررہا ہو۔ شریعت نے جب ہم کو یہ بتلادیا کہ جو آدمی ان اعمال کو انجام دے، اس کے ساتھ تمہیں یہ معاملہ کرنا ہے۔ جب وہ ان اعمال کو انجام دے رہا ہے تو ہمیں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرنا ہے۔ اب اس کے دل میں کیا ہے، اس کے متعلق ہمیں کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یمن بھیجا تھا، وہاں سے انہوں نے مالِ غنیمت کے خمس کے طور پر کچھ سونا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں بھیجا۔ جب وہ سونا مدینہ منورہ پہنچا تو چار حضرات جو مؤلفۃ القلوب تھے- یعنی ایسے لوگ جن کی دل جوئی کرنا مقصود تھا- ان میں وہ سونا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تقسیم کر دیا، اس پر ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس سے زیادہ حقدار تھے۔ جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا ''أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ'' تم لوگ مجھ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ آسمان والا یعنی اللہ تعالیٰ مجھ پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے؟ رات اور دن اس کے پاس سے مجھ پر وحی آتی ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ مجھ پر بھروسہ اور اعتماد کر رہا ہے اور مجھے امین قرار دے رہا ہے تو تمہیں میرے اوپر بھروسہ کیوں نہیں؟ جیسے کوئی بڑی شخصیت کسی کے ساتھ اعتماد کا معاملہ کرتی ہو اور کوئی چھوٹا ایسا کہے، تو کہتے ہیں کہ فلاں پر تجھے بھروسہ نہیں؟

اس موقع پر ایک آدمی کھڑا ہوا جس کا حلیہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی تھیں، رخسار اُبھرے ہوئے تھے، پیشانی باہر کو نکلی ہوئی تھی، سر منڈا ہوا تھا ڈاڑھی گھنی تھی اور پائنچے اونچے تھے۔ اس نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا ''اِتَّقِ اللّٰہَ'' اللہ سے ڈریو، اس پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر میں اللہ سے نہیں ڈروں گا تو اور کون ڈرے گا؟ اس وقت حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) اُٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اجازت دیجئے کہ میں اس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

کی گردن اُڑادوں۔ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: نہیں! ”لَعَلَّهُ أَن يَّكُونَ يُصَلِّيْ“ شاید یہ نماز پڑھتا ہو۔ اس کے جواب میں حضرت خالد(رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا: ”كَمْ مِّنْ مُّصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهٖ مَالَيْسَ فِيْ قَلْبِهٖ“ بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں جن کے دل میں وہ بات نہیں ہوتی جو ان کی زبان پر ہوا کرتی ہے۔یعنی ہوسکتا ہے کہ ظاہری اور نمائشی طور پر نماز پڑھتا ہو اور کلمہ کا اظہار کرتا ہو، لیکن اس کے دل میں یہ بات نہ ہو؟ تو نبی کریم (ﷺ) نے جواب میں فرمایا: ”اِنِّيْ لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ“ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں کی باتوں کو کھود کرید کروں ۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری شریف: ۴۳۵۱)

مقصد یہ ہے کہ اسلامی شریعت کا یہ ایک اصول ہے، خاص کر جبکہ اسلامی مملکت ہو، اور وہاں اسلامی احکام ظاہری طور پر لوگوں پر جاری کئے جاتے ہوں، تو اس کی خاص ضرورت پیش آتی ہے کہ جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کررہا ہے، اس کے متعلق کوئی شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں گے۔

ایک غلط طریقہ

آج کل ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی اسلام قبول کرنے کے لیے آیا، اور ہمارے سامنے کلمہ بھی پڑھا اور نماز پڑھنا بھی شروع کردیا اور اسلامی احکام پر عمل بھی کرنے لگا، اس کے باوجود بعض لوگ اس شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ کون آدمی ہوگا۔کوئی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

جاسوس تو نہیں ہے۔ یہ غلط طریقہ ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جب اس نے ساری چیزیں کرلیں تو آپ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیجئے، اب اگر اس کے دل میں کوئی دوسری بات ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس سے حساب لے لیں گے۔ جنت تو حقیقی اسلام پر ہی ملنے والی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ ہمیں اس چکر میں پڑنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تو جس چیز کا کہا گیا ہے اسی کی پابندی کرنی ہے۔

اب اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے

حدیث ۳۹۱

عن أبي عبداللہ طارق بن أشيم (رضی اللہ عنہ) قال: سَمِعْتُ رَسُوْلَ الله (صلی اللہ علیہ وسلم) يَقُوْلُ: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا الله وَ كَفَرَ بِمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللهِ، حَرُمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ مع تشریح: حضرت طارق بن اشیم (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی لا الٰہ الا اللہ کہے (یعنی اسلام کا کلمہ پڑھے۔ یہاں شراح نے لکھا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہے، اس لیے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ سے آدمی مؤمن نہیں ہوجاتا جب تک کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا اقرار نہ کرے۔ یہ تو کلمہ اسلام کا ایک عنوان ہے۔) اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن چیزوں کی پوجا کی جاتی ہے ان کا انکار کردے (اس سے اپنے آپ کو بری ظاہر کردے۔ یہ ایک ضروری چیز ہے کہ کوئی آدمی اسلام قبول کرتا ہے تو جب اس کو کلمہ اسلام پڑھایا جائے گا وہاں پہلے ہی اس سے پوچھ لیا جائے گا کہ اب تک کس چیز کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس عقیدے سے بھی توبہ کرائی جائے۔ مطلب یہ

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہے کہ اللہ کے علاوہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتا تھا اس سے توبہ کر کے اپنی براءت کا اظہار کر دے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کا قائل ہوجائے) تو اس کا مال اور خون حرام ہوجاتا ہے (یعنی اب ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے) اور اس کا حساب اللہ کے حوالہ کیا جائے گا (یعنی اب ہمیں اس کے معاملہ میں شک و شبہ اور تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔)

عین لڑائی میں کلمہ پڑھ لیا تو؟

حدیث ۳۹۲

وَعَنْ أَبِي مَعْبَدٍ الْمِقْدَادِ بنِ الأَسْوَدِ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيْتُ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ، فَاقْتَتَلْتُ، فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا، ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ: أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ، أَأَقْتُلُهُ يَارَسُوْلَ اللهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ فَقَالَ: لَاتَقْتُلْهُ. فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! قَطَعَ إِحْدَى يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَا قَطَعَهَا. فَقَالَ: لَاتَقْتُلْهُ، فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِيْ قَالَ۔ (متفق علیه)

ترجمہ مع تشریح: حضرت مقداد بن اسود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میدانِ جنگ میں کسی کافر سے میری مڈبھیڑ ہوجائے (اور ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑیں) اسی دوران وہ تلوار کے ذریعہ سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے، اس کے بعد (جب وہ دیکھے کہ اب میں اس پر حملہ آور ہونا چاہتا ہوں تو) اپنے بچاؤ کے لیے وہ ایک درخت کی آڑ میں چلا جائے، اور وہاں پہنچ کر فوراً کہے "أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ" میں اسلام لے آیا۔ تو اے اللہ کے رسول! اب کیا میں اس کو قتل کرسکتا ہوں؟ (چوں کہ اس زمانہ میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور یہ صورتیں پیش آتی رہتی تھیں۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

دیکھئے! یہاں ظاہری حالات یہ بتلارہی ہے کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا ہے، اسی لیے انہوں نے سوال کے واسطے نبی کریم (ﷺ) کے سامنے خاص یہ صورت پیش کی۔) حضور (ﷺ) نے فرمایا "لَا تَقْتُلْهُ" آپ اس کو قتل نہ کیجئے۔ حضرت مقداد (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا اس کے بعد وہ یہ بات کہہ رہا ہے؟ (تو اس کی وجہ سے سمجھ میں تو یہی آرہا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کہہ رہا ہے) تو نبی کریم (ﷺ) نے پھر کہا "لَا تَقْتُلْهُ" تب بھی اس کو قتل نہ کرو۔

افادات: یعنی جب وہ کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرچکا جس کی وجہ سے اس کی جان اور مال محفوظ ہوگئے، اس کے باوجود بھی اگر تم نے اس کو قتل کردیا تو اس کو قتل کرنے سے پہلے جو حالت اور پوزیشن تمہاری تھی، اب وہ پوزیشن اس کی ہوگئی۔ اور جو پوزیشن کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کی تھی وہ پوزیشن تمہاری ہوگئی۔ حضرت مقداد (رضی اللہ عنہ) مسلمان تھے اور کسی جرم کے مرتکب بھی نہیں ہوئے تھے، وہ معصوم الدم تھے۔ انہوں نے کسی مسلمان کی جان نہیں لی تھی کہ جس کی وجہ سے ان کی جان لینا درست ہو۔ اور اس نے جب کہہ دیا کہ میں مسلمان ہوا تو اب اس کی پوزیشن بھی وہی ہوگئی کہ اس کی بھی جان و مال محفوظ ہوگئے۔ اس کے بعد بھی اگر اس کو قتل کردیا تو جو پوزیشن کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کی تھی وہ پوزیشن تمہاری ہوگئی۔ یعنی نعوذ باللہ وہ کافر نہیں ہوگئے، بلکہ اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کی جان محفوظ نہیں تھی، اور کلمہ پڑھ لینے کی وجہ سے اس کی بھی جان محفوظ ہوگئی تھی، اور جب اس کے قتل کا ارتکاب کیا تو اس کی وجہ سے قصاص کے طور پر اب تمہاری جان لینا جائز ہوگیا۔ اس لیے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اب تمہاری جان محفوظ نہیں رہی۔یہ مثال دے کربطورِ تشبیہ جان کے محفوظ ہونے اورنہ ہونے کو سمجھایا گیا ہے۔

دراصل بتلانایہ ہے کہ ظاہری اعتبار سے ایسی صورت موجود تھی جس میں ایک قرینہ اورعلامت بھی ہے کہ اس نے ان کاہاتھ کاٹا،اورجب یہ اُس پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں،توہوسکتاہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے ایسی بات کررہا ہو، تب بھی نبی کریم (ﷺ) نے اس بات کاپابندبنایاکہ جب ہمیں یہ حکم دیاگیاہے کہ جو آدمی اپنے آپ کومسلمان ظاہرکرتاہو،اس کے ساتھ مسلمانوں کاسامعاملہ کرنا چاہیے۔وہ کس حالت میں اپنے اسلام کااظہارکررہاہے،اس کاکوئی فرق نہیں کیاگیا۔

آگے اسی طرح کاایک اورواقعہ بیان کرتے ہیں۔

لاڈلے،لاڈلے زادے

حدیث ۳۹۳

وَعَنْ أُسَامَةَبْنِ زيدٍ(رضی اللہ عنہ) قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ (ﷺ) إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَينَةَ، فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ عَلَى مِيَاهِهِم، وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِّنَ الأَنْصَارِ رَجُلاً مِنهُم. فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، فَكَفَّ عَنْهُ الأَنْصَارِيُّ وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتّىٰ قَتَلْتُهُ. فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ بَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ (ﷺ) فَقَالَ لِي: يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعدَ مَا قَالَ: لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ؟ قُلتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذاً. فَقَالَ: أَقَتَلْتَهُ بَعدَ مَا قَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ؟ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّىٰ تَمَنَّيتُ أَنِّي لَم أَكُنْ أَسْلَمتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ۔(متفق علیه)

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

وفی روایة:فَقَالَ رَسُولُ اللهِ (ﷺ) أَقَالَ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَقَتَلْتَهُ؟ قُلتُ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا قَالَهَا خَوفاً مِنَ السِّلاَحِ. قَالَ: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلبِهٖ حَتیٰ تَعلَمَ أَقَالَهَا أَم لاَ؟ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتیٰ تَمَنَّيتُ أَنِّي أَسلَمتُ يَومَئِذٍ۔

حضرت اسامہ بن زید(رضی اللہ عنہ)سے یہ روایت منقول ہے۔یہ حضرت اسامہ بن زید(رضی اللہ عنہ) حضور اکرم(ﷺ) کے محبوب ہیں۔حضرت زیدبن حارثہ (رضی اللہ عنہ) جونبی کریم (ﷺ) کے متبنّٰی رہ چکے تھے اورنبی کریم (ﷺ) کے بڑے محبوب اورلاڈلے تھے،انہیں کے بیٹے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) ہیں،اسی لیے ان کو"حِب ابنُ الحِب"کہاجاتا تھا۔نبی کریم (ﷺ) کے محبوب اور محبوب کے بیٹے۔

ترجمہ مع تشریح: حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ قبیلہٴ جہینہ کی ایک شاخ حرقہ تھی۔وہ لوگ بنوحرقہ اورحرقات کہلاتے تھے۔ان کی طرف نبی کریم (ﷺ) نے مجھے لشکرلے کر بھیجا(تو کفار کے جس علاقہ پرحملہ کرنے کے لیے ہم گئے تھے، وہ سارامشرکین کاعلاقہ تھا)صبح کے وقت ان کے چشمہ اورقیام گاہ پرہم نے ان کوجالیا(یعنی ہم نے حملہ کردیا)میں اورایک انصاری ہم دونوں اس قبیلہ کے ایک آدمی پرحملہ کے لیے پہنچ گئے۔جب ہم بالکل اس کے اوپرپہنچے تووہ بول پڑالاالٰہ الااللہ۔

دوسری روایت میں ہے کہ سب قبیلہ والے بھاگ گئے اور ایک آدمی رہ گیااورہم اس کے پاس اس کے قتل کے ارادہ سے پہنچ گئے۔جب اس نے ہم کوبالکل اپنے پرچڑھاہواآیادیکھاتو اس نے کلمہ پڑھ لیا۔تووہ انصاری تورک گئے،لیکن میں نے اپنانیزہ اس کی طرف بڑھایااوراس کو قتل کردیا۔(یہ واقعہ تووہاں ہوگیا)پھرجب ہم مدینہ منورہ واپس آئے تونبی کریم (ﷺ) کویہ ساری تفصیلات معلوم ہوئیں (سارے حالات آپ (ﷺ) کے سامنے آئے تو)نبی کریم (ﷺ) نے مجھے بلاکر فرمایاکہ اے اسامہ! اس آدمی نے لاالہ الااللہ کہہ دیاتھا،اس کے باوجود تم نے اس کو قتل کردیا؟میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول!

وہ توجان بچارہاتھا(یعنی اس نے لاالہ الااللہ دل سے تھوڑاہی کہاتھا؟بلکہ جب اس نے دیکھاکہ ہم تلوارلے کر اس کے سرپر پہنچ گئے ہیں تواپنی جان بچانے کے لیے اس نے یہ جملہ کہہ دیا۔حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ) حضور(ﷺ) نے پھردوبارہ فرمایاکہ لاالہ الااللہ کہنے کے بعدبھی تم نے اس کو قتل کردیا؟حضوراکرم (ﷺ) باربار یہ فرماتے رہے،یہاں تک کہ میں دل میں یہ سوچنے لگاکہ کاش! آج ہی میں مسلمان ہوا ہوتا۔

افادات: مطلب یہ ہے کہ اگرآج اسلام لایاہوتاتوچوں کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے ’’اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَاکَانَ قَبْلَہٗ‘‘ کوئی آدمی اسلام قبول کرے تواسلام لانے سے پہلے جتنے بھی بڑے بڑے گناہ کئے تھے،چاہے بیسیوں آدمیوں کو قتل کیوں نہ کیا ہو؛ وہ سب معاف ہوجاتے ہیں۔ان کامطلب یہ تھاکہ میراآج اسلام لانامیرے اس گناہ کے معاف ہونے کاذریعہ بن جاتا۔یہ جملہ بول کران کا مقصد اپنے آپ کواس گناہ سے پاک صاف رکھناتھا اورکوئی چیز نہیں تھی۔

کیاتم نے اس کادل چیراتھا؟

ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے فرمایاکہ اے اسامہ!اس نے لاالہ الااللہ کہا،پھربھی تم نے اس کو قتل کردیا؟میں نے عرض کیاکہ اے اللہ کے رسول! تلوار کے ڈرسے اس نے کہاتھا۔حضور(ﷺ) نے فرمایاکہ کیاتم نے اس کادل چیرکردیکھا تھاکہ اس نے یہ کلمہ تلوارکے ڈرسے کہاہے؟یعنی اس نے یہ کلمہ سچے دل سے پڑھا، یا تلوارکے ڈرسے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

پڑھا؛یہ تو دل سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔تم نے تو صرف ظاہری حالت کو دیکھا۔ہو سکتا ہے کہ عین اس حالت میں بھی ایک آدمی سچے دل سے یہ کلمہ پڑھ لے۔یہ کوئی بعید اور ناممکن بات تو ہے نہیں ۔اس لیے نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق دل سے ہو،اس معاملہ میں کبھی ہمیں اس بات کی جرأت نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے دل کی نیت کے متعلق کوئی فیصلہ کریں۔شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔جو معاملہ بھی دل سے تعلق رکھنے والا ہو،اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردینا چاہیے،ہم اس کے متعلق کوئی دوٹوک بات نہیں کہہ سکتے۔نبی کریم (ﷺ) نے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو ان کے اس فعل پر بار بار ٹوکا۔

صحابہ کی شان

حضراتِ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی ایک خاص بات یہ تھی کہ کسی چیز پر جب نبی کریم (ﷺ) کی طرف سے ان کو تنبیہ کی جاتی،یا تاکید کے طور پر کوئی بات کہی جاتی،تو زندگی میں ایک بار جو بات کہہ دی گئی وہ ان کے دل پر پتھر کی لکیر کی طرح نقش ہوجاتی تھی۔ پھر کبھی اس کے خلاف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایک صحابی نے نبی کریم (ﷺ) سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمادیں۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا کہ کسی سے کوئی سوال مت کرنا۔اس کے بعد اگر وہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہاتھ میں سے کوڑا نیچے گر جاتا، تو کبھی کسی مانگتے نہیں تھے کہ میرا کوڑا دو۔ بلکہ خود اترتے، کوڑا اُٹھاتے اور پھر سوار ہوتے۔

ہر صحابی کی یہی شان تھی کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کی جانے والی ہدایت ایسی نہیں ہے کہ اس کی طرف سے آدمی غفلت برتے اور بے پرواہی سے کام لے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جب ایک مرتبہ تنبیہ کردی گئی تو ایک مؤمن کی شانِ ایمانی کا تقاضہ یہی ہے کہ زندگی بھر کے واسطے وہ بات اس کے قلب پر نقش ہو جانی چاہیے۔

کسی کا ساتھ نہ دیا

حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جب ایک مرتبہ یہ معاملہ پیش آگیا، اس کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے دورِ خلافت میں جب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے درمیان اجتہادی نظریات کے اختلاف کے پیشِ نظر آپس میں جنگ کی نوبت آئی، تو مسلمانوں ہی کے دو لشکر آپس میں ٹکرائے۔ اس زمانہ میں حضراتِ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں تین گروہ ہوگئے تھے۔ ان میں سے اکثر تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف ہوگئے تھے۔ بعض حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف تھے۔ اور بعض غیر جانبدار (Neutral) تھے، یعنی کسی کی طرف نہیں تھے۔ وہ اس سے اپنے آپ کو الگ ہی رکھتے تھے۔ اس وقت جو لوگ اس سے الگ تھلگ رہے تھے، انہیں میں سے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ حالانکہ حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کا تعلق نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھرانہ کے ساتھ بالکل گھر جیسا تھا۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

اپنی ایک ران پر حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو بٹھایا اور دوسری ران پر حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو بٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان سے محبت رکھیو۔

(بخاری شریف، ۳۵۲۸۔ سنن النسائی الکبری، ۸۱۸۴)

بہر حال! میں تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے گھرانہ کے ایک فرد کی طرح تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس معاملہ میں انہوں نے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔

مجھے جرأت نہیں ہوتی

اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) امیر المؤمنین تھے اور اہلِ حق کے نمائندے تھے، اس لیے ہر ایک کا فریضہ بنتا تھا کہ ان کا تعاون کر کے ان کا ساتھ دیتا۔ اور جنہوں نے اس معاملہ میں غیر جانبدار رہ کر یا کسی اور طریقہ سے کمی کوتاہی سے کام لیا تھا تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس معاملہ میں ان کے ساتھ بڑے سخت واقع ہوئے تھے۔ بخاری شریف ہی میں ایک واقعہ موجود ہے کہ اس کے بعد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے دورِ خلافت میں کسی ضرورت سے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک آدمی بھیجا۔ تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ وہ پوچھیں گے کہ انہوں نے ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیا تھا؟ تو جواب میں ان کو میری طرف سے یہ کہنا کہ اگر میں آپ کو شیر کے منھ میں دیکھتا تو اس بات کو پسند کرتا کہ آپ کے ساتھ ساتھ میں بھی ہوتا، لیکن آپس کی یہ جنگ ایک ایسی چیز

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

ہے جس میں مجھے جرأت نہیں ہوتی (بخاری شریف،۷۱۱۰) چوں کہ یہ ایک ایسی بات تھی جس پر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو ایک مرتبہ تنبیہ کرچکے تھے،اس لیے آئندہ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اسی لیے انہوں نے اس معاملہ میں اپنے آپ کوالگ رکھا تھا۔

تب تم کیاجواب دوگے؟

حدیث ۳۹۴

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) بَعَثَ بَعْثاً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلٰى قَوْمٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَأَنَّهُمُ الْتَقَوْا، فَكَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِذَا شَاءَ أَنْ يَّقْصُدَ إِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَصَدَ لَهُ فَقَتَلَهُ، وَأَنَّ رَجُلاً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَصَدَ غَفْلَتَهُ، وَكُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، فَلَمَّا رَفَعَ السَّيْفَ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَتَلَهُ، فَجَاءَ الْبَشِيْرُ إِلٰى رَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَسَأَلَهُ وَأَخْبَرَهُ، حَتّٰى أَخْبَرَهُ خَبَرَ الرَّجُلِ كَيْفَ صَنَعَ، فَدَعَاهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: وَلِمَ قَتَلْتَهُ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوْجَعَ فِي الْمُسْلِمِيْنَ وَقَتَلَ فُلَاناً وَفُلَاناً، وَسَمّٰى لَهُ نَفَراً، وَإِنِّي حَمَلْتُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَأَى السَّيْفَ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم): أَقَتَلْتَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِسْتَغْفِرْ لِيْ، قَالَ: وَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَجَعَلَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى أَنْ يَّقُوْلَ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مشرکین کی ایک قوم کی طرف ایک لشکر بھیجا۔جب دونوں کی آپس میں جنگ ہوئی تو مشرکین میں ایک بڑابہادرآدمی تھا،جس مسلمان کاوہ رخ کرتا،اس پر حملہ آورہوکراس کو قتل کردیتاتھا۔چنانچہ ایک مسلمان آدمی اس کی بے خبری کامنتظررہا،تاکہ وہ اس پر حملہ کرے۔(حضرت جندب بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ وہ مسلمان جو اس

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

مشرک کی بے خبری کا منتظر تھا وہ حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) تھے۔)جب انہوں نے موقع پالیا اور دیکھا کہ وہ غافل ہے تو اس کو مارنے کے لیے اس انداز سے تلوار اُٹھائی کہ اس کو جوابی حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا(غفلت کا مطلب یہی تھا کہ وہ جوابی کارروائی نہ کرپائے اوراس سے پہلے ہی اس کا معاملہ ختم ہوجائے۔ خیر! جب انہوں نے تلوار اُٹھائی اوراس نے بھی دیکھاکہ اب میرے پاس دفاع کا کوئی موقع نہیں ہے)توفوراًاس نے کلمہ لاالٰہ الااللہ پڑھالیکن حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے اس کو قتل کردیا۔(گویاوہ اس کاکلمہ سننے کے باوجود بھی رکے نہیں)اس جنگ میں جب مسلمانوں کو کامیابی ہوئی تواس کی خبر دینے والانبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پہنچا۔حضوراکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے تمام حالات پوچھے، اس آدمی نے سارے حالات بتائے اوراس میں اس بہادرکا واقعہ بھی سنایاکہ اس نے کئی مسلمانوں کو قتل کیااورجب اس پر حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے حملہ کیاتواس نے کلمہ لاالٰہ الااللہ پڑھا،لیکن حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں وہ قتل ہوا حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کوبلایااورپوچھاکہ تم نے اس کو قتل کیوں کیا؟حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیاکہ اے اللہ کے رسول!اس نے مسلمانوں کوبہت نقصان پہنچایا، کئی آدمیوں کے نام لے کرکہاکہ فلاں اورفلاں کواس نے قتل کیا،اورپھرجب میں اس پرحملہ آور ہوا اوراس نے میری تلوارکواپنے سرپردیکھاکہ وہ اپناکام کرنے جارہی ہے تو اس نے لاالٰہ الااللہ کہہ دیا۔حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ کیاتم نے اس کو قتل کردیا؟حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں:جی ہاں۔توآپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایاکہ اے اسامہ!قیامت کے روز جب اس آدمی کا یہ کلمہ لاالٰہ الااللہ تمہارے خلاف دعویٰ دائر کرے گا؛توتم کیاجواب دوگے؟حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے جب یہ سنا تو کہا کہ آپ میرے لیے دعاءِ مغفرت کیجئے۔اس کے جواب میں پھر حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایاکہ قیامت کے روزجب وہ آئے گاتواس کے لاالٰہ الااللہ کاکیاجواب دوگے؟ حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) بار بار یہی جملہ فرماتے رہے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

افادات: اس موقع پر شراح نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض محدثین نے نقل کیا ہے کہ حضور (ﷺ) نے جب ان کے لیے دعاءِ مغفرت کی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) کی توبہ بھی نازل ہوئی۔

اب فیصلہ ظاہر پر ہوگا

حدیث ۳۹۵

عَنْ عَبدِاللّٰهِ بنِ عُتبَةَ بنَ مَسعُودٍ قَالَ: سَمِعتُ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ يَقُولُ: إِنَّ نَاساً كَانُوْا يُؤْخَذُونَ بِالوَحيِ فِي عَهدِ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ)، وَإِنَّ الوَحيَ قَدِ انقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأخُذُكُمُ الآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِن أَعمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظهَرَ لَنَا خَيراً أَمَّنَّاهُ وَقَرَّبنَاهُ، وَلَيسَ لَنَا مِن سَرِيرَتِهِ شَيءٌ، اَللّٰهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظهَرَ لَنَا سُوءً أَلَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقهُ، وَإِنْ قَالَ إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم (ﷺ) کے زمانہ میں لوگوں کو وحی کی وجہ سے پکڑا جاتا تھا۔ اب وحی کا سلسلہ تو منقطع ہوگیا اس لیے تمہارے جو ظاہری اعمال ہیں، اسی کے مطابق ہم تمہارے ساتھ معاملہ کریں گے۔

افادات: یعنی بعض منافقین جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اور نبی کریم (ﷺ) بھی ان کے ساتھ مؤمنوں ہی کا سا معاملہ کرتے تھے؛ لیکن جب ان کے متعلق خاص طور پر بذریعۂ وحی حضور اکرم (ﷺ) کو بتلایا جاتا، تو ان کے ساتھ مشرکوں کا سا معاملہ کیا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کررہا ہے لیکن وحی نے آکر اس کے خلاف کوئی

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com

چیز بتلائی تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آئی ہے اس کی وجہ سے اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا۔حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ) اب وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا اس لیے تمہارے جو ظاہری اعمال ہیں،اسی کے مطابق ہم تمہارے ساتھ معاملہ کریں گے۔چنانچہ جو آدمی ہمارے سامنے اپنے آپ کو بھلا ظاہر کرے گا یعنی کلمۂ اسلام پڑھے گا،نماز ادا کرے گا،زکوٰۃ ادا کرے گا اور ہمیں اس میں مسلمانوں کی سی علامتیں نظر آئیں گی،تو ہم اس کو جان ومال کی گارنٹی دیں گے، اپنے قریب کریں گے، مسلمانوں کا سا معاملہ کریں گے اور اپنی جماعت میں اس کو داخل کریں گے،اس کے اندر کے حال سے ہمیں کوئی لینا دینا نہیں ہے، اندر کے معاملہ کا حساب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے لیں گے۔یہاں دنیا میں تو وہ اپنے آپ کو جیسا ظاہر کر رہا ہے؛ہم اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں گے۔اور جو آدمی ہمارے سامنے اپنے آپ کو برا ظاہر کرے گا یعنی کافروں کا سا معاملہ کرے گا تو ہم نہ تو اس کو جان ومال کی امان دیں گے،اور نہ اس کو مسلمان قرار دیں گے،چاہے اس کے اندر کچھ بھی ہو۔اس کے اندر کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے تو شریعت کی طرف سے یہی تاکید کی گئی ہے کہ جو آدمی ہمارے سامنے اپنے آپ کو جس طرح ظاہر کرتا ہے،اس کے مطابق ہم اس کے ساتھ معاملہ کریں،اور اس کے دل میں کیا ہے اس کے متعلق کوئی تردد اور شک وشبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے،اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیا جائے۔

Copyright © http://www.muftiahmedkhanpuri.com